یہودیت

تاریخ، فطرت اور عزائم

یوسف ظفر
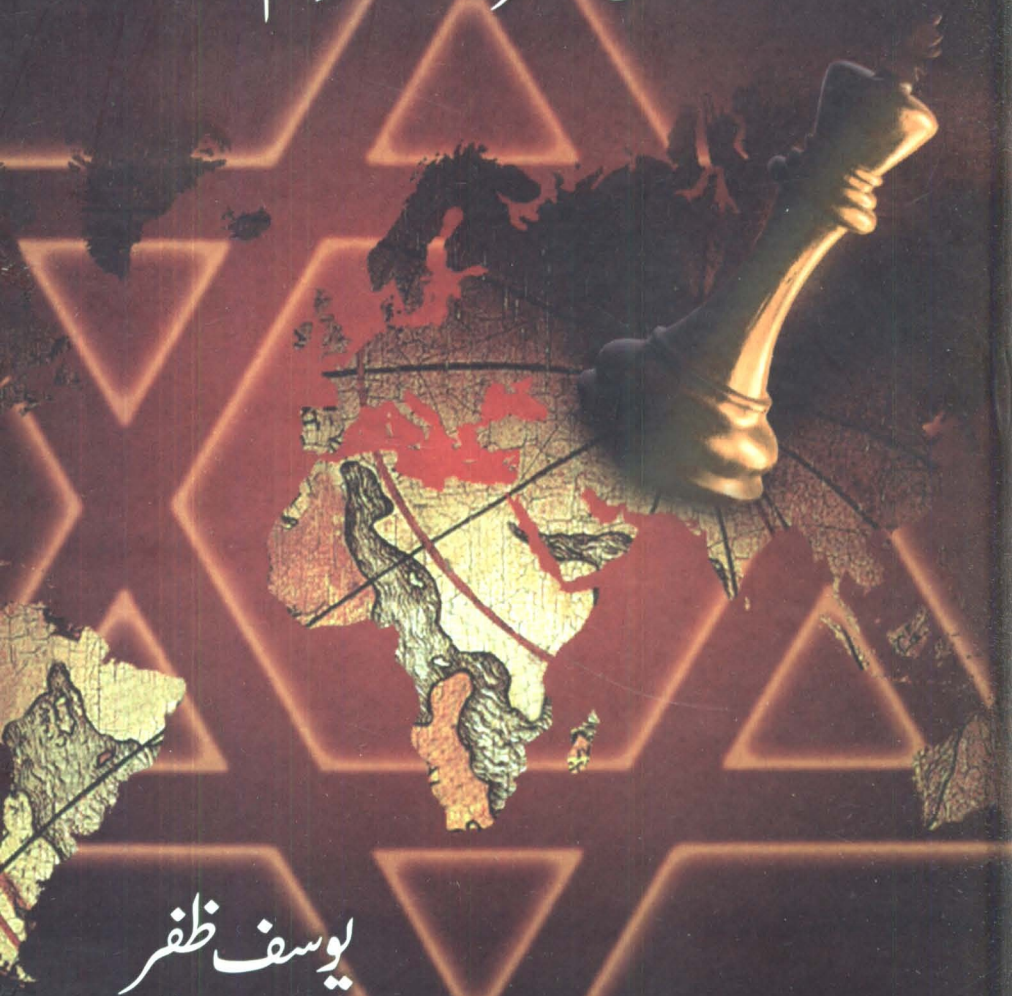
بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

یوسف ظفر

احمد پبلی کیشنز لاہور

موسم اشاعت: .... نومبر 2009ء

ٹائٹل ڈیزائن: .... انیس یعقوب

پرنٹر: .... حاجی حنیف پرنٹرز

قیمت: .... 300.00 روپے

ملک بلڈنگ نمبر 1، A-19، ایبٹ روڈ، لاہور۔
فون: 042-6307828 فیکس: 042-6314383
ای میل: ghalibooks@yahoo.com

انتساب

بیت المقدس کے نام

تعارف مصنف

اصل نام: شیخ محمد یوسف

ادبی نام : یوسف ظفرؔ

پیدائش: یکم دسمبر 1914ء بمقام مری

تعلیمی مراکز: سناتم دھرم پرائمری سکول راولپنڈی، مشن ہائی سکول راولپنڈی، خالصہ کالج گوجرانوالہ، سناتم دھرم کالج لاہور۔

تعلیمی قابلیت: بی۔اے 1937

ادارت: ماہنامہ ''ہمایوں'' لاہور 47-1943ء ہفت روزہ ''کشمیر'' 56-1955

شعری مجموعے : زنداں: 1944، زہر خند: 1944، صدا بصحرا: 1961، حریم وطن: 1961، نوائے ساز: 1962، عشق پیچاں: 1973، کلیات یوسف ظفر: 2005

ڈرامے : شہسوار: 1944

نصابی کتب: کاروانِ ادب برائے جماعت ششم، ہفتم و ہشتم (اشتراک: پروفیسر قیوم نظر)

تراجم : مائی چیف (مصنف: کرنل محمد احمد): 1961، زندگی پھر مسکرائی (مصنفہ: پرل ایس بک): 1962

تحقیقی تصنیف: یہودیت: اشاعت اول: 1982

شعری انتخاب وانگریزی ترجمہ: Selected Poems of Yusuf Zafar by: Prof. Sajjad Shaikh: 2005

متعلقہ ادبی تصانیف : یوسف ظفر شخصیت اور فن (تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی) از ڈاکٹر افتخار احمد نیر صمدانی شعبہ اردو گورنمنٹ کالج لاہور، یوسف ظفر کی بات: ڈاکٹر تصدق حسین راجا 1992، کھوئے ہوؤں کی جستجو، پروفیسر شہرت بخاری 1986

اعزاز: تمغۂ قائداعظم 1966

آخری ملازمت: ریجنل ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان راولپنڈی

انتقال : 7 مارچ 1972 (بعمر 57 برس) راولپنڈی۔

فہرست

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علیٰ افضلِ الانبیاء و المرسلین و علی آلہٖ و اصحابہ اجمعین ۔

اگرچہ مجھے ذاتی طور پر یوسف ظفر مرحوم سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا ۔ تاہم ایک نامور ادیب ، قادر الکلام شاعر ، بلند پایہ مصنّف اور ممتاز صحافی کی حیثیت سے وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں انہوں نے اپنی علمی صلاحیتوں کو برُوئے کار لا کر عمر بھر ملک و قوم کی قابلِ قدر خدمات انجام دیں اور اپنی اعلیٰ کارکردگی پر "تمغۂ قائدِ اعظم" حاصل کیا ۔ زندان، زہر خندہ ، صدا بصحرا ، نوائے ساز ، حریمِ وطن اور عشق پیچاں ان کے مقبولہ مجموعہ ہائے کلام ہیں ۔ مرحوم نے عمر کے آخری حصے میں شاعری اور ادب کی جولا نگاہ سے مذہب اور تصوّف کی دنیا میں قدم رکھا ۔ ان کے آخری مجموعۂ کلام "عشق پیچاں" میں اس تبدیلی کے کئی شواہد ملتے ہیں ۔ اس مجموعہ میں حمد و نعت ، نذرِ وطن اور سقوطِ مشرقی پاکستان کے ابواب سے اس بات کا واضح انعکاس ہوتا ہے کہ وہ ایک دردمند صاحبِ دل مسلمان اور محبِ وطن پاکستانی تھے ۔ مگر میری نگاہ میں ان کی دیگر علمی اور ادبی خدمات کے مقابلے میں ان کا نثری شاہکار "یہودیت" ان کی اہم ترین تاریخی اور تحقیقی یادگار ہے ۔

قرآن کریم میں یہود کی سنگین بداعمالیوں اور نافرمانیوں کا ذکر کثرت سے موجود ہے بعض آیات میں ان کی دائمی اسلام دشمنی کا ذکر بھی بالوضاحت کیا گیا ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۔ (المائدہ 82)

"تم اہلِ ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے" ۔

(2) وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (البقرہ 120)
"یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔
(3)...... يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ - (المائدہ 51)
"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ، یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہی میں ہے"۔

چنانچہ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اسلام کی تاریخ میں جب بھی کوئی سانحہ رونما ہُوا یہودی اس میں بلاواسطہ یا بالواسطہ ملوث پائے گئے۔

یہودیوں کی اسلام دشمنی ہجرتِ مدینہ سے شروع ہوتی ہے۔ وہ مدینہ، خیبر اور وادی القریٰ میں آباد تھے علاقے کی معیشت ان کے قبضہ میں تھی، زراعت، تجارت اور صنعت سے عرب عوام لاتعلق تھے اور یہ سب کام انہوں نے یہودیوں کو سونپے ہوئے تھے۔ اگرچہ قبائلی نظام کی وجہ سے یہودیوں کو سیاسی بالادستی حاصل نہیں تھی۔ تاہم معیشت کے علاوہ مذہب اور تعلیم کے معاملات میں بھی عرب عوام پر ان کا اچھا خاصا اثر تھا۔

مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میثاقِ مدینہ کے ذریعہ جب پہلی اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی تو عدل و انصاف اور بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کی بناء پر یہودیوں سے معاملہ طے فرمایا لیکن ان کی مسلسل عہد شکنیوں سے تنگ آکر آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انہیں مدینہ سے جلاوطن کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس خود بر آوردہ ذلت کو یہودی آج تک فراموش نہیں کر سکے۔ چنانچہ 1948ء میں "بن گوریان" نے برملا یہ اعلان کیا کہ "یہودی مسلمانوں کو ان علاقوں سے نکال دیں گے جہاں سے یہودیوں کو نکالا گیا تھا حتیٰ کہ اسرائیل کی پارلیمینٹ کے باہر عظیم تر اسرائیل کا نقشہ بنا ہوا ہے اس میں بھی مدینۃ الرسولؐ کو اسرائیل کا حصہ دکھایا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہودیوں کو دفاعی مصلحت کی بناء پر شمال میں شام کی طرف دھکیل دیا گیا تھا اس وقت سے لیکر آج تک ہر اس مصیبت میں جو عالمِ اسلام پر ٹوٹی، یہودیوں کا ہاتھ رہا ہے خواہ وہ شہادتِ حضرت عثمانؓ تھی یا بنواُمیّہ اور عباسیہ کا زوال، خواہ ہسپانیہ میں اسلامی حکومت کا خاتمہ تھا یا خلافتِ عثمانیہ کا دردناک انجام، ہر جگہ یہودی سازش کار فرما تھی۔

یوسف ظفر مرحوم کی تصنیف "یہودیت"، غالباً اردو زبان میں پہلی باقاعدہ کوشش ہے جس میں یہودیوں کی تاریخ بالترتیب اور بالتفصیل بیان کی گئی ہے 26 ابواب پر مشتمل اس کتاب میں یہودیوں کی فطرت، نفسیات، ان کے تاریخی کردار، سازشی طریقہ ہائے واردات، سیاسی عزائم اور اسلام دشمنی کو تاریخی شواہد کی روشنی میں بے نقاب کیا گیا ہے۔ فلسطینیوں کا وطن سے اخراج، القدس پر غاصبانہ قبضہ، جنوبی لبنان میں مسلسل خونریزی، دریائے اردن کے مغربی کنارے پر جبری آباد کاری، عراق کی ایٹمی

تنصیبات کی تباہی اور جولان کے علاقے کا حالیہ انضمام، بین الاقوامی قوانین، معاہدات اور اقوام متحدہ کے فیصلوں کی مسلسل خلاف ورزی اس ناجائز غیر قانونی ریاست کے مذموم عزائم، توسیع پسندی، امن سوزی اور اسلام دشمنی کی چند واضح مثالیں ہیں۔

پاکستان اپنی اہمیت، محل وقوع اور عرب دنیا میں مقبولیت کی وجہ سے ہمیشہ اسرائیل کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹکتا رہا ہے اور وہ پاکستان کو اپنا سب سے بڑا حریف اور دشمن سمجھتا ہے چنانچہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں ہنود اور یہود کا اشتراکِ عمل اور سازشی کردار ایک معروف تاریخی حقیقت ہے لہٰذا یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ ہر پاکستانی کو یہودیوں کے خبثِ باطن، ان کی نفسیات اور شرمناک تاریخی کردار سے رُوشناس کرایا جائے۔ جناب یوسف ظفر مرحوم نے اس سلسلہ میں بنیادی معلومات کا قیمتی ذخیرہ مہیا کر کے اس اہم ضرورت کو اپنی بلند پایا تصنیف "یہودیت" سے بطریقِ احسن پورا کر دیا ہے نیز ان کے مخصوص طرزِ نگارش اور ادبی محاسن نے اس کو اور زیادہ دلچسپ اور دل آویز بنا دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مرحوم کی یہ تصنیف اپنی ہمہ جہتی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے تعلیم یافتہ طبقہ میں انتہائی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ کریم ان کی یہ عظیم الشان اسلامی خدمت قبول فرمائیں۔

محمد افضل چیمہ

سانحۂ بیت المقدّس

صُبحِ نو مغرب میں ہے بیدار، بیداروں کے ساتھ
اور ہم گردش میں ہیں بے نور سیّاروں کے ساتھ

چیختی کرنیں فضا کی دلکشی کو لے اُڑیں!
دھوپ سایوں سے لگی ہے، سائے دیواروں کے ساتھ

دوش پر قابیل کے ہے لاش پھر ہابیل کی
لمبے قبریں کھودتے ہیں اپنی منقاروں کے ساتھ

نارِ نمرود اور گلزارِ براہیمؑ ایک ہے
پھول بھی لو دے رہے ہیں آج انگاروں کیساتھ

دیکھ اے چشمِ زلیخا، قدر اپنے پیار کی
آج پھر یوسفؑ کے بھائی ہیں خریداروں کے ساتھ

آلِ موسیٰؑ نے کیا عیسیٰؑ کو پھر بالائے دار
ہیں حواری بھی یہودی سنگدل یاروں کے ساتھ

قبلۂ اوّل صلاح الدین ایوبیؒ کو ڈھونڈ
آملی دیوارِ گریہ، تیری دیواروں کیساتھ

اے مسیحا! زہر دے، لیکن نہ دستِ غیر سے
یہ ستم، اللہ اکبر! اپنے بیماروں کے ساتھ

دین سے کٹ کر ہوا مآلِ عرب، پیشِ عرب
اور عصا بھی ہے یدِ بیضا میں ہتھیاروں کیساتھ

اس سیاست کی فضا میں سانس لینا ہے عذاب
دشمن اپنے ساتھ ہیں، اغیار ہیں یاروں کے ساتھ

کربلا میں یکہ و تنہا حسینؓ ابنِ علیؓ
تعزیے شہروں میں ہیں لاکھوں عزاداروں کیساتھ

دوستی کا حشر دیکھا تو کھلا ہم پر ظفرؔ
حشر میں کھل کر کریں گے دشمنی پیاروں کیساتھ

یُوسف ظفر

بنی اسرائیل

تاریخِ عالم بنی اسرائیل کے علاوہ کسی ایک گھرانے' خاندان یا انسانی سلسلے کی نشاندہی کرنے سے قاصر ہے جس نے اپنی صلبی نسبت' خاندانی وحدت اور قبائلی ذہنیت کو چار ہزار سال کے عبرت انگیز اور قیامت خیز انقلابات کے باوجود محفوظ رکھا ہو۔ دنیا کی کوئی قوم اس عظمت' وحدت' یکجہتی' پامردی اور کمال کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتی جو بنی اسرائیل کو نصیب ہوئی اور اس پستی بد کرداری' تنگ نظری' تعصب اور ذلّت کا مظاہرہ بھی نہیں کر سکتی جسے اس قوم بنی اسرائیل' نے اپنا شعار بنا کر بنی نوع انسان کے خون میں زہر کی طرح داخل کیا۔ یہ فخر اسی قوم کو حاصل ہے کہ اس کے گھر سے دو عظیم مذہب' یہودیت اور نصرانیت ظہور پذیر ہوئے یہ وہ گھر تھا جسے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے دوسرے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السّلام کے نور نے روشن کیا لیکن یہ جہالت بھی اسی قوم کے حصے آئی کہ اس نے پیامِ ربانی کے ارتقائی سلسلے کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اپنے جدِّ امجد' حضرت اسحٰقؑ کو آپ کے سوتیلے بھائی' حضرت اسمٰعیلؑ پر فوقیت دینے کے لئے تورات میں تحریفات روا رکھیں اور یوں نبیٔ اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہونے والے دینِ مبین سے منکر ہو کر اس کی ابتدائی کڑی ہی کے مجاور بن کر رہ گئے۔

چار ہزار سال تک ایک قوم نے اپنی بقاء کے لئے ہزار انتشار' ہزار مظالم' ہزار شکست و ریخت' ہر ذلّت' ہر پستی' ہر ظلم کو گوارا کیا۔ اسے کوئی بخت نصر' کوئی وشپاشین' کوئی ہٹلر قتل عام' استحصال' بربریت' لوٹ کھسوٹ اور نفرت سے کچل نہ سکا وہ دنیا کے تمام مذاہب اور عقائد سے ٹکرائی لیکن جان کی بازی لگا کر اپنے اس تصوّر عظمت کو بچالائی' جو اس کا ایمان ہے' اس کا عقیدہ جس کی بقاء کے لئے اس نے

ہر ذلت، ہر مصیبت، ہر عذاب قبول کیا یہ ہے کہ:

"بنی اسرائیل کو یہواہ نے تمام اقوامِ عالم سے برگزیدہ ٹھہرایا"

یہوواہ کے اس قول کو اس قوم نے حرزِ جاں بنایا۔ اس کلیّہ میں کوئی ترمیم و تنسیخ ممکن نہیں۔ برگزیدگی کے اس محکم احساس اور یقین کے حصار میں قوم بنی اسرائیل اس طرح محفوظ ہو گئی کہ دنیا کے تمام شدائد بھی اسے اس عقیدے سے متزلزل نہ کر سکے، لیکن جس یہواہ کی وحدت و لامحدود اُلوہیت کا اقرار کرتے اور پیغام دیتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے سلسلے کے تمام انبیاء علیہم السّلام نے ہر قربانی کو ہیچ جانا، اُسی یہوا کے عہد کو اپنی بقائے نسل کا ضامن ٹھہرا کر بھی بنی اسرائیل کا ایمان اتنا کمزور نکلا کہ اس قوم نے بے شمار دیوی دیوتاؤں کے آگے سر جھکایا۔ یہ عجیب و غریب شنویت، یہ تضاد، شرک و توحید پرستی کا ملغوبہ اس قوم کے کردار کا وہ بنیادی پتھر ہے جس پر صدیوں کی گرد پڑ چکی ہے اور جس کی حقیقت کو جاننے کے لئے ہمیں فرہاد کی طرح تاریخ کے کوہِ بے ستون سے جوئے شیر لانا ہو گی۔

تورات کی رو سے ۲۲۰۰ قبل مسیح میں حضرت ابراہیمؑ عراق کے قصبہ اُور میں پیدا ہوئے، قرآنِ عزیز اور تورات اس امر میں متفق ہیں کہ آپ کی قوم بت پرست تھی۔ آپؑ کے والد کا نام تورات میں تارخ لکھا ہے لیکن قرآنِ حکیم میں اسے صنم سازی اور بت تراشی کی وجہ سے آزر کہہ کر یاد کیا گیا ہے کہ عبرانی میں آزر کے معنی "بتوں کو چاہنے والا" ہیں اور کالدی زبان میں پُجاری کو آوار کہا جاتا ہے جو مُعرّب ہو کر آزر بن گیا۔ بہرنوع اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کے والد کو نام کی بجائے لقب سے پکارا۔ اناجیل میں اُور سے حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کا باعث اور آزر سے اختلاف کا کوئی ذکر نہیں، قرآنِ حکیم میں باپ بیٹے کے عقائد کا بعد جس طرح نمایاں کیا گیا ہے اور جس طرح آپ کو اپنی قوم کے شرک سے متنفر اور متصادم ہوتا ہوا پیش کیا گیا ہے اس سے ہم آپ کی عظمت و جلالت کی حقیقت کو بھی پا سکتے ہیں اور اپنے لئے شمعِ ہدایت بھی روشن کر سکتے ہیں کہ اسی وجہ سے ہم مسلمانوں کو "ملتِ براہیمہ" ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دینِ خالص اسلام کے اس رُکنِ رکیں کی شان و کمال کو جس محبت اور شرف سے بیان فرمایا ہے اس کا حق ادا کرنے سے ہم قاصر ہیں۔ ہمارے موقف کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس موحدِ اعظم نے بت شکنی کر کے اپنے باپ آزر سے جو جنگ مول لی اس پر انہیں سنگسار کرنے کی دھمکی دے کر جلاوطنی کا حکم سنا دیا گیا۔ چنانچہ آپ اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کو ہمراہ لے کر شام و فلسطین کے ان میدانوں کی طرف نکل گئے جو دجلہ و فرات کے درمیان اپنی زرخیزی و سرسبزی کی وجہ سے مشہور تھے۔ کتابِ "پیدائش" میں اس ہجرت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے جیسے اُور میں قحط سامانی تھی اور حضرت ابراہیمؑ کا خاندان رزق کی تلاش میں ترکِ وطن پر مجبور ہو گیا۔ "ان کا باپ خود اپنے بیٹوں، پوتوں اور بہوؤں کو لے کر حاران میں جابسا"۔ (کتاب پیدائش۔ باب ۱۱، ۲۷ تا ۳۲) اس کے بعد ایک خدا حضرتِ ابراہیمؑ کو حاران سے نکل کر کنعان میں جا بسنے کی ترغیب دلاتا ہے اور کہتا ہے۔

"میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تیرا نام سرفراز کروں گا سو تُو باعث برکت ہو۔ جو تجھے مبارک کہیں ان کو میں برکت دوں گا اور جو تجھ پر لعنت کرے اس پر لعنت کروں گا اور زمین کے سب قبیلے تیرے وسیلے سے برکت پائیں گے"۔

(باب ۱۲۔ فقرات ۱ تا ۳)

تلمود میں جو پانچویں صدی عیسوی میں مکمل ہوئی۔ سیرتِ براہیمی کے عراقی دور کا حوالہ ملتا ہے جو قرآنِ حکیم کے مقابلے میں خاصا متناقض اور خلافِ واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے اعتبار سے حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش کے روز نجومیوں نے آسمان پر ایک علامت دیکھ کر نمرود کو مشورہ دیا کہ تارخ کے ہاں جو بچّہ پیدا ہوا ہے اسے قتل کر دے چنانچہ نمرود حضرت ابراہیمؑ کے قتل کے دَرپے ہوا مگر تارخ نے اپنے ایک غلام کا بچّہ اس کے بدلے دے کر اپنے بچّے کو بچا لیا۔ اس کے بعد تارخ نے اپنی بیوی اور بچّے کو ایک غار میں چھپا دیا۔ جہاں وہ دس برس تک رہے۔ گیارہویں سال حضرت ابراہیمؑ کو حضرت نوحؑ کے پاس بھیج دیا گیا۔ جہاں وہ انتالیس برس تک حضرت نوحؑ اور ان کے فرزند سام کی تربیت میں رہے۔ اسی زمانے میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنی سگی بھتیجی سارہؔ سے نکاح کر لیا۔ (بائیبل کی اس کی تصریح نہیں کرتی کہ سارہ ان کی بھتیجی تھی البتہ اس کی رو سے دونوں کی عمروں کا فرق دس برس تھا۔

(باب ۱۱ فقرہ ۲۹ ۔ اور باب ۱۷ فقرہ ۱۷)

تلمودؔ کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیمؑ پچاس برس کے تھے جب آپ حضرت نوحؑ کا گھر چھوڑ کر اپنے والد کے گھر آ گئے جہاں بارہ مہینوں سے منسوب بارہ بتوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ آپ نے پہلے تو والد کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب وہ نہ مانا تو آپ نے ان بتوں کو توڑ دیا۔ تارخؔ نے اس کی شکایت نمرود سے کی کہ پچاس برس پہلے میرے ہاں جو لڑکا پیدا ہوا تھا آج اس نے یہ حرکت کی ہے۔ نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو بلا کر باز پُرس کی آپ نے سخت لہجہ میں جواب دیئے۔ نمرود نے آپ کو جیل بھیج دیا اور معاملہ کونسل میں پیش کیا۔ کونسل کے ارکان نے مشورہ دیا کہ اس شخص کو آگ میں ڈال دیا جائے چنانچہ آگ کا بڑا الاؤ تیار کیا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ آپ کے بھائی اور خسر حارآن کو بھی آگ میں پھینکا گیا کیونکہ نمرود نے جب تارخؔ سے پوچھا کہ تیرے اس بیٹے کو تو میں پیدائش کے روز ہی قتل کرنا چاہتا تھا تُو نے اسے بچا کر دوسرا بچہ کیوں اس کے بدلے قتل کروایا تو اس نے کہا کہ میں نے حارآن کے کہنے پر یہ حرکت کی تھی۔ اس لئے مشورہ دینے والے کو بھی مستوجب سزا گردانا گیا۔ آگ میں گرتے ہی حارآن جل مرا لیکن لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ابراہیمؑ اطمینان سے ٹہل رہے ہیں۔ نمرود نے بھی اپنی آنکھوں سے یہ ماجرا دیکھا تو پکار کر کہا "آسمانی خدا کے بندے! آگ سے نکل آ اور میرے سامنے کھڑا ہو جا" پھر نمرود آپ کا معتقد ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ دو سال تک وہاں رہے پھر نمرود نے ایک ڈراونا خواب دیکھا تو نجومیوں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ ابراہیمؑ تیری سلطنت کی تباہی کا موجب ہو گا اُسے قتل کر

دے۔ حضرت ابراہیمؑ کو اس منصوبۂ قتل کی اطلاع مل گئی اور آپ نے بھاگ کر حضرت نوحؑ کے ہاں پناہ لی وہاں تارخ چھپ چھپ کر آپ سے ملتا رہا تا آنکہ باپ بیٹے میں صلاح ٹھہری کہ ملک چھوڑ دیا جائے۔ حضرت نوحؑ اور ان کے بیٹے سامؔ نے بھی اس تجویز کو پسند کیا۔ چنانچہ تارخ اپنے بیٹے ابراہیمؑ اور پوتے لوطؑ اور بہو سارؔہ کو لے کر اور سے حارآن چلا گیا"۔

(منتخبات تلمود از ایچ پولاز۔ لندن۔ صفحہ ۴۰ تا ۴۲)

تورات اور قرآن مجید کے بیانات کا موازنہ انسانی فکر اور الہامی سرچشمۂ حقائق کے فرق کو نمایاں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کی سیرت و کردار کا جو نمونہ پیش فرمایا ہے وہ اس جلیل القدر شخصیت کا ہی آئینہ نہیں جس پر یہود و نصاریٰ و اسلام تینوں مذہب کے فکر و عمل کی بنیاد استوار ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور بندگی کی تفہیم و تعلیم کے لئے اعلیٰ ترین مثال بھی ہے' جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انسان کو عبودیت اور استعانت کی صراط مستقیم پر گامزن رکھے گی ۔ تورات کے قول کے برعکس قرآن حکیم کی رو سے حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ کے مذہب سے متنفر ہو کر اس سے جدا ہوئے اور ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ آپ حارآن میں زیادہ دیر تک مقیم نہ رہے وہاں سے فلسطین کے غربی اطراف میں کنعانیوں کے زیر اقتدار علاقوں بمقام شکیم (نابلس) جا آباد ہوئے۔ وہاں سے غرب ہی کی جانب بڑھتے ہوئے آپ مصر جا پہنچے۔ اس موقعہ پر تورات میں آپ کو "کاذب" قرار دیا گیا ہے کہ آپ نے اپنی ستر سالہ بیوی سارہ کو بہن کہہ کر اسے مصریوں کی دستبرد سے محفوظ کرنا چاہا:

> "سو جب ابراہیمؑ مصر پہنچا' مصریوں نے اس عورت کو دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے اور فرعون کے امیروں نے بھی اسے دیکھا اور فرعون کے حضور اس کی تعریف کی اور اس عورت کو فرعون کے گھر لے گئے اور اس نے اس کے سبب ابراہیمؑ پر احسان کیا کہ اس کو بھیڑ بکری یا گائے بیل اور گدھے اور غلام اور لونڈی اور گدھیاں اور اونٹ ملے۔ پھر خداوند نے فرعون اور اس کے خاندان نے ابراہیمؑ کی جورو سرّی (سارہ) کے سبب بڑی مار ماری۔ تب فرعون نے ابراہیمؑ کو بلا کر اس سے کہا کہ تو نے مجھ سے کیا کیا؟ کیوں نہ جتایا کہ یہ میری جورو ہے تو نے کیوں کہا کہ یہ میری بہن ہے؟ یہاں تک کہ میں نے اسے اپنی جورو بنانے کو لیا۔ دیکھ یہ تیری جورو حاضر ہے اس کو لے اور چلا جا اور فرعون نے اس کے حق میں لوگوں کو حکم دیا تب انہوں نے اسے اور اس کی جورو کو اور جو کچھ اس کا تھا' روانہ کیا"۔
>
> (پیدائش باب ۱۲ فقرہ ۱۴ - ۲۰)

تورات کے اس بہتان پر تبصرہ کئے بغیر ہم اس امر کی نشاندہی پر ہی اکتفا کریں گے کہ خود تورات ہی کی رو سے اس وقت حضرت سارہ کی عمر ستر برس اور حضرت ابراہیمؑ کی عمر اسی برس کی تھی۔ بہرکیف مصر میں حضرت ابراہیمؑ کے حسن اخلاق اور کردار سے متاثر ہو کر شاہ مصر نے اپنی بیٹی حضرت ہاجرہ کو آپ کی

زوجیّت میں دے دینا یہ حقیقت بذاتِ خود آپ کے صدق و خلوص کا ثبوت ہے جس کی وجہ سے اس نے آپ سے اپنا رشتہ مضبوط و مستحکم کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ اس زمانے میں رسم و رواج کے مطابق دوسری بیوی پہلی بیوی کی خدمت گزار اور فرمانبردار ہوتی تھی۔ چنانچہ شاہ مصر نے ہاجرہ کو آپ کی زوجیت میں دیتے ہوئے کہا: "میری بیٹی کا اس گھر میں لونڈی ہو کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے"۔ اسرائیلیات میں چونکہ لونڈی کے لفظ کا سہارا لے کر حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو سارہؑ اور اسحاقؑ کے مقابلے میں کمتر ظاہر کیا گیا ہے اس لئے اس مسئلے کی وضاحت لازمی ہے کہ اس سے دراصل مقصود نبی آخرالزماںؐ کی ذاتِ اطہر و اقدس پر کیچڑ اچھال کر آپؐ کی نبوت ہی کو مشکوک ٹھہرانا ہے۔ نعوذ باللہ...... ابنِ خلدون اس امر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے:

"ہاجرہ مادرِ اسمٰعیل نام زبان عبرانی میں "ہاغاز" ہے۔ قبون شاہِ مصر کی بیٹی تھیں جو شہر بابل کا رہنے والا تھا۔ افلاس و تنگدستی کی وجہ سے بابل چھوڑ کر مصر چلا آیا تھا اور اپنی ذاتی لیاقت اور دانشمندی سے اراکین سلطنت میں داخل ہو گیا پھر رفتہ رفتہ مصر کا بادشاہ بن گیا سب سے پہلے جس کا لقب فرعون ہوا وہ یہی شخص ہے۔ اس کے عہدِ حکومت میں حضرت ابراہیمؑ فلسطین سے قحط کی وجہ سے معہ اپنے اہل بیت کے چلے آئے تھے شاید اس خیال سے کہ بادشاہ مصر آپ کی قوم اور ملک کا باشندہ ہے، 'بعض مفسرینِ تورات' کتاب پیدائش کی سولویں باب کی پہلی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں "وہ فرعون کی بیٹی تھی اس نے کہا بہتر ہے کہ میری بیٹی رہے خادمہ ہو کر ان کے گھر میں' اس سے کہ رہے دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر"۔ اس زمانے میں لونڈی غلام دو طرح کے ہوتے تھے۔ ایک تو خرید کرنے سے جسے عبرانی میں "قعق کثیف" کہتے تھے۔ دوسرے غنیمت جنگ سے اور وہ "بہ ثبوت حرب" کہلاتے تھے۔ تیسری صورت یہ کہ لونڈی کی اولاد غلام کہے جاتے تھے لیکن ہاجرہؑ ان باتوں سے پاک تھیں۔ پھر ان کو لونڈی کہنا صریح افترا نہیں تو اور کیا ہے۔ اب رہا یہ امر کہ سارہؑ نے ان کو لونڈی کیوں کہا اس کی وجہ ظاہر ہے کہ دو سوکنوں کی تکرار ہے۔ اگر درحقیقت ہاجرہؑ لونڈی ہوتیں تو سارہؑ دونوں ماں بیٹے کو نکال دینے کی درخواست نہ کرتیں۔ کیونکہ ان کی شریعت میں لونڈی اور اس کے لڑکے کو میراث نہیں ملتی تھی۔ پس اگر ہاجرہؑ لونڈی ہوتیں تو اسحاقؑ کے پیدا ہونے کے بعد سارہؑ اس قدر ہاجرہ سے برہم نہ ہوتیں یہ قدرتی بات تھی کہ ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ املاکِ ابراہیمؑ کے مالک اسحاقؑ کے ساتھ اسماعیلؑ بھی ہوں گے پھر جب ابراہیمؑ کو اس سے کچھ پس و پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے 'جیسا کہ سارہؑ نے ہاجرہؑ کو لونڈی کہا تھا' حکایتاً فرمایا اور تسلی دی کہ "اس لونڈی اور بچہ کی طرف سے رنج مت کر' تو ان کو نکال دے میں اس لونڈی کے فرزند سے ایک قوم پیدا کروں گا"۔

(ابنِ خلدون۔ تاریخ جلد اوّل)

اس تشریح سے ثابت ہوا کہ بنی اسرائیل کا یہ طعن کہ بنی اسماعیل ہم سے اس لئے کمتر ہیں کہ وہ لونڈی سے ہیں اور ہم حضرت ابراہیمؑ کی بیوی سارہ سے صحیح نہیں ہے خود تورات بھی ان کے اس دعوے کو غلط ثابت کرتی ہوئی اپنے ہی عائد کردہ الزام کی تردید کرتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی برس کی ہوئی تو

آپ، کو اولاد سے محروم ہونے کا غم ستانے لگا چنانچہ آپ نے خدا سے التجا کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا اس سلسلے میں تورات کی روایت ہے:۔

"ابراہام نے کہا کہ اے خداوندِ خدا تو مجھ کو کیا دے گا۔ میں تو بے اولاد جاتا ہوں اور میرے گھر کا مختار الیعزر ہے۔ پھر ابراہام نے کہا کہ تو نے مجھے فرزند نہ دیا اور دے کہ میرا خانہ زاد میرا وارث ہو گا۔ تب خداوند کا کلام اس پر اترا اور اس نے کہا کہ یہ تیرا وارث نہیں ہونے کا بلکہ جو تیری صُلب سے پیدا ہو وہی تیرا وارث ہو گا"۔

(تورات پیدائش باب ۱۵ فقرات ۲ - ۴)

اس قبولیت کی شان یہ تھی کہ حضرت ہاجرہؑ حاملہ ہوئیں۔

"اور وہ ہاجرہؑ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی"

(تورات پیدائش باب ۱۵ فقرہ ۴)

بقول ابنِ خلدون اگر ہاجرہ لونڈی ہوتیں تو قبولیتِ دعا کی صورت میں حضرت سارہؑ کے بطن سے فرزند پیدا ہوتا لیکن اس کے بجائے حضرت ہاجرؔہ کو حمل ٹھہر گیا۔ حضرت سارہؑ نے ان کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ مجبور و پریشان ہو کر حضرت ہاجرہؑ وہاں سے چلی گئیں۔

"اور خداوند کے فرشتے نے اسے میدان میں پانی کے ایک چشمے کے پاس پایا یعنی اس چشمے کے پاس جو صور کی راہ پر ہے اور اس نے کہا کہ اے سرؔی کی لونڈی ہاجرہ تو کہاں سے آئی اور کدھر جاتی ہے وہ بولی کہ میں اپنی بی بی سرؔی کے سامنے سے بھاگی ہوں اور خداوند کے فرشتے نے اسے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے اور خداوند کے فرشتے نے اسے کہا تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی۔ اس کا نام اسماعیلؑ رکھنا کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا اور وہ وحشی (بدوی) آدمی ہو گا۔ اس کا ہاتھ سب کے اور سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش کرے گا"۔

(پیدائش باب ۱۶ - فقرات ۷ تا ۱۲)

"اور ہاجرہ، ابراہام کے لئے بیٹا جنی اور ابراہام نے اپنے اس بیٹے کا نام اسماعیلؑ رکھا اور جب ابراہام کے لئے ہاجرہ سے اسماعیلؑ پیدا ہوا تب ابراہام چھیاسی برس کا تھا"۔

(پیدائش۔ باب ۱۶ - فقرہ ۵-۶)

لفظ اسماعیلؑ، اسمع اور ایل سے مرکب ہے۔ عبرانی میں ایل، اللہ کے مترادف ہے اور عربی کے اسمع اور بدائی کے شماع، کے معنی "سن" ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا سن لی تھی اور اسماعیلؑ نتیجۂ دعا تھے اس لئے ان کا یہ نام رکھا گیا۔ حضرت اسماعیلؑ کی ولادت پر حضرت ابراہیمؑ نے جو دعا کی اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں جواب دیا۔

"اسماعیلؑ کے حق میں، میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا

اور اس کو بہت بڑھاؤں گا اور اس کے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اس کو بڑی قوم بناؤں گا"۔
(پیدائش باب ۱۷ ۔ فقرہ ۲۰)

تورات کی ان روایات سے ثابت ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کے بارے میں بنی اسرائیل کے اتہامات بے جا ہیں۔ انہوں نے آپ کے متعلق جو من گھڑت اور بے سروپا باتیں وضع کر لی ہیں ان کا حقیقت سے تو کوئی علاقہ نہیں، ہاں محض کور باطنی اور تنگ نظری کا دخل ضرور ہے جو خود ان کی گھٹی میں پڑی ہے کہ اسی کی وجہ سے سارہ نے بے بس و مجبور ہاجرہ کو اپنے معصوم جگر گوشہ اسماعیلؑ کے ساتھ خانہ بدر کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ انہیں واد المقدس میں لائے ایک تھیلی کھجور اور ایک مشکیزہ پانی دے کر چل دیئے۔ ہاجرہ ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتی چلیں ۔"آپ ہمیں اس بے آب و گیاہ مقام پر چھوڑ کر کہاں چلے۔ جہاں نہ کوئی آدم زاد ہے نہ مونس و غمخوار"۔ جس مقدس ماں کے نقوشِ قدم کا اتباع آج ہر مسلمان کے لئے حج و عمرہ کا مقام رکھتا ہے اس کے بارے میں تورات کی روایت ملاحظہ ہو۔

"تب ابراہام نے صبح سویرے اُٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور ہاجرہ کے کاندھے پر دھر دی اور اس کے لڑکے کو بھی اور رخصت کیا وہ روانہ ہوئی اور بیر سبع کے بیابان میں بھٹکتی پھرتی تھی اور جب مشک کا پانی چک گیا تب اس نے اس لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور آپ اس کے سامنے ایک پتھر کے ٹپے پر دور جا بیٹھی۔ کیونکہ اس نے کہا کہ میں لڑکے کا مرنا نہ دیکھوں"۔
(تورات پیدائش ۲۱ فقرات ۱۴ تا ۱۶)

جس طفل معصوم کی ایڑیوں کی رگڑ سے ابدالاباد تک جاری رہنے والا چشمہ پھوٹ نکلے، اور جس ماں کے حکم سے اس چشمے کا پانی ٹھہر جائے (زمزم بمعنی ٹھہر جا) اس کی بے بضاعتی اور کم ہمتی کا نقشہ جس طرح تورات میں کھینچا گیا ہے وہ اس کے مصنفوں کی فطری پستی اور تعصب کا مرقع ہے۔

اسی طرح تورات میں ذبح عظیم کا واقعہ حضرت اسحاقؑ کے سر منڈھ کر ان کی فوقیت ثابت کرنا چاہی گئی ہے، حالانکہ اس کی عبارت چغلی کھا رہی ہے کہ یہ شرف صرف حضرت اسماعیلؑ ہی کو نصیب ہوا۔

"ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراہام کو آزمایا اور اسے کہا کہ تو اپنے بیٹے، ہاں اپنے اکلوتے بیٹے کو جس کو تو پیار کرتا ہے۔ اضحاق کو لے اور زمین موریاہ میں جا اور اسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے لئے چڑھا۔ تب خداوند کے فرشتے نے دوبارہ آسمان پر سے ابراہام کو پکارا اور کہا کہ خداوند فرماتا ہے اس لئے کہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنے بیٹے اپنے اکلوتے ہی بیٹے کا دریغ نہ کھایا میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں تجھے برکت دوں گا"۔
(پیدائش باب ۲۲ فقرات ۱ ۔ ۲ اور ۱۵ ۔ ۱۶)

ان عبارات میں "اکلوتے بیٹے" کے ساتھ "اضحاق" کا پیوند یقیناً ایجادِ بندہ ہے کہ اس شرط پر

صرف حضرت اسماعیلؑ ہی پورے اترتے ہیں۔ حضرت اسحاقؑ کی ولادت کے وقت حضرت اسماعیلؑ کی عمر چودہ برس تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعۂ قربانی حضرت اسحاقؑ کی ولادت سے پہلے ظہور پذیر ہوا اور زمین "موریاہ" کے بجائے "مقامِ منیٰ" کو اس کا شرف بخشا گیا۔

یہی ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ عرب قوم کے جدامجد ہیں کہ آپ کی اولاد بنی اسماعیلؑ کہلائی۔ حجاز، شام، عراق اور فلسطین میں پھیلی اور آپ ہی کے سلسلے سے نبی آخرالزماں، رحمتہ للعالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ بنی اسرائیل نے اپنی مقدّس کتابوں میں حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے بارے میں من گھڑت باتیں اس لئے روایت کیں کہ ان کی زد پیغمبرِ اسلامؐ پر پڑے۔ چنانچہ انہوں نے اس بشارت کو بھی حذف کر دیا جو تورات میں آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو دی تھی۔

ان حقائق کے پیشِ نظر ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ اسرائیلی یہود اور اسماعیلی عربوں کے درمیان آج جس مناقشت اور خونریزی کا بازار گرم ہے اس کی جڑیں چار ہزار سال پرانی ہیں۔ سارؔہ کے دل کی کسک آج بھی یہود کے سینے میں خون بن کر دوڑ رہی ہے اور وہ اولادِ ہاجرہؑ کو آج بھی فلسطین سے جلاوطن کر کے بے آب و گیاہ صحراؤں میں مارنے کے درپے ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو دی تو آپ کی عمر سو برس کی تھی۔

> "خدا نے ابراہام سے کہا کہ تیری جورو سری جو ہے اس کو سری مت کہا کر بلکہ اس کا نام سؔرہ ہے اور میں اسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا۔ یقیناً میں اسے برکت دوں گا کہ وہ قوموں کی ماں ہو گی اور ملکوں کے بادشاہ اس سے پیدا ہوں گے تب ابراہام منہ کے بل گرا اور ہنس کے دل میں کہا کہ کیا سو برس کے مرد کو بیٹا پیدا ہو گا اور کیا سارؔہ جو نوّے برس کی ہے بیٹا جنے گی اور ابراہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسماعیلؑ تیرے حضور جیتا رہے۔ تب خدا نے کہا کہ بیشک تیری جورو سؔرہ تیرے لئے بیٹا جنے گی تو اس کا نام اضحاق رکھنا۔"
>
> (پیدائش باب ۱۷ ۔ فقرات ۱۵ تا ۱۹)

حضرت اسحٰقؑ ساٹھ برس کے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو جڑواں بیٹے عیسو اور یعقوبؑ عطا کئے۔ اسحٰقؑ عیسؔو کو چاہتے تھے مگر آپ کی بیوی رفقؔہ کو یعقوبؑ زیادہ عزیز تھے۔ یعقوبؑ نے اپنے ماموں لابان کی دونوں لڑکیوں لیئؔہ اور راحیلؔ سے شادی کی۔ حضرت یعقوبؑ کا نام عبرانی میں اسرائیل ہے جو "اسرا" (عبد) اور "ایل" (اللہ) سے مرکب ہے۔ عربی میں اس کا ترجمہ عبداللہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ ہی کی نسل کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے اور آج بھی یہود و نصاریٰ کے قدیم خاندان اسی نسبت سے منسوب ہیں۔ آپ کے بارہ بیٹے تھے جن کی وجہ سے بنی اسرائیل بارہ قبیلوں میں بٹ گئے۔

زبور کی روایت ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے کنعان کو تلوار کمان سے فتح کیا لیکن اسرائیلی مفسرین نے طاقت کے استعمال کے خلاف اپنی روایتی نفرت کی وجہ سے اس کو 'دعاؤں' اور 'التجاؤں' کے معانی اپنائے۔ انہوں نے تورات اور زبور کو اس قدر مسخ کر رکھا ہے کہ ہم ان پر انحصار نہیں کر سکتے اور دوسرے تاریخی وسائل کی چھان بین کر کے بنی اسرائیل کے بارے میں صحیح واقعات کا پتہ لگانے کی کوشش کریں گے۔

فلسطین جسے یہود نے اپنے لئے ارضِ مقدس ٹھہرایا۔ نیل' دجلہ اور فرات کے درمیان واقع تھا۔ اپنی تاریخ کے اولین ادوار میں وہ اسے دودھ اور شہد کا علاقہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں بھی یہاں درختوں کی بہتات تھی۔ موسم خزاں میں طرح طرح کے پھل پائے جاتے تھے۔ دریاؤں کے بجائے پانی کے لئے بارش پر انحصار تھا جو اتنی وافر ہو جاتی تھی کہ اس سے کنوئیں بھر جائیں' نشیبی علاقوں میں پانی جمع کرنے کے لئے تالابوں سے کام لیا جاتا جنہیں نہروں کے وسیلے سے کھیتوں اور قصبوں تک پہنچایا جاتا تھا۔ انہی نہروں کے کناروں پر یہودی تہذیب پروان چڑھی۔ گندم' جو اور مکئی کی کاشت کی جاتی اور انگوروں کے باغات اگائے جاتے زیتون' انجیر اور کھجوروں کے جھنڈ پہاڑوں کی ڈھلانوں پر پائے جاتے۔ مصر اور شام کے درمیان ہونے کی وجہ سے اس علاقے کو بڑی طاقتوں کا کھلونا بننا پڑا۔ مصری اور شامی جب بھی آپس میں ٹکراتے بے چارے یہود گھن کی طرح پس جاتے اسی طرح صدیوں کی محنت و مشقت سے سیراب کئے ہوئے علاقے اجڑنے لگتے۔ اس پر طُرہ یہ کہ بنی اسرائیل کاشتکاری پر گلہ بانی کو ترجیح دیتے۔ چنانچہ اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں نے پہاڑوں کی ہریالی کو چاٹ ڈالا۔ اطراف و جوانب پھیلے ہوئے صحرا اور ریگستان جو مدتوں اس سرزمین کی آبادی اور زرخیزی کو حیرت اور حسرت سے دیکھتے چلے آ رہے تھے، ریوڑوں کی یلغار پر آفرین کہتے ہوئے پاؤں پھیلانے لگے اور انہوں نے فلسطین کو بھی جو یہودیہ کے نام سے موسوم تھا' نگل لیا۔ خلیل اللہ کے بیٹے اور پوتے کی اولاد جو عرصۂ دراز تک بارہ قبیلوں کی شکل پھولتی پھیلتی رہی' اپنی معیشت کے لئے دوسروں کی محتاج ہو گئی۔ اسوریا' بابل' ایران' یونان و روما کی دست نگری و غلامی کے بعد جب ۷۰ عیسوی میں اسے قتل و غارت کے بعد جلاوطن ہونا پڑا تو بنی اسرائیل کا دل اس مٹی میں پڑا رہ گیا اس نے یورپ' ایشیا اور افریقہ کی تمام قوموں اور علاقوں کو اپنی مخصوص ذہنیت سے متاثر کیا لیکن حتی الامکان اپنی انفرادیت کو قائم رکھنے کی جدوجہد کرتی رہی۔ بیسویں صدی میں جب یہود کے ارضِ مقدس میں لوٹنے کے آثار نظر آئے تو دنیا حیران رہ گئی۔ اقوامِ عالم نے دیکھا کہ دو ہزار سال سے زیادہ عرصہ بھی اس قوم کو یورپی یا ایشیائی اقوام میں ضم کرنے سے قاصر رہا۔ دنیا کے ہر خطے کے باشندے ہوتے ہوئے بھی وہ فلسطینی الاصل تھے اور ہر ملک میں ان کے آبائی گورستان' مال و دولت' لسانی نسبتیں اور علاقائی عصبیتیں بھی انہیں اپنے مرکز کی طرف لوٹنے سے نہ روک سکیں۔

یہودی مؤرخین کی رو سے حضرت ابراہیمؑ بائیس سو برس قبل مسیح' فلسطین میں اس مقام پر آباد ہوئے جو اب بیت المقدس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت سارہ اور اسحٰقؑ آپ کے ساتھ یہیں مقیم

رہے اور آپ کے مزارات بھی فلسطین میں ہیں۔ حضرت یعقوبؑ کے گیارہ بیٹے فدآن آرام میں پیدا ہوئے۔ صرف بن یامین ارض کنعان میں تولد ہوئے۔ حضرت یوسفؑ کو بھائیوں نے فروخت کر کے مصر بھجوا دیا جہاں آپ مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے عزیزِ مصر کے عہدہ پر فائز ہوئے اور آپ نے حضرت یعقوبؑ اور گیارہ بھائیوں کو بلوا کر مصر

میں بسالیا حضرت یعقوبؑ کے وصال پر حضرت یوسفؑ نے ان کا تابوت مقامِ ابراہیمؑ واسحٰقؑ میں پہنچایا اور خود مصر لوٹ آئے جہاں اسباطِ یعقوبؑ آباد ہوگئے تھے۔ حضرت یوسفؑ نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ جب بنی اسرائیل ارضِ موعود کو روانہ ہوں تو آپ کا تابوت بھی نکال کر ساتھ لے جائیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے مصر سے خروج کے وقت حضرت موسیٰؑ اسے ساتھ لے آئے۔

- حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان تقریباً ایک ہزار برس کا زمانہ گزرا۔ یہودی مؤرخین کا بیان ہے کہ مصر میں حضرت یعقوبؑ کی اولاد اس قدر پھیلی کہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ نکلنے والے بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ یا اس سے کچھ زائد تھی۔ حضرت یوسفؑ کے دورِ اقتدار کے ساتھ ہی ان کے بھائیوں کا عروج ختم ہوا ان کی نسلی ترقی سے ڈر کر فراعنۂ مصر نے انہیں دبالیا اور انہیں غلام بنا کر انہیں مشقت پر لگا دیا۔ انجیل کے مطابق مصر میں یہود کا قیام چار سو تیس برس رہا۔ اس اعتبار سے وہ مصر میں ۱۶۵۰ ء قبل مسیح کے لگ بھگ داخل ہوئے اور ۱۲۲۰ ء قبل مسیح میں فرار ہوکر آئے تاہم یہ حقیقت ہے کہ فراعنۂ مصر کے ظلم و ستم نے بنی اسرائیل کو جس قدر کچلا اتنی ہی ان کی اولاد بڑھتی گئی جسے مصری حکمرانوں نے اپنے عظیم الشان اہراموں کی تعمیر پر لگا دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے انہیں اس عذاب سے نجات دلائی، اور وہ خانہ بدوشوں کی طرح چالیس برس تک صحرائے سینا میں مارے مارے پھرے۔ بالآخر انہوں نے کنعان کو فتح کیا اور مقامی باشندوں کو تہِ تیغ کر دیا۔ حضرت یوشعؑ کی قیادت میں بنی مدین کے خلاف جنگیں لڑی گئیں تو دو شہروں کے ایک لاکھ بیس ہزار باشندوں کو موت کے گھاٹ اتار کر سرزمینِ موعود پر قبضہ کر لیا۔

یہ واقعات تورات، بائیبل اور قرآن مجید میں اسی طرح بیان کئے گئے ہیں اگرچہ قرآنِ حکیم کی تفصیلات و جزئیات مختلف ہیں دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا حقائق تھے جن کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ کی اولاد، حضرت یوسفؑ کے احسانات اور اقتدار کے باوجود فراعنۂ مصر کے ہاتھوں قعرِ مذلت میں جا گری۔ جس سے نکالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو مبعوث فرمایا۔ ایک طرف ہم دیکھتے ہیں کہ جس مصر میں حضرت یوسفؑ کو غلام بنا کر لے جایا گیا اس میں حضرت یعقوبؑ اور برادران یوسفؑ کی آمد پر شادیانے بجائے گئے اور ان کا شایانِ شان استقبال کیا گیا۔

> "اور جب حضرت یعقوبؑ کی آمد کی خبر دارالسلطنت میں پہنچی تو حضرت یوسفؑ سلطنت کے بڑے بڑے امراء و اہلِ مناصب اور فوج فرا کو لے کر ان کے استقبال کے لئے نکلے اور پورے تزک و احتشام کے ساتھ ان کو لائے وہ دن بڑے جشن کا دن

تھا۔ عورت، مرد، بچے بھی اس جلوس کو دیکھنے کے لئے اکٹھے ہو گئے تھے اور سارے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ "

(تورات۔ کتاب پیدائش باب ۴۷)

دوسری طرف اس واقعہ کے صرف چار سو سال کے بعد جب حضرت موسیٰؑ نے انہیں اپنی پیروی کی تلقین فرمائی تو بنی اسرائیل جواب میں کہنے لگے۔

ہماری مثال تو ایسی ہے جیسے ایک بھیڑیئے نے بکری کو پکڑا اور چرواہے نے آکر اسے بچانے کی کوشش کی اور دونوں کی کشمکش میں بکری کے ٹکڑے اڑ گئے بس اسی طرح تمہاری اور فرعون کی کھینچ تان میں ہمارا کام تمام ہو کر رہے گا۔ "

فرعون و موسیٰؑ کی ردّ و کد میں عام اسرائیلیوں کا طرزِ عمل کیا تھا، اس کا اندازہ تورات کی اس عبارت سے ہوتا ہے!

" جب وہ فرعون کے پاس سے چلے آ رہے تھے تو ان کو ہارونؑ و موسیٰؑ ملاقات کے لئے رستے پر کھڑے ملے۔ تب انہوں نے ان سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے۔ تم نے تو ہم کو فرعون اور اس کے خادموں کی نگاہ میں گھناؤنا کیا ہے کہ ہمارے قتل کے لئے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی ہے۔ "(خروج ۲: ۲۰-۲۱)

ان حوالوں سے صاف ظاہر ہے کہ چار سو سال کے اس عرصہ میں بنی اسرائیل اخلاقی انحطاط اور پست ہمتی میں بری طرح مبتلا ہو چکے تھے ان میں اتنا عزم و ارادہ باقی نہ رہا تھا کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرتے۔ کفر و ضلالت کے خلاف ایمان و ہدایت کا علم لے کر نکلتے اور اپنا حق حاصل کرتے۔ بائیبل کی روائت کے مطابق خروج کے دوسرے سال بیابانِ سینا میں حضرت موسیٰؑ نے مردم شماری کرائی تو ان کی تعداد چھ لاکھ تین ہزار پانچ سو پچاس تھی۔ حالانکہ بنی اسرائیل جب مصر میں داخل ہوئے تھے تو حضرت یوسفؑ سمیت ان کی تعداد صرف اڑسٹھ تھی۔ چنانچہ ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کے ساتھ جو کردار برادرانِ یوسفؑ نے روا رکھا وہی ان کی اولاد کا خاصہ تھا ان کی سیرت کا عالم یہ تھا کہ حضرت یوسفؑ کے لئے باپ کی محبت کو برداشت نہ کر سکے تورات میں یوسفؑ کا جو واقعہ پیش کیا گیا ہے اس میں بھی حضرت یوسفؑ پر یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ وہ " باپ سے بھائیوں کی چغلیاں کھایا کرتے تھے۔ " اس لئے بھائی ان سے ناراض تھے۔ خواب دیکھنے کے بارے میں بھی تورات اور بائیبل دونوں قرآنِ حکیم سے اختلاف کرتے ہیں ان کا بیان ہے۔

" حضرت یعقوبؑ نے خواب سن کر بیٹے کو خوب ڈانٹا اور کہا " اچھا اب تو یہ خواب دیکھنے لگا ہے کہ میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی سب تجھے سجدہ کریں گے۔ "

(تورات۔ پیدائش باب ۳۷)

لیکن یہ عقلِ سلیم کے خلاف ہے کہ بچے کو خواب دیکھنے پر ڈانٹا جائے۔ ویسے بھی ہر محبت کرنے والا

باپ، چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا اس سے اعلیٰ تر مقام پا جائے۔ حضرت یعقوبؑ نبیٔ برحق تھے اور اپنے دادا حضرت ابراہیمؑ کے خوابوں کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس سے جو تعبیر نکالی وہ قرآن حکیم کے مطابق ہی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ برادرانِ یوسفؑ کے دل میں جو تعصب و نفرت حضرت یوسفؑ سے تھی وہی تورات اور بائیبل کی تحریفات کے پیچھے کار فرما ہے اور یہ سمجھنا بے جا نہ ہو گا کہ یہ بھائی حضرت یوسفؑ کے عروج کو بھی برداشت نہ کر سکے ہوں گے۔ یوسفؑ نے ان کے لئے جو احسانات روا رکھے انہوں نے اس حاسدانہ ذہنیت کو برانگیختہ کرنے میں الٹا اثر دکھایا ہو گا اور جلتی پر تیل کا کام کیا ہو گا۔ انہوں نے اپنے باپ کے محبوب ترین فرزند کے ساتھ محض سوتیلے بھائی ہونے کی وجہ سے یہ سلوک کیا کہ اسے مار مار کر ادھ موا کر دیا اور پھر ایک اندھے کنوئیں میں ڈال آئے کہ سسک سسک کر مر جائے۔ تورات کی روایت ہے کہ "حضرت یوسفؑ جب کنوئیں میں ڈالے گئے تو وہ بہت بلبلائے اور خوب چیخ چیخ کر بھائیوں سے فریاد کرتے تھے"۔ قرآنِ حکیم میں ارشادِ ربانی ہے۔

"اور ہم نے یوسفؑ کو وحی کی کہ ایک وقت آئے گا جب تو ان لوگوں کو ان کی حرکت جتائے گا۔ یہ اپنے فعل کے نتائج سے بے خبر ہیں"

(قرآن سورۃ یوسف ۱۲/۱۵)

تورات اور قرآنِ حکیم کے بیانات کا فرق واضح ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو عالمِ رویاء میں ان منازل کی بشارت دی جن کی مراد چاند، سورج اور گیارہ ستاروں کے سجدہ کی صورت میں ظہور پذیر ہونے والی تھی تو وہ انہیں چاہ کی تنہائی میں بے یار و مددگار کیوں چھوڑتا۔ چنانچہ یہ صورتحال خود اس تسلی کی مقتضی تھی جو برادرانِ یوسفؑ کے عمل سے گھبرائے ہوئے نبی زادہ کو وحی کی صورت میں نصیب ہوئی۔

شاید کسی کے دل میں یہ گمان پیدا ہو کہ جب اس رویائے صادقہ پر یوسفؑ کا اختیار نہ تھا تو انہیں کنوئیں میں کس جرم کی پاداش میں ڈالا گیا۔ حقیقی صورتحال کو تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن اس کا جواز تورات کے بجائے قرآن حکیم ہی سے ملتا ہے۔ حضرت یوسفؑ اپنا خواب بیان کرتے ہیں لیکن حضرت یعقوبؑ تعبیر خواب سے پہلے ہی بیٹے کو تنبیہ کرتے ہیں۔ "بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا ورنہ وہ تیرے درپے آزار ہو جائیں گے"۔ اور یہ کہہ کر تعبیر بھی بتا دی کہ "تیرا رب تجھے منتخب کرے گا اور تجھے باتوں کی تہہ تک پہنچائے گا اور تیرے اوپر اور آلِ یعقوب پر اپنی نعمت اس طرح پوری کرے گا جس طرح اس سے پہلے وہ تیرے بزرگوں ابراہیمؑ و اسحٰقؑ پر کر چکا ہے۔ یقیناً تیرا رب علیم اور حکیم ہے۔"

(سورۂ یوسف)

اس کے برعکس تورات کا کہنا یہ ہے کہ "باپ بیٹے کی اس گفتگو کو سوتیلی ماں کیاؔ نے سن لیا۔ ماہرین علم النفسیات جانتے ہیں کہ بچے کو جس بات سے منع کیا جاتا ہے وہ ضرور کرتا ہے چنانچہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ اتنی بڑی اور اس زبردست تنبیہ پر آپ اپنے بھائیوں سے کھنچنے لگے ہوں گے اور جب انہوں نے ذرا

دھمکا کر حقیقتِ حال معلوم کرنا چاہی ہوگی تو حضرت یوسفؑ جنہیں قرآنِ حکیم میں "صدیق" کے لقب سے یاد کیا گیا ہے' باپ کی ہدایت کے باوصف سچ سچ کہنے پر مجبور ہوگئے ہوں گے اور بھائیوں کے لئے یہ بشارتِ ربانی اپنی طبعی نفرت میں شدت کا باعث ہوئی ہوگی لیکن بظاہر حضرت یوسفؑ کی شفیق باپ سے جدائی' اپنے بھائیوں کے ہاتھوں کنوئیں میں گرایا جانا اور دوسری مصیبتیں اسی کا نتیجہ تھیں لیکن بباطن آپ کے عروج کا وہ زینہ ثابت ہوئی جس کے لئے مشیت نے ان بھائیوں کو یہ کردار سونپ رکھا تھا۔

برادرانِ یوسفؑ نے آپ کو کنوئیں میں ڈال کر "ان کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگایا" (القرآن) اور باپ سے کہا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا۔ حالانکہ خود حضرت یعقوبؑ نے ان سے فرمایا تھا کہ "تمہارا اسے لے جانا مجھے شاق گزرتا ہے اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ پھاڑ کھائے جبکہ تم اس سے غافل ہو۔" سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان بھائیوں کو اپنا جرم چھپانے کے لئے کوئی اور دلیل کیوں نہ سوجھی؟ اور انہوں نے اپنے والد ہی کے اندیشے کو اپنے فریب کی آڑ کیوں بنالیا؟ یہاں بھی ہمیں برادران یوسفؑ کی دانشمندی اور سوجھ بوجھ کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کو کے اشتباہ کو اپنے جھوٹ کا جواز اس لئے بنایا تاکہ ان کی بصیرتِ نبوی کو اس پیش گوئی کے لئے ذمہ دار ٹھہرائیں اور اپنے جرم پر پردہ ڈال کر خود کو معصوم ثابت کرنے کے بعد انہیں رضائے الٰہی پر کاربند کر دیں۔ اس عیّارانہ سازش اور ان کی بدباطنی کی اس خبر کے بعد جو حضرت یعقوبؑ نے تنبیہ کی صورت میں حضرت یوسف کو دی' ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ بھائی نہایت زیرک اور ہوشیار تھے اور اپنی بدکرداری کو خود بھی جانتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ "قتلِ یوسفؑ کے بعد ہم نیکوکار بن جائیں گے۔"

(القرآن۔ سورۂ یوسفؑ)

حضرت یعقوبؑ کی معاملہ فہمی بھی ظاہر ہے کہ آپ نے اپنے ان مفسد فرزندوں کے ردِّعمل کے بارے میں وہ وہ پیش گوئی فرمائی جو حقیقت بن گئی۔ آپ نے ان کے فریب کا پول کھول دیا اور وہ جملہ بھی بتا دیا جو برادرانِ یوسفؑ اپنی سیاہ کاری کے بعد کہنے والے تھے۔ یہ تمام باتیں حضرت یعقوبؑ کی بصیرت کا واضح ثبوت ہیں۔ حضرت یوسفؑ کی موت کی خبر پر آپ فرماتے ہیں "تمہارے نفس نے تمہارے لئے ایک بڑا کام آسان کر دیا اچھا' صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا' جو بات تم بنا رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔"

(القرآن۔ سورۂ یوسفؑ)

اس پر علامہ ابنِ خلدون کی روایت ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے قمیضِ یوسفؑ دیکھنے کے لئے مانگی۔

> یوسفؑ کی بھائیوں نے جس وقت قمیض دکھائی 'یعقوبؑ غور سے دیکھ کر بولے۔
> خدا کی قسم ہے میں نے اس بھیڑیئے سے زیادہ کسی کو حلیم نہیں دیکھا کہ اس نے میرے لڑکے کو تو کھالیا اور اس کی قمیض کو نہ پھاڑا۔"

(تاریخ الانبیاء حصہ اول)

قرآنِ حکیم نے اس عظیم واقعہ کو "احسن قصص" کا نام دیا اور اس کے ذریعہ ایک فرد یگانہ کے حسنِ عمل و کردار اور اس کے معاشرے کی پستی و آویزش کو جس طرح نمایاں فرمایا وہ ہمیشہ کے لئے عبرت اور ہدایت کا سرچشمہ رہے گا۔ اس کے برعکس تورات اور بائبل نے نہ صرف اس واقعہ کو بلکہ حضرت یعقوبؑ و یوسفؑ کو نہایت عامیانہ سطح پر لا اتارا۔ خبر مرگ یوسفؑ پر تورات کا بیان ہے۔

"یعقوبؑ بیٹے کا قمیص پہچانتے ہی اوندھے منہ زمین پر گر پڑا اور دیر تک بے حس و حرکت پڑا رہا پھر اٹھ کر بڑے زور سے چیخا کہ ہاں یہ میرے بیٹے ہی کا قمیص ہے اور وہ سالہا سال تک یوسفؑ کا ماتم کرتا رہا۔"

(پیدائش باب ۳۷)

قرآنِ حکیم کی علوی صداقت اور تورات و بائبل میں تحریفاتِ انسانی کا ثبوت اس موازنہ سے صاف ظاہر ہے۔ کلامِ الٰہی اور انسانی فکر کا فاصلہ جاننے کے لئے ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

"برادرانِ یوسفؑ آپ کو کنوئیں میں ڈال کر چلے گئے۔ بعد میں ایک قافلہ آیا جس نے آپ کو باہر نکالا اور مصر لے جا کر بیچا۔ تورات نے اس کو بیان کیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ برادرانِ یوسفؑ نے بعد میں اسماعیلیوں کا قافلہ دیکھا اور چاہا کہ یوسفؑ کو کنوئیں سے نکال کر ان لوگوں کے ہاتھ بیچ دیں لیکن کنوئیں پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ یوسفؑ اس میں نہیں۔ انہیں مدین کے سوداگر پہلے ہی نکال کر لے جا چکے تھے ان سوداگروں نے بیس درہم میں حضرت یوسفؑ کو اسماعیلیوں کے ہاتھ بیچا۔" اس بیان کے بعد تورات کے مصنفین آپ کو مصر میں فروخت کرنے کے لئے مدین ہی کے سوداگروں کا حوالہ دیتے ہیں حالانکہ خود پہلے کہہ چکے ہیں کہ آپ کو مدین والوں نے اسماعیلیوں کے پاس فروخت کر دیا تھا۔

(ملاحظہ ہو کتاب پیدائش باب ۳۷ فقرات ۲۵، ۲۸، ۳۶)

تلمود کا بیان ہے کہ مدین کے سوداگروں نے یوسفؑ کو کنوئیں سے نکال کر غلام بنالیا پھر برادران یوسفؑ نے آپ کو ان کے قبضہ میں دیکھ کر جھگڑا کیا اور آپ کو اپنا بھاگا ہوا غلام بتایا۔ آخر کار انہوں نے بیس درہم دے کر سوداگروں کو راضی کر لیا اور بیس ہی درہم میں اسماعیلیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اسماعیلیوں نے آپ کو بازارِ مصر میں فروخت کیا۔ یہیں سے مسلمانوں میں یہ روایت عام ہوئی کہ برادران یوسفؑ نے آپ کو فروخت کیا تھا۔

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی
بیچ ہی ڈالیں جو یوسفؑ سا برادر ہووے

قرآنِ حکیم اس روایت کی تائید نہیں کرتا۔

تورات، انجیل اور قرآن کے ان حوالوں کے موازنہ سے ہمارا مقصود اس حقیقت کو ظاہر کرنا ہے کہ قرآن حکیم نے ان کتابوں کے الہامی ہونے کے ساتھ ان میں یہود کی تحریفات کا جو اعلان آج سے چودہ سو سال پہلے فرمایا تھا وہ ہمارے ذہنوں میں ابھی سے قائم ہو جائے ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ قرآنِ حکیم کے اس دعوے کو آج تمام اہل فکر و نظر ذاتی تفحص و تجسس سے قبول کر چکے ہیں۔ چنانچہ یہ حقیقت

اب ایسی مسلمات میں سے ہے کہ خود یہود و نصاریٰ بھی اس کے منکر نہیں۔ تورات، طلمود، انجیل میں جگہ جگہ انسانی فکر کی وہ ٹھوکریں نظر آتی ہیں جن سے قرآنِ حکیم کا دامن ہر اعتبار سے منزہ و بے عیب ہے۔ اس لئے بنی اسرائیل کی تاریخ مرتب کرتے ہوئے ہمیں تورات و انجیل کی روایات کو سوچ سمجھ کر قبول کرنا پڑتا ہے اور جہاں جہاں قرآنِ حکیم کی دستگیری میسّر آتی ہے اسے بلا کم و کاست مان لینے میں کوئی خوف تردید لاحق نہیں ہوتا۔ برادرانِ یوسفؑ کا کردار ہمارے مؤقف کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے کہ انہی بارہ بھائیوں کے بارہ قبیلوں نے بنی اسرائیل کا نام پایا جنہوں نے ابراہیمؑ و اسحٰقؑ و یعقوب اور یوسفؑ کی سیرت و عظمت کو بھی اپنی پست ذہنیت کی وجہ سے پامال کر ڈالا۔ برادرانِ یوسفؑ کی سازش، فتنہ انگیزی شرپسندی اور برادر کشی کو پروان چڑھا کر تاریخِ عالم کو ذلت و شیطنت کا آئینہ بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور قبائلی عصبیت کی اس میراث نے جس کی تخم کاری برادران یوسفؑ نے کی تھی۔ کذب و افترا کفرو ضلالت، تنگ نظری اور معصوم کشی کو اپنی قوم کا مایۂ امتیاز بنا دیا۔ انہوں نے اللہ کے فرستادہ انبیاءؑ کو بغیر حق قتل کیا۔ اللہ کے کلام کو تورات و انجیل میں اپنے فکر و فن کے مطابق ڈھالا۔ جس اللہ کی توحید کے ثبوت کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے ٹکر لی اور نمرود کی آگ کو گوارا کر لیا، اسی توحید کو انہی کی اولاد نے شرک و کفر سے آمیز کیا۔ دینِ ابراہیمی سے منحرف ہو کر مطلب براری کو اپنا مسلک و مسجود ٹھہرایا۔ انہوں نے اللہ سے جو عہد حضرت موسیٰؑ کے توسّل سے استوار کیا تھا، اس کے حوالے بھی تورات و انجیل سے خارج کر دیئے۔ جزا و سزا کے ابواب کو بھی الہامی کتابوں سے حذف کیا۔ اس سب کچھ کے باوجود یہ قوم چار ہزار سال سے انبیاء کی اولاد رہنے کے زعم میں خود کو اللہ کی برگزیدہ اور مقبول ترین قوم قرار دے کر باقی دنیا کو اُمّی سمجھتی آ رہی ہے جس کی پاداش میں اس پر وہ عذاب نازل ہوئے اور اسے ایسی تنبیہیں کی گئیں جو آج بھی تورات و انجیل میں موجود ہیں اور جنہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ایک طرف برادرانِ یوسفؑ کا یہ کردار ہے اور دوسری طرف یوسفؑ ہیں کہ آپ نے ابتلا اور آزمائشوں میں بے پناہ صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ عصمت و ضبطِ نفس کا کمال دکھایا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کو اپنا شعار بنایا اور منصبِ کمال پر پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں سورۂ یوسفؑ نازل فرما کر فرد و قوم کے عروج و زوال کے لئے آپ کو آئینہ دار بنایا۔ آپ نے ان بھائیوں کو معاف بھی فرمایا، مصر میں آباد کر کے زرخیز زمینیں عطا کیں، اہلِ مصر سے ممتاز کیا، وہ اور ان کی اولاد اپنے اعمال کی وجہ سے چار سو تیس سال کے عرصہ میں تعداد کے اعتبار سے اڑسٹھ سے چھ لاکھ ہو گئے، اپنے دماغوں سے بوئے عظمت اور نشۂ سروری نہ نکال سکے۔ حالانکہ ذات کے اعتبار سے اتنے پست اور بے حقیقت ہو چکے تھے کہ حضرت یوسفؑ کے وصال کے بعد غلامی کا وہ جوا پہننے پر مجبور ہو گئے جس سے رہائی کے لئے ان کا سارا دار و مدار دعاؤں اور التجاؤں پر تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کھا کر حضرت موسیٰؑ کو ان کی خلاصی کے لئے مبعوث فرمایا۔ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید

لئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے اور مارتے مرتے ہیں ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمہ پختہ ہے۔ تورات اور انجیل اور قرآن میں اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنا عہد پورا کرنے والا ہو۔ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا سے چکالیا ہے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔"

حیرت کی بات ہے کہ "عہدِ عتیق Old Testament," اور عہد جدید اناجیل New جو اپنے ناموں ہی سے اس معاہدے پر سند ہیں 'اس معاہدے سے سراسر عاری ہیں۔ الٹا یہود و نصاریٰ اسلام پر طعنہ زن ہیں کہ اس معاہدے کے سلسلے میں قرآنِ حکیم میں تورات و انجیل کا حوالہ دے کر ان پر بہتان باندھا گیا۔ غور فرمایئے تو یہ حقیقت صاف نظر آئے گی کہ وہ مذہب جس میں عبدو معبود کے درمیان یہ معاہدہ نہ ہو اللہ کا دین ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ تو بنیادی اصول کا معاملہ ہے جہاں تک موجودہ تورات کا تعلق ہے اس میں توحیات بعد الموت 'یوم الحساب اور جزاو سزا کا ذکر تک نہیں ملتا۔ اس پر طُرّہ یہ کہ بنی اسرائیل اسی تورات کی سند سے خود کو اللہ کی محبوب 'پسندیدہ اور برگزیدہ قوم قرار دیتے ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے ان برگزیدہ لوگوں سے اپنی توحید کا اقرار بھی نہیں لیا تھا؟ حضرت یعقوبؑ کے یہ بارہ بیٹے جن میں سے ایک یوسفؑ کا واقعہ انفرادی شخصیت کی ارتقاپذیری کا نمونہ بنا کر ظاہر فرمایا گیا ہے کیا کسی شرطِ انسانیت 'شرف شرافت 'حسن و کردار اور نسبتِ بندگی کے بغیر ہی محض اسباطِ یعقوبؑ ہونے کی وجہ سے سرفراز و مقبول ہو گئے؟ نہیں یہ مزاجِ الٰہی کے خلاف ہے۔ خود تورات میں ہمیں یہ مضمون متعدد مقامات پر ملتا ہے۔

"سن اے اسرائیل 'خداوندِ خدا ایک ہی خداوند ہے تو اپنے سارے دل اور ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا سے پیار کر۔"

(استثناء ۶:۴،۵)

جہاں تک اِشترِیٰ یعنی اللہ کی خریداری کا تعلق ہے۔ تورات کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"کیا وہ تمہارا باپ نہیں جس نے تمہیں خریدا ہے؟ اسی نے تم کو بنایا اور قیام بخشا۔"

(استثناء ۳۲:۶)

تورات کے یہ اقوال گواہی دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے کوئی عہد لیا تھا جس کی بنا پر ان کی کتبِ مقدسہ کو عہد نامہ کا نام دیا گیا۔ اس حقیقت سے قطع نظر بھی اسباطِ یعقوبؑ کا فرض تھا کہ اپنے اب وجَد کے دین پر اسی طرح کاربند رہیں جس طرح حضرت یعقوبؑ رہے۔ اس کے لئے خود یوسفؑ نے اپنے اقتدار کے ساتھ ان کے لئے مصر میں ساز گار فضا تیار کر دی تھی اور اپنی ذات کو آئینہ بنا کر دکھایا تھا۔ لیکن اپنے محسن بھائی کے حاسد 'ظالم اور خود پسند 'اللہ کے ساتھ بھی عیاری اور فریب کاری کرتے رہے۔ انہوں نے اپنے بوڑھے باپ کو ستایا اور حتیٰ الامکان دھوکہ دیا۔ چنانچہ مصر میں بھی وہ اپنی فطرت سے باز نہ آئے ہوں گے نتیجہ ظاہر ہے۔ اہلِ مصر 'جن کے بارے میں تاریخ شاہد ہے کہ وہ اصنام پرستی اور کفر کے

باوجود انصاف پسند' اقدار کے قائل اور اصول پرست تھے۔ ان کی مذموم حرکات اور پستیٔ قول و فعل سے عاجز آکر انہیں دھتکارنے اور رذیل ٹھہرانے پر مجبور ہو گئے ہوں گے۔ چار سو برس کے عرصہ میں اپنی جمعیت کے باوجود غلامی اور ذلّت کے اس عالم کو پہنچ گئے کہ اللہ تعالیٰ کا رحم جوش میں آیا اور اس نے ان کی نجات کے لئے حضرت موسیٰؑ کو مامور فرمایا۔ اس میں کلام نہیں کہ آزرؔ سے جہاد کر کے حضرت ابراہیمؑ نے مقامِ خلیل حاصل کر لیا' لیکن آپ کو نار نمرود سے بھی گزرنا پڑا۔ اپنے لختِ جگر کے حلقوم پر چھری بھی رکھنا پڑی۔ رضائے الٰہی کے لئے اپنی ضعیفہ بیوی اور معصوم بچے کو ایک بے آب و گیاہ وادی میں بے یار و مددگار چھوڑنا بھی پڑا۔ ان مراحل میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنی عقل کے بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر جس محکم ایمان کا مظاہرہ فرمایا وہ تمام عالمِ انسانیت کے لئے نمونہ ہے' جس پر کاربند رہنا خود بنی اسرائیل کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری تھا تاکہ وہ حقیقی معنوں میں اپنے اَب وجد کی عظمتوں کے اہل ثابت ہوں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہی فرزندان یعقوبؑ چار سو سال کے قیام مصر میں بت پرستی' ساحری اور غلامی پر اتنے رضامند ہو چکے تھے کہ عصائے کلیم' یدِبیضا کے معجزات' سمندر میں بارہ راستوں' ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ابر کے سایوں اور دوسرے بے شمار خوارق کے باوجود حضرت موسیٰؑ کو نبی ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ تورات باب عروج میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی غیر موجودگی میں وہ حضرت ہارونؑ سے ایسا معبود تراشنے کو کہتے تھے جسے وہ ساتھ ساتھ لئے پھریں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فرعون کی غرقابی اور سمندر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کا گزر ایک بستی سے ہوا جہاں لوگ اپنے بتوں کی پوجا کر رہے تھے تو انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے التجا کی کہ "ہمیں بھی ایک ایسا ہی بت بنا دو تاکہ ہم بھی اس کی پرستش کریں۔ " اس پر حضرت موسیٰ غضبناک ہو گئے۔ بنی اسرائیل کی یہ صورتِ احوال کہاں تک عبرت انگیز تھی اس کے لئے ہم تورات ہی سے رجوع کرتے ہیں۔

موضوع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو کوہِ طور پر طلب فرمایا تاکہ فرعون سے نجات یافتہ قوم کے لئے قوانین عطا فرمائے جائیں اور اس کے لئے تیس دن کی مدّت مقرر فرمائی۔ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم سے اجازت لے کر طور پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں دس دن کا اضافہ کر دیا۔ بالیقین اس سے مراد یہ تھی کہ حضرت موسیٰؑ پر اپنی امت کی حقیقت واضح ہو جائے جس کے لئے یہ دس دن کی توسیع بھی ناقابل برداشت ہو گئی اب ملاحظہ ہو تورات:

"جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰؑ پہاڑ سے اترنے میں دیر کرتا ہے تو وہ ہارون کے پاس جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ اٹھ! ہمارے لئے معبود بنا کہ ہمارے آگے چلیں کیونکہ یہ مرد موسیٰؑ جو ہمیں مصر سے نکال لایا۔ ہم نہیں جانتے کہ اسے کیا ہوا ہارون نے کہا کہ سونے کے زیورات جو تمہاری بیویوں' بیٹوں اور بیٹیوں کے کانوں میں ہیں اتار اتار کر میرے پاس لاؤ چنانچہ سب لوگ زیوروں کو جوان کے پاس تھے اتار اتار کر ہارون کے پاس لائے اس نے ان کے ہاتھوں سے لیا اور ایک بچھڑا ڈھال کر' اس کی صورت حکاکی کے اوزار سے درست کی۔ انہوں نے کہا' اے بنی اسرائیل! یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں ملک مصر سے نکال لایا۔ ہارون نے یہ دیکھا تو اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور یہ کہہ کر منادی کی کہ کل خداوند

کے لئے عید ہے وہ صبح کو اٹھے سوختنی قربانیاں چڑھائیں' سلامتی کی قربانیاں گزرانیں۔ لوگ کھانے پینے کو بیٹھے اور کھیلنے کو اٹھے تب خداوند نے موسیٰ کو کہا کہ "اتر جا' کیونکہ تیرے لوگ جنہیں تو مصر کے ملک سے چھڑا لایا' خراب ہو گئے ہیں' وہ اس راہ سے جو میں نے انہیں فرمائی' جلد پھر گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے لئے ڈھلا ہوا بچھڑا بنایا اور اسے پوجا اور اس کے لئے قربانی ذبح کر کے کہا - اے اسرائیل! یہ تمہارا معبود ہے' پھر خدا نے موسیٰؑ سے کہا کہ میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ گردن کش قوم ہے اب تو مجھے چھوڑ کہ میرا غضب ان پر بھڑکے اور میں ان کو بھسم کر دوں میں تجھ سے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ موسیٰؑ نے اپنے خداوند کے آگے منت کر کے کہا کہ "اے خداوند! کیوں تیرا غضب اپنے لوگوں پر بھڑکتا ہے"۔ تب خداوند' اس بدی سے جو اس نے سوچا تھا کہ اپنے لوگوں سے کرے' پچھتایا۔ "

اس کے بعد حضرت موسیٰؑ کا پہاڑ سے اترنا' شہادت کی لوحوں کا توڑ کر پھینکنا اور حضرت ہارون سے غضبناک ہو کر دریافت کرنا اور ان کا واقعات کو دہرانا درج ہے اس کے بعد تورات کی روایت ہے۔

" تب موسیٰؑ لشکر گاہ کے دروازے پر کھڑا ہوا اور کہا کہ جو خداوند کی طرف ہوئے وہ میرے پاس آئے تب سب بنی لاوی اس کے پاس جمع ہوئے اس نے انہیں کہا کہ "خداوند اسرائیل کے خدا نے فرمایا ہے کہ تم سے ہر ایک مرد اپنی کمر پر تلوار باندھے' ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک تمام لشکر گاہ میں گزرتا پھرے ہر مرد تم میں سے اپنے بھائی کو' اور ہر ایک آدمی اپنے دوست کو اور ہر شخص اپنے عزیز قریب کو قتل کرے۔ بنی لاوی نے موسیٰؑ کے کہنے کے موافق کیا۔ چنانچہ اس دن لوگوں میں سے قریب تین ہزار مرد مارے گئے۔ "

(تورات۔ کتاب خروج۔ باب ۳۲ ۔ فقرات ۱ تا ۲۵)

تورات کا یہ بیان کئی پہلوؤں سے محلِ نظر ہے اور قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا جس طرح ذکر فرمایا ہے وہ اس کی ہر طرح اصلاح کرتا ہے۔ حتیٰ کہ یہود نے جو الزام حضرت ہارونؑ پر عائد کیا تھا اسے بھی غلط ٹھہرایا اور سامری کو اس جرم کے لئے ذمہ دار گردانا۔ تاہم تورات اور قرآن مجید دونوں کے اعتبار سے بنی اسرائیل کفر و ضلالت پر اتنے ریجھے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احسانات و انعامات بھی انہیں خود ساختہ بتوں کی پرستش کے مقابلہ میں ہیچ نظر آتے تھے۔

یہ واقعات اُس قوم کی اساس ہیں جو بنی اسرائیل کی حیثیت سے ابھری۔ جس نے جلیل القدر نبیوں کی آغوش میں پرورش پا کر بھی کفر و شیطنت کو اپنا وتیرہ بنایا۔ چنانچہ ہم اس نتیجہ پر پہنچنے میں حق بجانب ہیں کہ برادرانِ یوسفؑ نے عیاری اور ظلم کا جو بیج مصر میں بویا تھا' وہ بارور ہوا ان کے بارہ قبائل کی سرشت کی تخمیر اسی کے سائے میں ہوئی اور موسیٰؑ کی تعلیمات اور عملی اجتہادات بھی انہیں اپنی روش سے ہٹا نہ سکیں وہ اپنی ذلت اور پستی کے ضمن میں اس قدر راسخ ہو گئے کہ بزعم خود خدا کی برگزیدہ قوم ہونے کے مدعی بن کر بھی انسانیت کے معیار پر پورے نہ اتر سکے ان کی اصلاح کے لئے متعدد انبیاءؑ مبعوث ہوئے لیکن وہ اپنی ہٹ پر قائم رہے۔ یہی تعصب ان کے کردار کا وہ نقطۂ کمال ہے جس نے انہیں چار ہزار سال کے شدائد کو برداشت کرنے کی ہمت بخشی اور دوسری اقوامِ عالم میں ضم ہونے سے بچایا۔

مصر سے ہجرت

ہم دیکھ آئے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ کے بارہ فرزند بارہ قبیلوں میں بٹ گئے۔ حضرت یوسفؑ کے وصال کے بعد انہوں نے مصری اصنام کی پرستش شروع کر دی۔ چار سو تیس سال کے عرصہ میں بہتر سے بڑھ کر ان کی تعداد چھ لاکھ بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہو گئی لیکن بنی اسرائیل اس تہذیب و تمدن میں ڈھل نہ سکے۔ جسے اہل مصر نے ممی سازی' تعمیر اہرام' ساحری اور کاغذ کی صنعت کے علاوہ فن تحریر و تعلیم کے کمال تک پہنچا دیا تھا۔ جس دور میں "زلیخائے مصر" نے اپنی سہیلیوں کی ضیافت میں سیب اس طرح پیش کئے تھے کہ انہیں چھیلنے کے لئے ہر ایک نے اپنے ہاتھ میں چھری تھام رکھی تھی' اس دور میں سکندر اعظم کے آب و جد ابھی پتھر کے زمانے سے گزر رہے تھے۔ حضرت یوسفؑ کی وفات ان کی عظمت و اقتدار کی موت ثابت ہوئی اور فراعنۂ مصر کے درباروں ہی سے نہیں' شہروں سے بھی نکال دیئے گئے جہاں انہوں نے گڈریئے بن کر زندگی بسر کرنا شروع کی۔ ان کی ہوا میں لہراتی ہوئی لمبی واڑھیاں اور لمبے کرتے انہیں مصریوں سے ممیز کرتے۔ انہیں اپنے قول و فعل کے بجائے اپنے آب و جد کی سلسلہ دار نبوت پر ناز تھا لیکن اہل مصر کے لئے یہ شان امتیاز چنداں درخور نہ تھی۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ ان لوگوں کی قبائلی بدویت انہیں مصری تمدن میں مدغم نہیں ہونے دیتی تو انہوں نے ان کو غلام بنالیا۔ گھریلو کام کاج' کھیتی باڑی یا تعمیراتی کاموں پر لگا دیا۔ اس کے باوجود جب بنی اسرائیل اپنی برگزیدگی کے احساس سے تائب نہ ہوئے تو فراعنۂ مصر ان کی بڑھتی ہوئی آبادی سے خوفزدہ ہو گئے اور انہوں نے ان کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا اِن کے بچوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کرنے کا حکم دے دیا۔

"اور اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ دیکھو بنی اسرائیل کے لوگ ہم سے زیادہ اور قوی تر ہیں۔ آؤ ہم ان سے دانشمندانہ معاہدہ کریں تاکہ یہ نہ ہو کہ جب وہ اور زیادہ ہوں اور جنگ پڑے تو وہ ہمارے دشمنوں

سے مل جائیں اور ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں"

(خروج باب 1- فقرات 10- 11)

اغلب ہے کہ لڑکیوں کو لونڈیاں بنا کر مصری عوام کے حوالے کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا ہو لیکن روسائے مصر نے اس کے خلاف فرعونِ وقت سے فریاد کی کہ اگر اسرائیلیوں کی تمام اولادِ نرینہ ختم کر دی گئی تو آئندہ غلام کہاں سے آئیں گے اور ان کی کھیتی باڑی اور کاروبار کا کیا بنے گا۔ اس پر فرعون نے اپنے حکم پر نظرِ ثانی کی اور اعلان کیا کہ ایک سال چھوڑ کر دوسرے سال پیدا ہونے والے بنی اسرائیلی لڑکوں کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت ہارونؑ کی ولادت اس سال ہوئی جو چھوڑنے کا تھا اور حضرت موسیٰؑ قتل کے سال پیدا ہوئے۔

بنی اسرائیلی لڑکوں کے قتل کے اس حکم کے ساتھ ایک اور روایت بھی وابستہ ہے، کہتے ہیں کہ فرعون نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک شعلہ اٹھا جس نے سارے مصر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور مصر کی قبطی قوم کو ختم کر دیا۔ کاہنوں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہو گا جو تیرے زوال کا باعث ہو گا اور سارے مصر کو تباہ کر دے گا بہر حال حقیقت یہ ہے کہ اسرائیلی بچوں کو پیدا ہوتے ہی موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت موسیٰؑ سے کام لینا تھا اس لئے اپنی قدرتِ کاملہ کا مظاہرہ فرما کر آپ کو زندہ رکھا، فرعون کے گھر میں پالا، آپ کا نام مصری زبان میں رکھوایا۔ موسیٰ اصل لفظ قبطی کا "مُوشیۂ" ہے جس کے معنی ہیں طفلِ دریا کہ آپ کی والدہ نے آپ کو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں بہا دیا تھا۔ رمسیس دوم (فرعون) کی بیوی آسیا نے شاہی محل میں آپ کی تعلیم و تربیت کروائی۔ اس کے باوجود آپ کے سینے میں اپنے اسرائیلی بھائیوں کے مصائب کا غم موجزن ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کو اناّ بنا کر شاہی محل میں پہنچایا اور آپ کو دودھ پلانے پر مامور کیا۔ یہود کی محبت نے آپ کو یہاں تک بے تاب کیا کہ آپ نے ایک مصری کو ایک اسرائیلی پر سختی کرتے ہوئے دیکھا تو آپ برداشت نہ کر سکے۔ آپ نے غضبناک ہو کر اس مصری کو گھونسا مارا تو وہ موقعہ پر ہی دم توڑ گیا آپ کے جرم کا شہرہ سارے شہر میں پھیل گیا۔ ہاہا کار مچ گئی اور آپ جزیرہ نمائے سینا میں روپوش ہو گئے۔ وہاں سے آپ ارضِ مدین میں پہنچے جہاں آپ کی شادی حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی سے ہوئی اور آپ بطور مہر دس برس تک حضرت شعیبؑ کی خدمت میں رہے۔ گیارھویں برس اپنی بیوی کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے، جب وادی سینا میں پہنچے تو تاریک رات کی خنکی میں آگ کی ضرورت پیش آئی، آپ نے دیکھا کہ کوہِ طور پر ایک شعلہ بھڑک رہا ہے چنانچہ اس کی طرف روانہ ہوئے قریب ہوئے تو دیکھا کہ ایک سرسبز درخت شعلوں میں لپٹا ہوا ہے لیکن آگ کے ضرر سے محفوظ ہے۔ حیرت ہوئی تو ندا آئی: اِنّی انا اللہ رَبُّ العالمین

"میں ہوں اللہ تمام جہانوں کا پالنے والا"

الغرض یہاں موسیٰؑ نبوت سے سرفراز ہوئے اور علمِ الٰہی کے سامنے اپنے علم کو ہیچ پا کر یدِ بیضا اور عصا کے معجزات سے نوازے گئے۔ چنانچہ وہ موسیٰؑ جو دس برس پہلے جان بچانے کے لئے مصر سے بھاگے تھے، جو ایک زمانے میں فرعون کی آغوش میں کھیلتے تھے، جن کی اسرائیلی نژاد کے باوجود سارا مصر تکریم کرتا تھا،

جنھوں نے بچپن کی آسائشوں اور راحتوں سے بنی اسرائیل کی غلامی اور ذلت کا شعور حاصل کیا تھا...... طور سے مصر کو چلے تو آپ کے قدموں میں ایک عزمِ استقلال تھا آپ کے دل میں ایک عجیب سرخوشی و شادمانی تھی۔ آپ کو یقین تھا کہ آپ اپنے بھائیوں کے نجات دہندہ ہوں گے آپ کو تائیدِ ایزدی مل چکی ہے...... جن اسرائیلی بھائیوں کا دُکھ آپ کو خوابوں میں بھی پریشان رکھتا تھا وہ اب فراعنہ کی دستبرد سے بچ کر اس ارضِ موعود کو لوٹیں گے جو ان کے جدِامجد حضرت ابراہیمؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ کی سرزمین ہے' وہ بنی اسرائیل جن کی ننگی پیٹھ پر کوڑے برستے تھے اور جو مصریوں کے مظالم سہتے تھے لیکن اُف تک نہ کر سکتے تھے' اب اپنا مقدر خود بنائیں گے۔ بنی اسرائیل کی وہ بچیاں جنھیں اہلِ مصر ماؤں کی آغوش سے جُدا کر کے لونڈیاں بنا لیتے تھے۔ اب اپنے وطن کی ٹھنڈی ہواؤں اور انگوروں کی بیلوں کی چھاؤں میں جوان ہوں گی۔ ان کے شہران کی دوشیزگی کے سامنے سر جھکائیں گے اور وہ اپنے قبیلے کے جوانوں میں سے اپنی مرضی اور اپنے بزرگوں کی خوشنودی کا بر چُن سکیں گی اور اپنے شوہروں کو اپنے گھروں میں لا کر بسائیں گی۔ ان کی گودیں ہری ہوں گی تو ان کے بچوں کی معصومیت کے سر پر کسی فرعون کی منحوس تلوار کا سایہ نہ ہو گا۔

خداوند خدا نے حضرت موسیٰؑ کو جس بنی اسرائیل کا نجات دہندہ فرمایا تھا وہ تو اس قدر بے حس اور اپنی ذلت و پستی پر اس قدر راضی ہو چکے تھے کہ اپنے بچوں کا قتلِ عام بھی انہیں فراعنہ کے خلاف بغاوت پر اُکسا نہ سکا اور وہ اپنی بچیوں کی بے حُرمتی کو بھی گوارا کر گئے لیکن حضرت موسیٰؑ مدین میں حضرت شعیبؑ کے سایۂ عاطفت میں رہے تھے۔ حضرت شعیبؑ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی تیسری بیوی قطورا کے فرزند مدین کی نسل سے تھے گویا آپ کی رگوں میں بھی وہی خون دوڑ رہا تھا جو اسماعیلؑ و اسحاقؑ کی حق پرستی کا ضامن تھا آپ نے اپنی قوم کی اصلاح کرنے اور راہِ راست پر لانے کے لئے جس پیمبرانہ عزم و عمل کا نمونہ پیش کیا تھا' اسے حضرت موسیٰؑ دیکھ آئے تھے۔ آپ کو اپنے اَب وجَد کی تاریخ بھی یاد تھی۔ ان کی عظیم روایات بھی آپ کے پیشِ نظر تھیں حضرت شعیبؑ کی تعلیم و تمثیل نے آپ کے سینے میں نورِ حق فروزاں کیا جو آپ کو طُور تک لے گیا طُور کے مشاہدات و انوار نے آپ کے عقائد ہی نہیں' ارادوں کو بھی پختہ تر کر دیا آپ نے عہد کر لیا کہ بنی اسرائیل کو دوبارہ ربِ ابراہیمؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ کی بارگاہ میں جھکائیں گے اور ان جھوٹے بتوں کو پاش پاش کر دیں گے جنھیں مصریوں نے یہود کی غلامی کے ساتھ وظیفے کے طور پر عطا کر دیا تھا۔ آپ کے لئے اب کوئی مشکل' مشکل نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت آپ کے ساتھ تھی۔ آپ کا مشن واضح اور غیر مبہم تھا۔ چنانچہ جب آپ دوبارہ مصر پہنچے تو آپ نے بنی اسرائیل کو اللہ کا پیغام سُنایا تو آپ نے انہیں بتایا کہ وہ نبیوں کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص بندے ہیں وہ بندے جنھیں یہواہ نے اپنے لئے چُن لیا ہے۔ بنی اسرائیل غلامی کے لئے نہیں' ساری دنیا کی رہبری کے لئے مقرر کئے جا چکے ہیں...... اب انہیں مصریوں کی غلامی سے نجات پا کر اس ارضِ مقدس کو لوٹنا ہو گا جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔ موسیٰؑ کا یہ پیغام بڑا خوش آئند تھا لیکن ان کے دل فراعنہ کے رُعب و جلال سے خوفزدہ تھے۔ مٹھی بھر جوانوں کے سوا کوئی بھی موسیٰؑ کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہ ہوا۔ بقول قرآن حکیم

"اور موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ "لوگو! اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو اگر مسلمان ہو۔ " انہوں نے جواب دیا "ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا۔ اے ہمارے ربّ! ہمیں ظالم لوگوں کے لئے فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہم کو کافروں سے نجات دے۔ "

حضرت موسیٰؑ فرعون کے دربار میں پہنچے اور "یہواہ" کا پیغام سنا کر توحید کا درس دیا لیکن فرعون تو خود خدا تھا۔ "را" کا بیٹا۔ (سورج۔ عظیم سورج کا فرزند) وہ تمام دیوی دیوتاؤں، تمام اصنام، تمام خداؤں سے روگردانی کر کے ایک ان دیکھے خدا "یہواہ" کو کیسے مان لیتا۔ یہواہ جس کی آواز کو سنا اور جس کے پرتو کو دیکھا تو ایک موسیٰؑ ..... موسیٰؑ! جادوگر موسیٰؑ۔ جس کا عصا اژدہا بن جاتا، اور جس کی ہتھیلی سورج کی طرح چمک اٹھتی تو لوگوں کی آنکھیں چندھیا جاتیں...... مصر میں خداؤں کی کمی نہ تھی اگر یہواہ ان کے درمیان اپنا بت بنوانے کے لئے تیار ہو جاتا تو کوئی جھگڑا نہ تھا، اور جس کا جی چاہتا اسے بھی پوجتا، لیکن ستم تو یہ تھا کہ اس کا پیغام دینے والا یہودی، فرعون ہی کے گھر کا پروردہ تھا۔ غلاموں کے جھونپڑوں میں جنم لینے والے موسیٰؑ کے کہنے پر سورج کا فرزند، مصر کا عظیم فرعون اور اس کے زبردست کاہن............ سب کے سب اپنے عقائد بدل لیں اور غلاموں کے غلام ہو جائیں، انہیں "یہواہ" کی برگزیدہ قوم کی حیثیت سے مان لیں اور تمام عظیم الشان بتوں کو ڈھا دیا جائے۔ ان کے مندروں کو مسمار کر دیا جائے۔ نہیں، یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ چنانچہ موسیٰؑ کو باغی قرار دے دیا گیا کہ آخر ایک شخص کے ذاتی کردار کی عظمت اور اس کے تمام بھائی بندوں کی بے غیرتی اور ذلت کو دیکھ کر تمام اہل مصر اس کے سامنے کیسے جھک جاتے۔ ان لوگوں کا وجود اہل مصر کے اقتدار کیلئے ضروری تھا لیکن ان کی عادات واطوار گھناؤنے تھے، اور وہ خود طرح طرح کی جسمانی بیماریوں کا شکار تھے جن میں کوڑھ سب سے نمایاں مرض تھا۔ مصریوں کا خیال تھا ان کے دیوتا اس نجس اور ناپاک قوم کو مٹانے کے لئے وہ وبائیں نازل کر رہے تھے جو اس زمانے میں شدّت اختیار کر گئیں۔ اس کے برعکس حضرت موسیٰؑ کا دعویٰ یہ تھا کہ یہواہ کے حکم سے مصری قوم پر عذاب ڈھایا جا رہا ہے۔ عجیب شش و پنج کا عالم تھا، تاہم مصری قوم کو ان غلاموں کی ضرورت لاحق تھی جو ان کی معیشت اور زراعت کے علاوہ شان وشوکت کا وسیلہ بھی تھے چنانچہ جب موسیٰؑ اپنی قوم کو لے کر نکلے تو فرعون نے اپنی فوج کے ساتھ ان کا تعاقب کیا۔ قوم کی اخلاقی حالت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ مصری آقاؤں کے زیورات اور مال و دولت بھی اٹھا لائی۔ بحیرۂ احمر میں اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی فوجوں کو ڈبو دیا لیکن بنی اسرائیل نے جس کردار کا مظاہرہ اس موقعہ پر کیا وہ اس وقت بھی شرمناک تھا اور آج بھی ذلّت و پستی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ بحیرہ احمر کے کنارے جب فرعون کی فوجیں ان کے سر پر پہنچ چکی تھیں تو وہ حضرت موسیٰؑ سے اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ سمندر میں ہمارے لئے بارہ راستے پیدا کئے جائیں تاکہ ہر قبیلہ اپنے اپنے راستہ سے ہو کر سفر کرے۔ ایک ہی راستے پر ان سب کا چلنا ان کے لئے قابلِ قبول نہ تھا لیکن اسی پر بس

نہیں، بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے جب اپنے اپنے راستے پر گامزن ہوئے تو انہیں سمندر کے پانی کی بلند دیواروں کی وجہ سے دوسرے قبائل دکھائی نہ دیتے تھے چنانچہ انہیں گمان ہوا کہ کہیں ہمارے دوسرے قبیلے ڈوب ہی نہ گئے ہوں۔ چنانچہ اب یہ تقاضا ہوا کہ سمندر کی موجوں میں سے ان کو دوسرے قبائل دکھائے جائیں۔ ربِّ موسیٰ نے اپنی رحمتِ خاص سے یہ مطالبہ بھی پورا کیا۔ اس قبائلی ذہنیت اور جہالت سے ہم بنی اسرائیل کی نفسیات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ انہوں نے فرعون کو اپنے تعاقب میں دیکھا تو کہا۔

"کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہم کو مرنے کے لئے بیابان میں لے آیا ہے۔ تو نے ہم سے یہ کیا، کیا کہ مصر سے نکال لایا کیا ہم تم سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں کیونکہ ہمارے لئے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہوتا۔"

(خروج باب ۱۴ ۔ فقرات ۱۱ - ۱۲)

اور جب قلزم سے باہر نکلے تو مصری فوج فرعون سمیت غرق ہو چکی تھی اور اسرائیلیوں نے مصریوں کو سمندر کے کنارے مرے ہوئے پڑے دیکھا۔"

(خروج باب ۱۴ ۔ فقرہ ۔ ۳۱)

یہ اور دوسرے محیرالعقول معجزات کو رونما ہوتے دیکھ کر بھی قوم موسیٰ کو ہوش نہ آیا۔ قلزم سے نکل کر ان کی عورتوں نے دف پر خوشی کے گیت گائے۔ حضرت موسیٰ نے قوم کو جمع کیا اور فرمایا: "یہواہ کا حکم ہے وہ میں ہوں جس نے تم کو اس زبردست فتنہ سے نجات دی، سو میرا شکر ادا کرو اور میری ہی بندگی کرو۔" اس کے بعد موسیٰ نے انہیں ساتھ لے کر سینا کی راہ لی۔ راستے میں ایک بستی آئی جس پر صنم پرست پوجا پاٹھ میں لگے ہوئے تھے۔ بنی اسرائیل نے انہیں دیکھا تو کہنے لگے۔
(ترجمہ: "اے موسیٰ جیسے ان لوگوں کے معبود بت ہیں۔ ایسے ہی ہمارے لئے بھی بنا دے۔ تو موسیٰ نے کہا افسوس تم پر، بلاشبہ تم جاہل قوم ہو")

حضرت موسیٰ کے اس ردِ عمل پر مزید تبصرے کی گنجائش نہیں۔

بنی اسرائیل نے بحرِ قلزم کو پار کر کے بیابان شور سینا، میں قدم رکھا جو لق و دق بے آب و گیاہ میدان ہے۔ یہاں شدید گرمی پڑتی ہے۔ دور دور تک پانی اور سبزے کا نشان تک نہیں۔ اس لئے بنی اسرائیل گھبرا اٹھے اور موسیٰ سے فریاد کرنے لگے کہ ہم پانی کہاں سے پئیں۔ ہم تو پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے۔ موسیٰ نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی تو حکم ہوا کہ اپنا عصا زمین پر مارو۔ تعمیلِ ارشاد پر بارہ چشمے ابل پڑے تا کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے اپنے اپنے چشمے سے پانی پئیں۔ پانی کا مسئلہ حل ہوا تو کھانے کا سوال پیدا ہو گیا چنانچہ من و سلویٰ نازل فرمایا گیا۔ "من" شبنم کی طرح آسمان سے برستا تھا اور کھانے میں

نہایت شیریں تھا۔ "سلویٰ" بٹیر کی قسم کے پرندے تھے جو اڑ کر زمین پر آ بیٹھتے تھے جنھیں بنی اسرائیل با آسانی ہاتھوں سے پکڑ لیتے تھے اور بھون کر کھاتے تھے لیکن ان نعمتوں کے لئے شرط یہ تھی کہ ان کا ذخیرہ نہ کیا جائے۔ بنی اسرائیل اس آسان سی ہدایت پر بھی کاربند نہ ہو سکے اور لالچ کی بنا پر ذخیرہ اندوزی شروع کر دی' خیر کھانے اور پینے سے فراغت ملی تو گرمی کی شدّت نے ستایا اب سایہ ناپید تھا اور سفر میں قیام بھی ممکن نہ تھا۔ اس لئے اُدھم برپا ہوا کہ یہ تپش اور تمازت ہماری زندگی کو ختم کر دے گی۔ حضرت موسیٰؑ نے دعا فرمائی اور آسمان پر بادلوں کے پرے کے پرے سایہ فگن ہو گئے۔ چنانچہ بنی اسرائیل سفر کرتے تو یہ سائبان ان کے سروں پر ساتھ ساتھ چلتا۔ حضرت موسیٰؑ کے طفیل' اللہ تعالیٰ کی یہ بندہ نوازی بھی بنی اسرائیل کو شاکر و رضا جُو نہ بنا سکی۔ اس عجیب الفطرت قوم نے آخر اپنی بوالعجبی کا مظاہرہ کیا اور مل کر موسیٰؑ سے شکایت کرنے آئے کہ ہم روز روز ایک ہی غذا کھاتے کھاتے تنگ آ گئے ہیں۔ اپنے خدا سے دعا کر کہ وہ ہمارے لئے زمین سے کھیرا' ککڑی' مسور' لہسن' پیاز جیسی چیزیں اگائے۔

"کیا خدا اس بیابان میں مائدہ نازل کر سکتا ہے (زبور' نغمہ ۷۸۔ ۱۹)

موسیٰ نے جواب دیا:

"کیا تم بہتر اور عمدہ چیز کے بدلے گھٹیا چیز کے خواہشمند ہو؟ اچھا کسی شہری آبادی میں جا رہو' جو کچھ تم مانگتے ہو وہاں مل جائے گا۔

(الفرقان۔ سورۃ بقر آیت ۶۰)

یہ عالم تھا کہ موسیٰؑ کو طور پر عطائے شریعت کے لئے طلب فرمایا گیا۔ آپ اپنی قوم سے تیس دن کی میعاد مقرر فرما کر گئے لیکن عباداتِ الٰہی کے لئے اعتکاف کی مدت میں دس دن کا اضافہ ہو گیا۔ ازروئے قرآن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمکلامی کا شرف بخشا آپ نے دیدار کا تقاضا کیا تو تجلّی کا ظہور ہوا۔ غرض رازونیاز کے بعد آپ کو تورات عطا کی گئی اور "الواح" پر ہر نصیحت اور ہر حکم کی تفصیل لکھی ہوئی دی گئی۔ آپ الواح لے کر قوم میں آئے تو گئوٗ سالہ سامری کی پرستش میں مشغول تھی۔ آپ حضرت ہارونؑ سے ناراض ہوئے اور بقول تورات اس کی سزا کے طور پر تین ہزار اسرائیلوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ کمال یہ ہے کہ مصنفینِ تورات نے گئوٗ سالہ کے پجاریوں کو تو سزائے موت دینا ضروری سمجھا لیکن حضرت ہارونؑ پر اس صنم سازی کا بہتان باندھ کر بھی' انہیں بری الذّمہ قرار دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حقیقت وہی ہے جو قرآن حکیم میں بیان فرمائی گئی ہے کہ اس جرم کا مرتکب سامری تھا۔

اب حضرت موسیٰؑ نے قبائل کے سربراہوں کو جمع کیا۔ ان سے یہوّاہ کا اقرار کرایا اور اس معاہدے پر حلف لیا جس کا اعادہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ (آیت ۱۱۱) میں فرمایا ہے۔ لیکن علمائے یہود' اس سے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ دس احکام ہیں جو "شریعتِ موسوی" یا "احکام

عہد " کے نام سے موسوم ہیں۔

(خروج باب ۳۴ ۔ فقرہ ۲۸)

قرآنِ حکیم واضح طور پر کتاب اور فرقان کی تخصیص فرماتا ہے جو حضرت موسیٰؑ کو چلہ کشی کے بعد عطا کی گئیں۔

"اور ہم نے موسیٰ کو کتاب اور حق و باطل میں تمیز کرنے والی (فرقان) چیز عطا کی تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

(سورۂ بقرہ آیت ۵۲)

خود استثناء میں تورات کے بارے میں حکم ہے،

"اور ان پتھروں پر اس تورات کی تمام آیتوں کو جلی لکھ"

(استثناء باب ۲۷ ۔ فقرہ ۲۸)

حالانکہ احکام کی الواح جو موسیٰؑ طور سے لائے تھے۔ قوم کی گئو سالہ پرستی کو دیکھ کر آپ نے زمین پر پٹخ دی تھیں اور وہ ٹوٹ گئی تھیں۔

انجیل بھی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ تورات کی آیات کو بنی اسرائیل نے خود پتھروں پر لکھا۔

"بنی اسرائیل نے بموجب حکمِ موسیٰؑ 'ایک مذبح بنایا اور اس کے پتھروں پر توریت کو لکھ دیا۔"

بہرکیف بنی اسرائیل نے عہد کیا کہ وہ "یہواہ" کے قوانین پر عمل کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے اور اس کے عوض یہواہ ہر خطرے' ہر مشکل میں ان کی دستگیری کرے گا وہ انہیں ارضِ موعود میں پہنچا کر اپنی خاص نعمتیں ارزاں کرے گا۔ اس بیعت اور یقین دہانی کے بعد موسیٰ نے قُبّۂ عبادت اور تابوتِ شہادت بنانے کا حکم دیا جس کی تفصیلات توریت میں درج ہیں۔

"حکم دیا گیا ہے کہ یہواہ کے لئے شمشاد یا سنوط (شیشم) کی لکڑی کا ایک صندوق بنائیں جس کا طول ڈھائی ہاتھ اور عرض اور اونچائی ڈیڑھ ڈیڑھ ہاتھ ہو اور اندر اور باہر اس پر سونے کے پترے چڑھائے جائیں اور اس کے گرد طلائی کلس ہوں اور چار حلقے ڈھلے ہوئے سونے کے' دو ایک طرف' دو ایک طرف لگائے جائیں اور شمشاد ہی کی لکڑی کی دو چوبیں بنا کر ان پر بھی سونا منڈھا جائے اور وہ چوبیں صندوق اٹھانے کی غرض ان حلقوں میں ڈال دی جائیں۔ عہد نامہ اسی صندوق میں رکھا جائے"۔

(ابن خلدون۔ تاریخ الانبیاء حصۂ اوّل)

صحرائے سینا میں مارے مارے پھرنے والے بنی اسرائیل نے صندوقِ شہادت قُبّۂ عبادت و وحی اور قربان گاہ بنانے کی یہ اور اس قسم کی کڑی شرائط کیسے پوری کیں یہ تو ہماری سمجھ سے باہر ہے تاہم بقولِ تورات ایک چلتا پھرتا ہیکل تیار کیا گیا جو "یہواہ" کا گھر تھا۔ اب بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے نمائندے اسے

قافلے کے آگے آگے لے کر چلتے۔ سر پر بادلوں کا سایہ ہوتا اور وہ تورات کی آیات کو گاتے ہوئے آگے بڑھتے۔ جوں جوں وہ کنعان کی سرزمین کے قریب پہنچتے گئے، صحرا کی وسعتیں سمٹتی گئیں اور سرسبز وادیاں ابھرنے لگیں۔ خود رو اناج، ہرے بھرے درخت، پھل، پھول اور پانی کے ذخیرے دیکھ دیکھ کر ان کی باچھیں کھل گئیں۔ سفر کی صعوبتیں اور مصر کی یادیں قصۂ پارینہ ہو گئیں۔ پہاڑیوں کے دامن میں انہوں نے اپنے خیمے نصب کئے اور ہر قبیلے سے ایک ایک جوان لے کر قوم "جبّارین" کی جاسوسی پر روانہ کیا جو ارضِ مقدس پر قابض تھی۔ چھ ہفتوں کے بعد یہ جاسوس پلٹے تو معلوم ہوا کہ زمین واقعی زرخیز ہے پھل بافراط پائے جاتے ہیں۔ زمین پر دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں لیکن شہروں کے لوگ جنّات کی طرح قد آور توانا اور بہادر ہیں جن کا مقابلہ اسرائیلیوں کے بس کا روگ نہیں۔ شہروں کے ارد گرد بڑی فصیلیں ہیں جنہیں سر کرنا کارے دارد والا قصہ ہے۔ "سرزمینِ موعود" میں خوشحالی کے امکانات نے ان کے حوصلے جتنے بلند کئے تھے۔ اتنے ہی جبّارین کی طاقتوری نے پست بھی کر دیئے۔ جنگ کرنا ہو گی لیکن جنگ کرنا تھی تو وہ مصری قوم سے لڑتے، جس نے ان کے نومولود بچوں کو ماؤں کی گودوں سے چھین کر قتل کیا تھا۔ موسیٰؑ نے تو کچھ اور وعدہ کیا تھا۔ چاروں طرف سراسیمگی پھیل گئی۔ نہیں، وہ لڑنے مرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ موسیٰؑ اور یہوواہ جائیں اور کنعان کے بہادروں سے لڑیں، ملک کو فتح کر کے ہمارے حوالے کریں، ہم ایسے خدا کو نہیں مانتے جو خود تماشائی بنا بیٹھا رہے اور ہمیں مرنے کے لئے تنہا چھوڑ دے۔

سورۂ مائدہ میں قرآنِ کریم کا بیان ہے۔

> ترجمہ: "انہوں نے کہا کہ اے موسیٰؑ! ہم کبھی اس شہر میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے، جب تک وہ اس میں موجود ہیں پس تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور ان سے لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔"

(آیت ۲۴)

حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو بہتیرا سمجھایا لیکن وہ نہ مانے انہوں نے چلّانا شروع کر دیا "اس سے تو فرعون کی غلامی ہی بہتر تھی کاش ہم صحرا ہی میں مر جاتے کیا یہوواہ ہمیں اس لئے مصر سے لایا تھا کہ ہمیں دشمنوں کے تیروں کا نشانہ بنائے اور ہمارے بیوی بچوں کو کنعانیوں کا غلام بنا دے"۔ رات بھر وہ اسی بزدلی کا مظاہرہ کرتے رہے اور جب دن نکلا تو کنعانیوں نے ان پر دھاوا بول دیا۔ انہوں نے بری طرح ہزیمت کھائی۔ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور صحرا میں پناہ گزین ہوئے۔ یہوواہ نے ان کو یہ سزا دی کہ چالیس برس تک صحرا میں سرگرداں پھرتے رہیں اور انہیں بستیوں کی راہ تک نہ ملے۔

پھر خدا نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو خطاب کر کے فرمایا:

"میں کب تک اس خبیث گروہ کے مقابل جو میری شکایت کرتا ہے، صبر کروں؟ بنی اسرائیل جو میرے خلاف شکایتیں کرتے ہیں، میں نے ان کی شکایتیں سنیں۔ ان سے کہہ: خدا کہتا ہے مجھے اپنی حیات

ی قسم جیسا تم نے مجھے سنا کے کہا ہے میں تم سے ویسا ہی کروں گا' تمہاری لاشیں اور ان سب کی' جو تم میں شمار کئے گئے' ان کے کل جمع کے مطابق بیس برس والے سے لیکر اوپر والے تک جنھوں نے میری شکایتیں کیں' اس بیابان میں گریں گی۔ تم بے شک اس زمین تک نہ پہنچو گے جس کی بابت میں نے قسم کھائی ہے کہ تمہیں وہاں بساؤں گا۔ سو "الغینہ" کے بیٹے "کالب" اور "نون" کے بیٹے "یوشع" اور تمہارے لڑکے کو' جن کے حق میں تم کہتے ہو کہ وہ لٹ جائیں گے' میں ان کو داخل کروں گا۔ اس زمین کی قدر کو جسے تم نے ذلیل جانا وہ پہچانیں گے۔ پر تم جو ہو' تمہاری لاشیں اس بیابان ہی میں گریں گی اور تمہارے لڑکے اس دشت میں چالیس برس تک بھٹکتے پھریں گے اور تمہاری برگشتگی کے اٹھانے والے ہوں گے۔ جب تک کہ تمہاری لاشیں نیست و نابود نہ ہوں۔ ان دنوں کے شمار کے مطابق جن میں تم اس زمین کی جاسوسی کرتے تھے جو چالیس دن ہیں' دن پیچھے ایک سال ہو گا۔ سو تم چالیس برس تک اپنے گناہ کو اٹھائے رہو گے' تب تم میری عہد شکنی کو جان لو گے۔"

(تورات۔ کتاب اعداد۔ باب ۱۴۔ فقرات ۱۶ تا ۳۵)

یہ چالیس برس حضرت موسیٰؑ نے توبہ و استغفار میں گزارے کہ عتاب الٰہی سے نجات کی اور کوئی صورت نہ تھی۔ بنی اسرائیل صحرائے سینا میں مارے مارے پھر رہے تھے اور موسیٰؑ ان کے پیچھے پیچھے مغفرت کی التجائیں کرتے ہوئے چلتے رہتے۔ لوگوں کو ان سے گلہ تھا کہ انہیں کس عذاب میں مبتلا کر دیا۔ سبز باغ دکھا دکھا کر بے پناہ مصیبتوں کے جہنم میں دھکیل دیا۔ اگرچہ "عہد نامہ" کی رو سے وہ اپنی جانیں یہواہ کے حوالے کر چکے تھے لیکن ان کا رونا تھا تو یہ کہ موسیٰؑ نے انہیں بے موت مروا دیا۔ تورات و قرآن متفق ہیں کہ ان لوگوں نے حضرت موسیٰؑ کی شان میں بے حد گستاخیاں کیں۔ تورات کی روایت ہے کہ اللہ کا غضب جوش میں آیا اور ان میں سے کئی زمین میں زندہ ہی دھنس گئے۔

چالیس برس کے بعد اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا۔ مغضوب قوم کے افراد مر کھپ گئے۔ ان کے بیٹے جوان ہو کر کنعان پر حملہ آور ہوئے' لیکن اس وقت جب حضرت موسیٰؑ کا وصال ہو چکا تھا۔ حضرت یوشعؑ آپ کے جانشین کی حیثیت سے فوج کے کماندار تھے۔ آپ نے وادیٔ اردن کے جنوبی حصوں کو زیر کیا اور اسے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں تقسیم کر دیا۔

ہم نے بنی اسرائیل کے ان واقعات کو جو حضرت موسیٰؑ کے دور میں پیش آئے اس لئے قدرے وضاحت سے پیش کیا ہے کہ ان کی جہالت' محسن کشی' تنگ نظری' اور سرکشی کی ایک جھلک نظر آ جائے۔

قرآن مجید نے انہی واقعات کو پورے شرح و بسط سے نظائر و بصائر کے طور پر واضح فرمایا ہے کہ اہل ایمان رہتی دنیا تک ان سے عبرت حاصل کریں۔ حق تو یہ ہے کہ یہود آج تک اپنی اسی خصلت و فطرت پر قائم ہیں کہ یہی اس قوم کا مایہ امتیاز ہے۔ ان کا کردار حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے حسن عمل سے متضاد و مختلف ہے لیکن کمال یہ ہے کہ اسی نسبت پیمبری نے انہیں سرفرازی و برگزیدگی کا غرور عطا کر رکھا ہے۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کے تمام انعامات و نوازشات کا بطلان کفران کیا لیکن اس کے وعدے کو

غیر مشروط کر لیا جو اس نے انہیں دوسری قوموں پر فضیلت دینے کے سلسلے میں کیا تھا۔ اس کی تمام نعمتیں اکارت گئیں کہ یہ قوم اپنی کمزوریوں اور پستیوں کو ترک کرنے کے لئے تیار نہ ہوئی۔ انہوں نے یوسفؑ سے جو بد سلوکی کی تھی وہی دوسری قوموں سے ان کے تعلق کا وطیرہ بن گئی۔ موسیٰؑ اور دوسرے انبیاءؑ کی دستگیری و رہنمائی بھی انہیں عتابِ الٰہی سے بچا نہ سکی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے عادؑ و ثمود و صالحؑ کی قوموں کی تباہی کے مناظر تھے لیکن ان کی آنکھیں نہ کھلیں۔ اسی لئے قرآن حکیم فرماتا ہے۔

(ترجمہ) "اے یعقوبؑ کی اولاد! یاد کرو میرا احسان جو میں نے تم پر کیا اور میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور خاص میرا ہی ڈر رکھو۔"

(البقرۃ آیت ۴۰)

یہ عہد کیا تھا؟ اور کس طرح کیا گیا؟ اس کی وضاحت بھی سورۂ بقرہ میں فرمائی گئی ہے۔

"اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو پھر تم پھر گئے مگر تم میں سے تھوڑے (ماسوائے چند کے) اور تم روگرداں ہو اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا خون نہ کرنا اور اپنوں کو اپنی بستیوں سے نہ نکالنا۔ پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم گواہ ہو پھر یہ جو تم اپنوں کو قتل کرنے لگے اور اپنے میں سے ایک گروہ کو ان کے وطن سے نکالتے ہو۔ اس پر مدد دیتے ہو ان کے مخالفوں کو گناہ اور زیادتی سے اور اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو بدلا دے کر چھڑا لیتے ہو اور ان کا نکالنا تم پر حرام ہے تو کیا خدا کے کچھ احکام پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو' تو جو تم میں ایسا کرے اس کا بدلہ کیا ہے' مگر یہ کہ دنیا میں رسوا ہو اور قیامت میں سخت تر عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے اور اللہ تمہاری حرکتوں سے بے خبر نہیں۔"

(البقرۃ آیات ۸۳ تا ۸۵)

بنی اسرائیل نے اس عہد کو گزشتہ چار ہزار برس میں کسی وقت بھی پورا نہ کیا۔ حتیٰ کہ آج بھی انہوں نے اپنوں کا خون نہ بہانے اور انہیں اپنے وطن سے نہ نکالنے کے اقرار کو پس پشت ڈال کر وہ ظلم روا رکھا ہے جس سے ساری دنیا ایک خوفناک جنگ کے دہانے پر کھڑی ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود انہیں یاد ہے تو یہی کہ ہم سے "یہواہ" نے بلاشبہ عہد کیا تھا کہ تمہیں ساری دنیا کی قوموں پر فضیلت دوں گا۔ قرآن حکیم نے آج سے چودہ سو برس پہلے اس خوش فہمی کی تردید فرما دی تھی کہ یہ اس قوم کی خام خیالی ہے۔ اللہ تعالیٰ بد عہدوں اور ظالموں سے اپنا عہد پورا نہیں فرماتا۔

"اے اولادِ یعقوبؑ! یاد کرو میرا احسان جو میں نے تم پر کیا اور وہ جو میں نے

اس زمانے کے سب لوگوں پر تم کو بڑائی دی اور ڈرو اس دن سے کہ کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہوگی اور اس کو کچھ لے کر چھوڑیں اور سفارش نفع دے اور نہ ان کی مدد ہو اور جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں۔ فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں' عرض کی اور میری اولاد سے؟ فرمایا' میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ "

(البقرۃ آیات ۱۲۲ تا ۱۲۴)

اللہ تعالیٰ نے اس عہد کی تشریح بھی فرمادی۔ یہ بھی واضح کر دیا کہ پیشوائی کا عہد حضرت ابراہیمؑ سے تھا۔ آپ کی محبت کا تقاضا بھی بتادیا کہ اپنی اولاد کے لئے بھی وہ پیشوائی کے طالب ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس اولاد کی قلعی بھی کھول کر رکھ دی کہ ظالم ہوگی۔ اس لئے انہیں اس عہد سے فائدہ نہ پہنچے گا۔

بنی اسرائیل کا ظلم یہی نہیں کہ انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے یا اس کے وجود ہی سے انکار کر دیا بلکہ اس کے انعامات اور بخششوں سے روگردانی' اپنی بدعملی اور بدکرداری پر اصرار اور اپنی خواہشوں کی تکمیل کے لئے ہٹ دھرمی روا رکھی' گویا وہ تمام ظلم کئے جو عظیم ترین نسبتوں اور رشتوں کو منقطع کر دیتے ہیں۔ یہ ظلم کفر سے بھی بدتر تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں "ظالم" قرار دیا کہ ان کے ظلم اپنی ہی جانوں پر تھے۔ حق تو یہ ہے کہ اللہ کی بخششوں میں کبھی کمی نہیں ہوئی یہ قوم اس کے تمام انعامات و اکرام ٹھکرا کر اس خطاب کی حقدار ہوئی جس سے حضرت موسیٰؑ نے انہیں نوازا تھا۔ "بلاشبہ تم جاہل قوم ہو۔ "

یہودی اور اُن کے پیغمبر

بنی اسرائیل نے حضرت یوشعؑ کی قیادت میں جنوبی فلسطین کے علاقوں کو توزیر کر لیا لیکن وادیٔ اردن اور اس کے پہاڑی علاقوں پر ان کا تسلّط قائم نہ ہو سکا اِن میں وہ زمینیں جن پر کاشت ہو سکتی تھی ان کے قبیلے اپنے اپنے سرداروں اور سربراہوں کے تحت آباد ہو گئے۔ بنی افرائیمؑ (یعنی حضرت یوسفؑ کی اولاد) کو دوسرے قبائل پر فوقیت حاصل تھی اور اس کے کاہن مذہبی امور پر فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے۔ شلوّہ کے قیام پر پتھروں کی چار دیواری قائم کر دی گئی جس پر ایک خیمہ نصب کر دیا گیا۔ اس عہد نامہ کا صندوق اور قبّۂ عبادت رکھا گیا۔ اسی کو "خانۂ یہواہ" قرار دیا گیا۔ تمام قبیلے سال میں تین مرتبہ یہاں جمع ہوتے۔ دعائیں اور مناجاتیں کرتے۔ یہواہ کی خوشنودی کے لئے نیم عریاں ناچ ناچتے اور مقدّس ضیافت منعقد کرتے۔ لاوّی (جو برادران یوسفؑ میں سب سے بڑے تھے) کی اولاد کے پاس کوئی سیاسی اختیارات نہ تھے لیکن انہوں نے اپنی بستیاں آباد کیں اِن کے راہب خانہ بدوش کاہنوں کی حیثیت سے مختلف علاقوں میں گشت کرتے، مذہبی رسومات ادا کرتے اور اپنے پیرووں سے نذرانے حاصل کرتے۔ اگرچہ بنی اسرائیل کی قومی جمعیت کا انحصار "بنی افرائیمؑ" کی سرداری شلوّہ کے تقدس اور ان راہبوں کی راہنمائی پر تھا، تاہم ان میں اتحاد پیدا نہ ہو سکا۔ بارہ قبیلوں میں بٹے ہونے کی وجہ سے انہوں نے بارہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیں، جنہیں مقامی باشندوں نے یکے بعد دیگرے زیر کیا اِن کا کوئی جری جوان کبھی کبھار انہیں جنگ آزادی پر اکساتا ان کے باہمی انتشار، آویزش کو فرو کر کے مقام اقتدار حاصل کر لیتا لیکن ان کی تنگ نظری، فطری کینہ پروری اور سازشی ذہنیت اسے بھی برداشت نہ کرتی اور غیر اقوام انہیں اپنے

حملوں سے پھر منتشر کر دیتیں اس طرح مدتوں یہ قبائل مارے مارے پھرتے رہے اور جنہیں پہاڑی غار میسر آئے اُن میں جا چھپے۔ یہوواہ سے ان کی نسبت محض زبانی حد تک تھی کہ یہ لوگ ہر معاملے میں من مانی کرتے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کے لائے ہوئے دس احکام کی بھی کسی کو پروانہ تھی ہوتے ہوتے دوسرے قوموں کے دیوی دیوتا بھی یہواہ کے شریک بن گئے اور افزائشِ نسل، اچھی فصل اور لڑائی جھگڑے میں فتح کے ضامن ٹھہرائے جانے لگے۔

ایک عرصے کے بعد فلسطین بھی ان کی دستبرد میں آگیا وہاں حتی، اموری، کنعانی، فرزی، حوی، یبوسی، فلستی وغیرہ کئی اقوام آباد تھیں۔ یہ تمام قومیں بت پرست اور مشرک تھیں۔ ان کے سب سے بڑے دیوتا کا نام "ایل" تھا جسے یہ لوگ دیوتاؤں کا باپ کہتے اور اسے عام طور پر "سانڈ" سے تشبیہ دیتے۔ اس کی بیوی کا نام "عشیرہ" رکھا گیا تھا۔ اس جوڑے سے خداؤں اور خدانیوں کی ایک پوری نسل چلی آتی تھی جس کی تعداد ستر سے زیادہ تھی ان میں زبردست ترین کا نام "بعل" تھا جو روئیدگی اور بارش کا دیوتا اور زمین و آسمان کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ اس کی بیوی کو شمالی علاقوں میں "اناث" اور فلسطین میں "عستارات" نام دیا گیا تھا۔ افزائشِ نسل اور روئیدگی کے لئے اس سے رجوع کیا جاتا تھا کہ اس کی محبوبی "بعل" کے اختیارات پر بھی حاوی تھی۔ ان کے علاوہ کوئی دیوتا موت کا مالک تھا تو کوئی دیوی صحت کی اور کسی دیوتا کے قبضے وباؤں اور قحط کی ہلاکت سامانیاں تھیں۔ یوں ساری خدائی ان اصنام کے تصرف میں تھی، جن کے سامنے بنی اسرائیل بےبس و مجبور ہو کر جھک گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ خود ساختہ دیوی دیوتاؤں کی بندگی انہیں اخلاقی طور پر کس سطح پر لے آئی ہوگی وہ اپنے پہلوٹی کے بچے کو "بعل" کی خوشنودی کے لئے زندہ جلا دیتے "عستارات" کی جنس کو برانگیختہ کرنے کے لئے وہ کسی داسی کا انتخاب کرتے جس کا جسم بےداغ ہوتا۔ یہ داسی مندر میں برہنہ ہو کر ناچتی۔ اس کا انگ انگ، بوٹی بوٹی تھرکتی، بنی اسرائیل کے جوان اسے ریجھانے کے لئے اپنے حسن و شباب کا مظاہرہ کرتے کہ اس کا انتخاب "عستارات" کی چشم کرم کے مترادف تھا۔ وہ جس جوان کو پسند کرتی وہ اس سے معبد ہی میں زنا کرتا۔ اس کے بیوی بچے بھی اس کی خوش قسمتی پر ناز کرتے اور انہیں یقین ہوتا کہ اب کے ان کے کھیت سب سے زیادہ بارآور ہوں گے۔

تورات میں حضرت موسیٰؑ کے توسل سے بنی اسرائیل کو ہدایت کی گئی تھی کہ فلسطین کو فتح کرنے کے بعد مفتوحہ قوموں کو زندہ نہ چھوڑنا، ان کی زمینیں حاصل کر کے یہواہ کی عبادت کرنا، ورنہ ان قوموں کی اخلاقی پستی اور اعتقادی خرابیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن بنی اسرائیل ان ہدایات پر بھی کاربند نہ ہوئے۔ انہوں نے فلسطینی اقوام کو غلام بنایا۔ یہواہ کی خدائی کا اقرار نہ کیا کوئی متحدہ سلطنت قائم نہ کی۔ قبائلی عصبیت میں مبتلا ہوئے، ہر قبیلے نے اپنا اپنا پسندیدہ علاقہ لیا اور مقامی لوگوں کے رسم و رواج اختیار کر کے "عہد یہواہ" کو پس پشت ڈال دیا۔

چنانچہ یہواہ نے بھی اپنا عہد ترک کیا کہ اس کا وعدہ تو مشروط تھا اس کے لئے تو بنی اسرائیل کی توحید پرستی،

پاک بازی اور اقوامِ عالم کے لئے مثالی کردار ادا کرتا تھا لیکن جب انہوں نے اس شرک کی بدعت اور کفر کو دوبارہ اختیار کیا جس سے موسیٰ نے انہیں نجات دلائی تھی اور جس کی بدولت انہیں صحرائے سینا میں چالیس برس کی گمراہی و آوارگی کی سزا ملی تھی تو ان میں جسمانی عوارض اور اخلاقی لعنتیں دَر آئیں اور وہ پستی میں دوسری قوموں کے لئے عبرت کا مرقع بن گئے تورات کی کتاب "قضاۃ" کی روایت ہے۔

"اور بنی اسرائیل نے خدا کے آگے بدی کی' اور بعلیم کی پرستش کرنے لگے اور انہوں نے خداوند' اپنے باپ دادا کے خدا کو' جو انہیں مصر سے نکال لایا تھا چھوڑ دیا اور دوسرے معبدوں کی' جو ان کے گرداگرد کی قوموں کے دیوتاؤں میں سے تھے پیروی کرنے اور سجدہ کرنے لگے اور خداوند کو غصہ دلایا وہ خداوند کو چھوڑ کو بعل و عستاملات کی پرستش کرنے لگے اور خداوند کا قہر اسرائیل پر بھڑکا۔"

(باب ۲ 'فقرات ۱۱ تا ۱۴)

ملاحظہ فرمایئے کہ ابراہیمؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ کے گھرانے سے نسبت کی بدولت تو بنی اسرائیل اقوامِ عالم پر اپنی فضیلت کا جھنڈا گاڑے بیٹھے تھے۔ موسیٰؑ کی رہائی اور دعاؤں کے صدقے میں انہیں ارضِ مقدس کی سرداری نصیب ہوئی لیکن انہوں نے اپنی فطری پستی کو دستگیر بنالیا' تورات اور دس احکام کی پیروی کو یکسر محو کر کے دوسری قوموں کی بت پرستی کو شعار بنالیا اب جہاں وہ دوسروں سے خود کو افضل سمجھتے وہاں اپنی ہر بے راہروی کے لئے جواز بھی تراش لیتے۔

تیسری صدی ق۔م کے ایک مورخ مینتھو نے مصر سے ان کے انخلاء کی دلیل یہ دی ہے کہ

"ان میں کوڑھ اور دوسرے متعدی امراض نے گھر کر لیا تھا
'اسی لئے مصری ان سے نجات پانا چاہتے تھے"۔

حضرت عیسیٰ کے مبعوث ہونے کے زمانے میں بھی یہ سرزمین اندھوں اور کوڑھیوں کا وطن تھی۔ گویا دو ہزار سال کا عرصہ انہوں نے جس کفر و ضلالت میں بسر کیا اس کی جسمانی سزائیں بھی انہیں ہاتھوں ہاتھ ملتی رہیں۔

اگر ہمارا مطالعۂ تاریخ صحیح ہے تو ہمیں یہ کہنے میں ہرگز باک نہیں ہونا چاہئے کہ فلسطین کو زیر کرنے کے بعد ان کا کردار اتنا پست تھا کہ انہوں نے مقامی قوموں کو فنا کیا اور ان کی ذلتوں کو اختیار کیا اور جہاں جہاں ان کی پیش نہ چل سکی انہوں نے فتنہ و فساد' عیاری و چالبازی' تعصب و سازش کا جال اس طرح پھیلایا کہ اکثریت کا دم گھٹنے لگا۔ چنانچہ وہ بھی ان کی طرح انسانی' اخلاقی' معاشی' مذہبی اور تمدنی طور پر جہالت کا شکار ہو گئیں اور بنی اسرائیل کا مقصود ہی یہی ہے۔

بدویانہ خصلتوں اور قبائلی عادتوں سے تنگ آ کر بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں نے یہوواہ سے التجائیں کرنی شروع کیں کہ انہیں اتحاد عطا کر کے ایک مرکز پر لانے کے لئے کوئی بادشاہ بخش دیا جائے ایک ایسا بادشاہ جو انہیں اپنے اختیارات کی بنا پر مجتمع رکھے اور غیر قبائل کی یورشوں اور حملوں سے محفوظ کر دے۔

سیموئیل نبی نے شخصی حکمرانوں کی خرابیاں بیان کرتے ہوئے خبردار کیا اور کہا:

"وہ تمہارے بیٹوں کو لے جائے گا اور انہیں اپنا غلام بنا لے گا، اپنے رتھوں اور گھوڑوں کے لئے ان سے کام لے گا اور اپنے رتھ کے آگے آگے انہیں دوڑائے گا وہ انہیں ہزاری پلٹنوں اور پچاس پچاس کے دستوں پر سالار مقرر کرے گا اور انہیں اپنی زمینوں پر ہل چلانے' اور اپنے کھیتوں کی کٹائی پر لگائے گا۔ ان سے جنگیں لڑے گا اور تمہاری لڑکیوں کو مطبخ میں رکھے گا کہ طرح طرح کے پکوان پکائیں اور وہ تمہارے کھیت' تمہارے انگوروں کے باغ' تمہارے زیتون کے درخت' تم سے چھین لے گا اور اپنے ملازموں میں بانٹ دے گا اور وہ تمہارے خادموں اور کام کرنے والی لڑکیوں اور بہادروں اور گدھوں کو زبردستی ہانک کر لے جائے گا اور اپنے کام میں لائے گا وہ تمہاری بھیڑوں کا عشر مانگے گا اور تم اس کے چاکر بن کر رہ جاؤ گے اور تم اس دن کو روؤ گے جس دن تم نے اسے اپنا بادشاہ چنا تھا' اور تمہارا رب تمہاری فریاد نہیں سنے گا لیکن لوگوں نے سموئیل کی آواز پر کان نہ دھرے اور انہوں نے کہا:

نہیں ہم بادشاہ مانگتے ہیں تاکہ ہم بھی دوسری قوموں کی طرح ہو جائیں تاکہ ہمارا بادشاہ بھی ہمارے ساتھ انصاف کرے اور ہمارا رہبر ہو اور ہماری جنگیں لڑے۔"

(سموئیل ۸۔ فقرات ۱۰ ۔ تا ۲۰)

ان کا سب سے پہلا بادشاہ ساؤل تھا،' جس نے ان کی مرادیں پوری کیں وہ ان کی جنگیں پوری بے جگری سے لڑتا رہا اپنے صدر مقام "جلیل" میں سادہ زندگی بسر کرتا رہا۔ حضرت داؤدؑ کے خلاف قاتلانہ منصوبے بناتا رہا اور بالآخر فلستیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس بادشاہ کو قرآن حکیم میں جالوت کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کی موت نے بنی اسرائیل کو اس کے جانشین کے مسئلے سے دوچار کر دیا۔
بنی اسرائیل کی کتابوں کے مطابق حضرت داؤدؑ نے ساؤل کی زندگی ہی میں اپنی بادشاہت کے لئے خفیہ کارروائیاں شروع کر رکھی تھیں۔ گویا انہیں نبی تسلیم کرتے ہوئے بھی یہ قوم انہیں سازشی قرار دیتے ہوئے نہیں شرماتی اگر ساؤل کا دورِ حکومت نا اہلی کا شکار رہتا یا وہ خود بے دینی' عوام دشمنی یا حق ناشناسی کا مرتکب ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ اس قسم کا کوئی الزام ساؤل پر عائد نہیں کیا گیا۔ اس کے برعکس اس کی سادگی اور بہادری کی "تلمود" میں جا بجا تعریف ملتی ہے اگر اس کے باوجود داؤدؑ نے اس کے خلاف بغاوت کی تو اس کا کوئی نہ کوئی جواز ہونا چاہیے تھا لیکن "تورات" و "تلمود" نے آپ کو اس کا پیدائشی حق دے رکھا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کو فلستیوں سے گٹھ جوڑ کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے جن سے مل کر آپ نے اپنے ہم وطنوں ہم قوم اور ہم مذہب بھائیوں پر چڑھائی کی۔ اس لڑائی میں آپ کو شکست ہوتی ہے

اور آپ "باغی سپاہی بن کر ملک کے جرائم پیشہ اور جلاوطن اوباشوں کی فوج مرتب کرتے ہیں۔ ادوام کے غار کو اپنا بھٹ بنا کر ارد گرد کے علاقوں پر چھاپے مارتے ہیں کھاتے پیتے کسانوں کا غلہ لوٹتے ہیں۔ چرواہوں کی بھیڑیں اٹھالاتے ہیں اور جو کوئی اپنے حق کے لئے مدافعت کرتا ہے' اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔" یہ تصویر کھینچ کر بنی اسرائیل آپ کی تقدیس کا بھرم یہ کہہ کر رکھتے ہیں کہ لوٹ مار کی مہمات پر روانہ ہونے سے پہلے اپنے "بت" سے مشورہ کر لیتے' جو یہواہ کے احکامات اور خواہشات سے آپ کو مطلع کر دیتا۔

ساؤل کی موت پر اس کا بیٹا اسبوشتے (Ishosheth) تخت نشین ہوا بنی اسرائیل کے گیارہ قبیلوں نے اسے تسلیم کیا لیکن داؤد نے اپنے لٹیروں کے گروہ اور اپنے قبیلے کی حمایت کے زور سے اکثریت کے منتخب بادشاہ پر دھاوا بولا۔

انہیں تخت شاہی کے دعویدار کی حیثیت سے کوئی جواز حاصل نہ تھا لیکن وہ قتل و غارت اور ناجائز حربوں سے کامیاب ہو جاتے ہیں اور حضرت موسیٰؑ سے چار سو برس کے بعد یروشلم کو فتح کر لیتے ہیں۔ یہی نہیں وہ فلستیوں کے ساحلی علاقوں اور کنعان کے میدانوں پر بھی فتح یاب ہو کر دمشق اور اس کے گردونواح کے صحرائی قبائل پر اپنی شاہی کا ڈنکہ بجواتے ہیں اور یوں فرات سے بحیرۂ احمر تک کا سارا علاقہ ان کے زیر نگیں آجاتا ہے۔

یہ حضرت داؤدؑ کی وہ تصویر ہے جو یہود کی کتب مقدسہ میں کھینچی گئی ہے ان کے نزدیک ایک زانی' اوباش' غنڈہ' باغی' چور' لٹیرا اور غاصب ہونا کوئی جرم نہیں ـــــ یہود انہیں اولوالعزم پیمبر اور صاحب زبور بھی تسلیم کرتے ہیں اور انہی کی نسل سے مسیح موعود کے منتظر بھی ہیں۔ حالانکہ شرافت اور انسانی اقدار تو رہیں ایک طرف خود شریعت موسوی کے اعتبار سے یہ گناہ 'گناہ کبیرہ ہیں۔

حیرت ہے کہ یہود کی غیرت اس جلیل القدر صاحب کتاب پیغمبر کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے جوش میں نہیں آتی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے ان قصوں کے بیان کرنے پر سزا مقرر فرمائی اور حکم دیا کہ جو شخص تم سے حضرت داؤدؑ کا قصہ اس طور پر بیان کرے گا' جس طرح قصہ گو بیان کرتے ہیں تو اس کو ایک سو ساٹھ درے ماروں گا، یہ سزا ہے انبیاء پر بہتان لگانے کی۔ (راوی اس کے حضرت سعید بن المسیبؒ ہیں)۔

اللہ کے اس برگزیدہ نبی پر بہتانوں کی فہرست وہی نہیں جو ان کے اوائل حیات پر عائد کئے گئے، توریت میں ان کی سات بیویاں' اور دس حرمین کا ذکر ہے ان کے کردار میں ڈرامائی تضاد ظاہر کرنے کے لئے کبھی اپنے بدترین دشمنوں کو شان بے نیازی سے معاف فرما دیتے ہیں اور کبھی بڈھے ضعیف شمعی کو قتل کرنے کے لئے حضرت سلیمانؑ کو مامور فرماتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ اس کے سر کو سفید بالوں سے گھسیٹ کر قبر میں پھینک دو کہ اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے کم و بیش پچاس برس قبل اپنی زبان سے حضرت داؤدؑ کی شان میں کلمۂ گستاخی ادا کیا تھا۔ کبھی ناثان (Nathan) کے طعن و تشنیع کو خندہ پیشانی سے پی

جاتے ہیں اور اپنے دشمن ساؤل کو زمین پر چت گرانے کے بعد اس کی جان لینے کی بجائے محض اس کی ڈھال لینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ کبھی اتنے "بزدل" اور "کمزور" نظر آتے ہیں کہ جب ان کا حرامی بیٹا "ابسلام" بغاوت کرنے کے بعد فوج کشی کرتا ہے اور شکست کھا کر مارا جاتا ہے تو آپ عورتوں کی طرح بین کرتے ہیں۔ ہائے میرے بیٹے ابسلام 'میرے بیٹے۔ میرے بیٹے۔ میرے بیٹے۔ "

بنی اسرائیل انہی روایات سے اپنے عظیم نبی کو یاد کرتے آئے ہیں کہ یہی ان کی فطرت کا خاصہ ہے' لیکن ہم آئندہ چل کر ان روایات کی صحت پر تبصرہ کریں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی' جن کی دانش کا ڈنکہ چار وانگ عالم میں بجا اور جن کی عقل مندی ضرب المثل ہے' بنی اسرائیل کے ہاتھوں نہیں بچے۔ ان کے بارے میں یہود کی روایت ہے کہ تخت سنبھالتے ہی انہوں نے اپنے مخالفین کو قتل کر دیا۔ تاہم ان کے اس فعل پر یہوواہ ناراض ہونے کے بجائے اتنا خوش ہوا کہ اس نے انہیں تمام بنی نوع انسان سے زیادہ دانائی عطا کرنے کا وعدہ کیا۔ اس میں کلام نہیں کہ ان سے وہ اتحاد بھی منسوب ہے جو یہودی قوم کو تاریخ میں ایک ہی مرتبہ نصیب ہوا' اور وہ عدل وانصاف بھی' جس کی رو سے ملک میں امن وامان اور صنعت و حرفت کا دور دورہ ہوا۔ یروشلم جسے حضرت داوٗد نے دارالحکومت بنایا تھا' ان کے عہد میں دولت کا خزانہ بن گیا۔ آپ نے اسے یورپ کے ساتھ تجارت کی سب سے بڑی منڈی بنا دیا۔ آپ نے فینسی تاجروں کو مالِ تجارت لے کر فلسطین سے گزرنے پر راضی کیا اور آس پاس کے ملکوں سے زراعت و صنعت کے تبادلے پر دستخط کئے۔ آپ نے بحیرۂ احمر پر کشتیوں کا بیڑا بنا کر یہود کو جہاز ران قوم بنا دیا' اور یوں مشرقِ وسطیٰ کے ممالک عکہ کی بندرگاہ سے جسے بعد میں رومیوں نے بطومی (Patlomi s ·) کا نام دیا' مصر، عرب اور افریقہ سے تجارت کرنے لگے چنانچہ آپ کے عہدِ حکومت میں اسرائیل کی ریاست متمدن دنیا میں باوقار جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اور بنی اسرائیل تہذیب و شرافت کے دائرے میں آ گئے لیکن جہاں حضرت سلیمانؑ کی عقل و دانش اور شاہانہ عظمت کو تورات خراجِ عقیدت پیش کیا ہے' وہاں ان کی ذات کو ملوث کرنے میں کسی دریغ سے کام نہ لیا "عیاش" اور "نفس پرست" بادشاہ کی حیثیت سے آپ کا مقابلہ دنیا کے کسی "بدترین حکمران" سے بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تلمود میں آپ کی بیویوں کی تعداد سات سو بیان کی گئی ہے اور اسی پر بس نہیں' سات سو بیویوں پر تین سو لونڈیاں بھی مستزاد ہیں۔ اس کے علاوہ آپ پر یہ بھی "الزام" ہے کہ ریاست کا سارا خزانہ حکومت کے استحکام اور یروشلم کے حسن پر نچھاور کر دیا۔ آپ نے شہر پناہ کو بھاری بھرکم پتھروں سے تعمیر کرایا' قلعے بنوائے' ریاست کے اہم مقامات پر فوجی چوکیاں قائم کیں' آپ نے اپنی ریاست کو بارہ ضلعوں میں تقسیم کر کے نظم ونسق کو مرتب فرمایا۔ شاہی خزانے کو پر کرنے کے لئے آپ نے مختلف دھاتوں کی کانیں دریافت کیں اور اپنی "حسن پرستی" کو "تسکین" دینے کے لئے مور اور ہاتھی دانت بر آمد کرائے۔ آپ نے اپنی ریاست سے گزرنے والے قافلوں پر جزیہ عائد کیا۔ لوگوں پر محصول لگائے' اپنی ریاست کے گھوڑوں' رتھوں اور سوتی دھاگے کی بر آمد کے لئے مخصوص کرایا اور بالا خرطے کیا کہ یروشلم میں "یہواہ"

کاعالی شان اور عظیم معبد تیار کیا جائے گا۔

ہم دیکھ آئے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل کے بارہ قبائل نے شلوہ کے مقام پر ایک مختصر سی چار دیواری کو یہواہ کا گھر ٹھہرایا تھا۔ چار سو برس میں ان کے باہمی جھگڑوں اور انتشار کے علاوہ لاقانونیت اور شرک و شر نے انہیں اس کی مہلت نہ دی کہ کسی باقاعدہ معبد کی تعمیر کی جاتی۔ بالعموم چھوٹے موٹے معبدوں کے ساتھ ایک مختصر سا ٹیلہ یہواہ کے لئے بھی وقف کر دیا جاتا' جس پر اتنا احسان ضرور کیا گیا کہ اس کو کسی بت سے مزّین نہیں کیا اور نہ ہی یہواہ کے شایان شان معبد بنانے کا فیصلہ کیا' جس کے لئے خزانۂ عامرہ سے سونا' چاندی' پیتل' لوہا' لکڑی اور قیمتی پتھر عطا کئے گئے اور لوگوں سے چندہ دینے کی اپیل کی گئی۔ معبد کے لئے ایک پہاڑی مقام کا انتخاب ہوا۔ اس کا نقشہ فینی وضع پر تھا۔ جسے مصری صناعوں اور کاریگروں کی بہترین عمارتوں سے مستعار لیا گیا تھا اور اس میں منبت کاری مرصع کام کے لئے اسیریا اور بابل کے نمونوں کو سامنے رکھا گیا۔ بنی اسرائیل جو ریاست کے مختلف حصوں سے اس کی شان و شوکت دیکھنے کو آتے تو اسے عجائبات عالم میں شمار کرتے۔ معبد کا دروازہ ایک سو اسی فٹ بلند تھا' جس پر سونے کے پترے جڑے گئے تھے۔ دیواریں چٹانوں کو کاٹ کاٹ کر بنائی گئی تھیں اور اتنے بڑے اور یکساں پتھروں سے تعمیر کی گئی تھیں کہ انسانی معماران کے تراش و تعمیر کی استاعت سے عاجز ہیں۔ چنانچہ اس کمال کے لئے جنات سے کام لیا گیا کہ حضرت سلیمانؑ کی حکومت جنات' پرندوں حتیٰ کہ ہوا پر بھی تھی لیکن بنی اسرائیل اس کے باوجود ان کے معتقد نہ ہوئے ان کو تورات میں ایسی تمام کمزوریوں اور بداعمالیوں کا حامل ٹھہرایا گیا جو دنیا کے کسی بھی "نفس پرست" اور "خود غرض آمر" سے منسوب ہو سکتی ہیں۔ اسی ہیکل سلیمانؑ میں انہیں دوسرے بتوں کے پجاری کی حیثیت سے بھی پیش کیا گیا ہے۔ یعنی اس ہیکل کے بارے میں یہ بھی حضرت سلیمانؑ ہی سے منسوب ہے کہ انہوں نے "عستارات" اور "حلاک" کے بت رکھوائے اور ان کی پرستش کو جائز ٹھہرایا۔ حالانکہ حضرت سلیمانؑ کے وہ الفاظ بھی تورات میں موجود ہیں جو آپ نے ہیکل کا افتتاح کرتے ہوئے ادا کئے۔ آپ نے فرمایا تھا

"یہواہ کی بادشاہت آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور وہی خداوند خدا ہے' اس کے علاوہ کوئی نہیں۔"

قرآن حکیم اس کی تائید میں فرماتا ہے۔

"اور پیروی کی اس علم کی جو سلیمانؑ کی سلطنت کلام مجید کی شہادت میں شیاطین پڑھتے تھے اور سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا' لیکن شیاطین نے کفر کیا۔"

(البقرۃ)

تاہم تلمود کے بیان نے سیرت سلیمانؑ کو فسانۂ عجائب بنا کر رکھ دیا ہے اس کی رو سے سلیمانؑ "تنگ نظر"، "صاحب جاہ و جلال"، "عیاش"، "حریص"، "قاتل"، "بت پرست" اور

"بات بات پر بگڑنے والا" مختصر یہ کہ جس پیڑ کے سائے میں بیٹھے 'اسی کو کاٹا ۔ یروشلم کے لوگوں پر ان کی "عنایات" دوسرے صوبے کے عوام کی نسبت کہیں زیادہ تھیں اور پھر انہیں اپنے شہر کے عظیم معمار پر "ناز" بھی تو تھا جس نے اتنے گرانڈیل پتھروں سے ہیکل بنوایا اور اپنے لئے ہاتھی اور صندل کے محلات بنوائے جن میں بڑے بڑے ہال کمرے تھے اور اپنی خاص خاص بیگمات کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرے تھے اور جن کے فرش ایسے بلور سے بنائے گئے تھے کہ دیکھنے والے انہیں پانی کے حوض جانتے لیکن بارہ میں سے گیارہ صوبے ان کی "عیاشی" اور "فضول خرچی" سے نالاں تھے کہ ریاست کی تعمیر و استحکام کا "بار" زیادہ تر انہیں کی گردنوں پر تھا۔ بالاخر جب حضرت سلیمانؑ نے "یہودا" کے قبیلے کو دوسرے قبیلوں پر فوقیت دے کر اس مساوات کو ختم کر دیا' جو اب تک ان قبیلوں کی سلامتی کی ضامن تھی تو بغاوت کی آگ بھڑکنے لگی۔ "افرائیم" قبیلہ جو مذہبی عبادات کے سلسلے میں معزز سمجھا جاتا تھا اس آگ کو ہوا دینے لگا۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ کے وصال کے ساتھ ہی ریاست ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ دمشق نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا عربوں نے بحیرۂ احمر کا راستہ کاٹ ڈالا' مصر کے فرعون نے فوج بھیج کر ہیکل سلیمانؑ کو لوٹنے کا حکم دے دیا۔ بارہ میں سے دس قبائل اس کے مطیع ہو گئے اور یوں ریاست پھر دو حصوں میں بٹ گئی۔ شمال میں دس قبیلوں کی ریاست اسرائیل اور جنوبی پہاڑوں میں یہودا اور بن یامین کے دو قبیلوں کی ریاست یہودیہ' شمالی ریاست اسرائیل اسارہ اور جلیل تک پھیلی ہوئی تھی اس کا دارالحکومت سماریہ تھا اور معبد عززیم میں قائم ہوا۔ یہودیہ نے مذہبی اقتدار پھر لادی قبیلے کو سونپا۔ ہیکل سلیمانؑ کی عبادات ان کے ذمے کی اور اپنے عوام کو یہود کا نام دیا۔ یروشلم ہی ان کا صدر مقام رہا ظاہر ہے کہ اس کے بعد دونوں میں خانہ جنگی چھڑ گئی اور ان کی حیثیت گرتے گرتے' قابلِ رحم ہو گئی۔ اس اثنا میں مصر کا اقتدار ختم ہوا اور شام کو مشرقِ وسطیٰ کی قیادت حاصل ہو گئی۔ اسرائیل اور یہود دونوں نے اس کا باجگزار ہونا قبول کر لیا اور نینوا کو خراج ادا کرنا شروع کیا' لیکن یہ صورتحال بھی زیادہ دیر قائم نہ رہی۔ دونوں نے بغاوت کی' شامی حکمران سیناشیرٹ ______________ نے اسرائیل پر چڑھائی کی۔ دس قبیلوں کو زیر کیا' غلام بنایا اور ملک بدر کر دیا۔ یہودیہ پہاڑی علاقے میں ہونے کی وجہ سے محفوظ رہا۔ یہود بڑی بے جگری سے لڑے لیکن جب دشمن یروشلم کے دروازے پر آن پہنچا تو "خداوند خدا" "اسرائیل کے فادر" نے اس کی فوجوں میں وبا پھیلا دی اور وہ بھاگ نکلیں اس طرح یہودیہ ہی نہیں' مصر بھی شامی حملہ آوروں کی دستبرد سے محفوظ رہا کہ شامیوں کی اگلی منزل وادیٔ نیل تھی۔ کمال یہ ہے کہ یہود اور مصری دونوں اپنی گلو خلاصی کے لئے اپنے اپنے خداؤں کے احسان مند ہیں۔ دونوں اس معجزے کے لئے اپنے دیوی دیوتاؤں کی بارگاہوں میں جھک گئے۔

پیدائش عیسیٰ تک

نینوا کی تباہی سے فرات کے کنارے پر مدائن کے Medes باجگزار اور خود مختار حکمران کی حیثیت سے ابھرے اور مغرب میں اہل بابل شامیوں کے جانشین بن گئے۔ مصر کو پر لگ گئے اور وہ بابل پر حملہ آوار ہوئے لیکن یہود اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور انھوں نے مصری عروج کے باوجود بابل کا ساتھ دیا اور جب بابلیوں نے مصری فوج کو کارچمیش کے مقام پر شکست دی تو یہودیوں نے شکست خوردہ مصریوں سے سازباز شروع کر دی۔ بخت نصر شاہ بابل نے بار بار انھیں تنبیہ کی لیکن وہ کب ماننے والے تھے آخر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور اس نے یروشلم پر دھاوا بول کر اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ کچھ یہودی مصر میں پناہ گزین ہو گئے لیکن اکثر و بیشتر غلام بنا کر بابل کے بازاروں میں فروخت کئے گئے ان کے کاہن ان کے ساتھ گئے یہودیہ میں گنتی کے کاشتکار رہ گئے جو سر اٹھانے کے قابل نہ تھے۔ بابل میں یہودی سازشیں کامیاب ہوئیں اور انہوں نے بہت جلد ریاست میں اپنا مقام بنا لیا وہ بخت نصر کی نگاہوں میں مقبول ہوئے جو بے حد جابر اور مدبر حکمران تھا تورات میں اس کا جواز ملاحظہ کیجئے

"اور پھر بادشاہ نے دانیال کو بڑی حیثیت دی اور اسے بے شمار تحفے بخشے اور اسے بابل کے تمام صوبے کی حکومت عطا کی اور بابل کے تمام داناؤں کا سردار مقرر کیا۔"

دانیال ـــــ اس اعزاز پر بخت نصر کو یروشلم تباہ کرنے کے صلے میں یہوا کی لعنت کی بشارت دیتے ہیں۔ ان کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

"بادشاہ بولا، اور اس نے کہا۔ کیا یہ بابل عظیم نہیں، جسے میں نے اپنی بادشاہت کے گھرانے کے

لئے بنایا ہے اور جسے میں نے اپنی شان و شوکت کے لئے اور اپنی عظمت کے لئے عزت بخشی ہے۔ "
ابھی یہ لفظ بادشاہ کی زبان پر تھے کہ آسمان سے ایک آواز آئی اور سب نے اسے سنا اور اس نے کہا:
"اے بادشاہ بخت نصر! ہم تجھ سے خطاب کر رہے ہیں۔ تجھ سے بادشاہت چھین لی گئی۔ "
"اور تجھے انسانوں سے بھگا دیا جائے گا اور تیرا ٹھکانہ میدانوں کے درندوں کے ساتھ ہو گا اور وہ تجھے بیلوں کی طرح گھاس کھانے پر مجبور کریں گے اور یوں سات مرتبہ ہو گا اور تجھے معلوم ہو جائے گا کہ انسانوں کی بادشاہت پر بزرگ و برتر کی حکومت ہے اور وہ جسے چاہتا عطا کر دیتا ہے۔ " اور بخت نصر نے دیکھا کہ یہ پیش گوئی اسی گھر میں پوری ہوئی اور وہ انسانوں سے دور کر دیا گیا اور بیلوں کی طرح کھانے پر مجبور ہوا اور اس کا جسم آسمانی شبنم سے تر ہوا یہاں تک کہ اس کے بال عقاب کے بالوں کی طرح بکھر گئے اور اس کے ناخن پرندوں کے پنجوں کی طرح بڑھ گئے۔ "

(دانیال)

"اور پھر ایک ہاتھ بر آمد ہوا جس نے بادشاہ کے سامنے دیوار پر لکھا۔ تجھے میزان میں تولا گیا اور تو خاسر نکلا۔ "

(دانیال)

یہ معجزہ بڑا عبرت انگیز اور دلدوز ہے اسے جن الفاظ میں پیش کیا گیا ہے وہ بھی نہایت موثر اور ادب کے اعتبار سے شاہکارانہ ہیں لیکن تاریخی اعتبار سے حقیقت سے اتنے ہی دور بھی لیکن ہم چونکہ فی الحال تاریخ کو یہود کی عینک سے دیکھ رہے ہیں اور انہی کے صحائف کی روشنی میں آگے بڑھ رہے ہیں اس لئے سرسری طور پر اس پر اتنا ہی اضافہ کیا جاسکتا ہے صحیفۂ دانیال ۱۶۵ ق۔ م میں لکھا گیا اور یہودی ذہن نے بخت نصر کو ناول کے کردار کی طرح جیسا چاہا توڑا موڑا اور مٹا دیا لیکن بابل کی تاریخ شاہد ہے کہ بخت نصر ۵۶۱ ق۔ م میں اپنی طبعی موت مرا اور اس کے خاندان کا خاتمہ اس کی موت کے ۶ برس بعد ظہور میں آیا۔

بابل میں بنی اسرائیل پر جو بیتی اس کا نقشہ ان کا ایک شاعر ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔
"دریائے بابل کے کنارے پر ہم بیٹھ گئے ہاں اور ہم روئے' جب ہم صیہون کو یاد کرتے تھے۔
ہم نے اپنے ساز کنار دریا اگے ہوئے سرکنڈوں پر لٹکا دیئے۔
کہ وہاں' وہ جو ہمیں غلام بنا کر لے گئے تھے ہم سے گیتوں کی فرمائش کرتے تھے۔
اور وہ جو ہمیں مٹا رہے تھے ہم سے قہقہے مانگتے تھے ہمارے لئے صیہون کے گیت گاؤ' ہم ایک اجنبی دیس میں اپنے رب کا گیت کیسے گائیں۔
اگر میں تجھے بھول جاؤں۔ اے یروشلم! تو میرا دایاں ہاتھ اپنی عیاری بھول جائے اگر میں تجھے یاد نہ کروں تو میری زبان میرے تالوہی سے چپک کر رہ جائے ہاں اگر میں یروشلم کو اپنی ساری خوشیوں پر فوقیت

نہ دوں۔ "

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ قوم اپنی عیاری پر کس قدر تفخر کرتی ہے اور اسے اپنے لئے کس حد تک باعثِ ناز گردانتی ہے۔

دانیال نبی کے برعکس یرمیاہ نبی سے یہواہ نے اسی بخت نصر کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ بھی اسی تورات کے صفحات میں محفوظ ہے جس سے خیال گزرتا ہے کہ یرمیاہ نبی شاید بخت نصر کی سازش میں شریک تھا۔

..........اور اب میں نے تمام زمینیں بابل کے بادشاہ بخت نصر کے حوالے کر دی ہیں کہ وہ میرا خادم ہے اور میں نے میدانوں کے جانور بھی اس کے سپرد کر دیئے ہیں کہ اس کی اطاعت کریں۔ "

"اور تمام قومیں اس کی اطاعت کریں گی اور اس کے بیٹے کی اطاعت کریں گی اور اس کے بیٹوں کی۔ یہاں تک کہ اس کے ملک کا خاتمہ ہو جائے اور پھر بہت سی قومیں اور بڑے بڑے بادشاہ خود کو اس کے حوالے کر دیں گے۔ "

اور پھر یوں ہو گا کہ وہ قومیں اور بادشاہتیں جو اسی بخت نصر شاہِ بابل کی اطاعت سے انحراف کریں گی اور بابل کے بادشاہ کی غلامی کا جوا اپنی گردن میں پہنیں گی تو ان قوموں کو میں سزا دوں گا خداوند خدا کہتا ہے میں انہیں تلوار سے کاٹ دوں گا اور قحط سے تباہ کر دوں گا اور وباؤں سے پامال کر دوں گا یہاں تک کہ میں انہیں اس کے حوالے کر دوں۔ "

"پس نہ سنو اپنے نبیوں کی باتوں کو' نہ پیش گوئی کرنے والوں کی باتوں کو' نہ مجوسیوں' نہ ساحروں اور نہ کاہنوں کی باتوں کو' جو تم سے کہتے ہیں کہ تم بابل کے بادشاہ کی غلطی قبول نہیں کرو گے۔ "

"وہ تم سے جھوٹ کی پیش گوئی کرتے ہیں تاکہ تم اپنے وطن سے نکال دیئے جاؤ اور کہ میں تمہیں جلاوطن کر دوں گا اور تم مٹ جاؤ گے۔ "

"اور وہ قومیں جو شاہ بابل کا جوا اپنی گردن میں ڈالیں گی اور اس کی خدمت کریں گی تو میں انہیں اپنی ہی زمینوں پر بسنے دوں گا۔ کہتا ہے خداوند خدا اور وہ اپنی زمین کو کاشت کریں گے اور اس میں آباد ہوں گے۔ "

یرمیاہ نبی جہاں بخت نصر کو تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں وہاں اپنے یہودیوں کی حالتِ زار پر آٹھ آٹھ آنسو بھی روتے ہیں۔

"لعنت ہے مجھ پر میری ماں! کہ تو نے مجھے جنا اور مجھے ان جھگڑوں میں مبتلا کر دیا کہ میں ساری دنیا سے جنگ مول لئے بیٹھا ہوں میں نے کسی کو سود پر قرض نہیں دیا' نہ کسی نے مجھے سود پر قرض دیا لیکن ان میں سے ہر ایک مجھ پر لعنت بھیجتا ہے۔ لعنت ہے اس دن پر جس دن میں پیدا ہوا۔ "

وہ یہود کی حالت زار دیکھتے ہیں لیکن ان سے دیکھا نہیں جاتا۔ ان کی عورتیں بیواؤں سے بدتر تھیں' وہ خود کسی انصاف' اصول اور قانون کے پابند نہ تھے' یرمیاہ شہر کے دروازے پر کھڑے ہو کر پکارتے۔

"لوگو آؤ۔ یہواہ کے حضور اپنے گناہوں کا اقرار کرو اور توبہ کرو اپنی بد اعمالیوں سے' کہ تمہیں بخش دیا جائے" لیکن لوگ ان پر آوازے کستے اور قہقہے لگاتے۔

اور یہود کا خداوند خدا' تورات میں اسی طرح بخت نصر کی غلامی کی تبلیغ کرتا ہے اور بتوں کے پجاری بخت نصر کو اپنا خادم بتاتا ہے۔ آج تاریخ اس حقیقت کو بے نقاب کر چکی ہے کہ بقول دانیال نبی' دست غیب نے بخت نصر کی تباہی کو نوشتۂ دیوار بنا دیا تھا اور بقول یرمیاہ نبی' تمام اقوام عالم کو بخت نصر کی غلامی کا جوا پہننے کا حکم دے دیا گیا' اس وقت یہود اہلِ ایران سے بابل پر حملہ کرنے کے لئے ساز باز کر رہے تھے۔ بخت نصر نے ہیکل سلیمانی کو جس طرح مسمار کیا' اس کا کمال یہ ہے کہ ۱۵ مربع فٹ کے وہ پتھر جس سے ہیکل تعمیر ہوا تھا سرے سے ناپید ہو گئے اور گزشتہ دو ہزار برس کی تاریخ ان کے وجود ہی کو نا پا سکی۔ اس تباہی کے بعد یہود اپنے سلاطین کے عہدِ زرین کو یاد کر کر کے رویا کرتے تھے۔

الغرض' بابل میں مطیع بادشاہوں کو عزت و آبرو کے ساتھ رکھا گیا۔ جن میں اسرائیل کا یہولچن بھی تھا۔ ان کا روزینہ بھی مقرر تھا اور انہیں تخت نشینی کا حق بھی حاصل تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہود نے ہوتے ہوتے غلامانہ بے بسی سے نکل کر کاروبار اور دوسری مصروفیتوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے دس قبائل جو اب تک اسرائیل کی ریاست بنائے بیٹھے تھے۔ اپنے دین سے دستبردار ہو گئے ان میں کاہنوں کا کوئی ایسا مستقل سلسلہ نہ تھا جو ان کے مذہبی اعتقادات کو سنبھالتا اور انہیں اپنے اب وجد کے راستے پر لگائے رکھتا۔ حضرت موسیٰؑ کے "دس احکامات" اور تورات کی آسمانی تختیاں جو انہیں طور سے ملی تھیں۔ ہیکل سلیمانی کی تباہی کی نذر ہو گئیں۔ اس لئے وہ منتشر ہونے لگے اور دوسری قوموں میں مدغم ہو کر چاروں طرف اس طرح پھیل گئے کہ تاریخ آج تک ان کا تعاقب نہیں کر سکی۔ تاہم سود خورانہ ذہنیت' عصمت فروشی' مادہ پرستی اور تنگ نظری کے حوالے سے ایشیا میں دجلہ و فرات کے درمیان' عرب' کوہ قاف کے نواح میں بالخصوص اور ہندوستان' افغانستان' جاپان' روسی ترکستان اور کشمیر میں بالعموم ان کے نقوشِ قدم نظر آتے ہیں بلکہ جہاں جہاں انسان دشمنی کے عناصر پروان چڑھتے نظر آتے ہیں وہیں اسرائیلی گم شدگان کے وجود کے ناپاک سائے گم نام گوشوں سے ابھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان اسرائیلی قبائل نے دوسرے مذاہب اور قوموں کے شعور اور لاشعور پر جو تھگلی لگائی' اس کا محاسبہ کرنا اہل نفسیات کا کام ہے لیکن افسوس علم النفسیات خود بھی اس یہودی کے سامنے دو زانو ہے جسے فرائیڈ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ بنی اسرائیل کے یہ دس قبائل یہواہ کی پرستش سے آزاد ہو گئے اور دوسروں میں گڈمڈ ہو کر اپنی فطری عصبیت کا زہر بلا روک ٹوک پھیلانے لگے۔

یروشلم کی تباہی پر جو نوحے حضرت یرمیاہ نے لکھے وہ خود تورات کے بہترین ادب سے بھی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

"کتنا سنسان اور خاموش ہے یہ شہر
جو کل تک ہر طرح کے لوگوں سے آباد تھا۔

آہ! جیسے یہ بستی بیوہ ہو گئی ہو!
یہ 'جو دنیا کی قوموں میں سربلند تھی اور صدیوں کی شہزادی تھی'
کیسے باجگزار بن گئی۔ ؟
اے پاس سے گزرنے والو! کیا تمہارے دل نہیں دکھتے۔ ؟
دیکھو'
کیا کوئی دکھ ایسا بھی ہے جیسا میرا دکھ ہے۔
اے رب! تو سچا ہے' میں تجھ سے کیا التجا کروں۔
لیکن۔ آ
میں تجھ سے تیرے انصاف کی بات کروں۔
کیوں' آخر کیوں!
بدکردار لوگوں کو خوشحالی نصیب ہوتی ہے۔
کیوں' آخر کیوں'
وہ لوگ خوش ہیں جو عیّاری سے کام لیتے ہیں

بہرکیف بابل کی تباہی کے بعد ایران برسراقتدار آیا اور کیخسرو کا تسلّط قائم ہو گیا تو یہواہ کو پھر اپنے یہود کے نام ایک نیا حکم جاری کرنا پڑا اور یہ نیا حکمران اس کی تمام تر نوازشات کا مرکز ٹھہرا۔

"اور وہ کیخسرو کے بارے میں کہتا ہے' وہ میرا گڈریا ہے اور میری چاہ کے مطابق عمل کرے گا۔ یروشلم سے کہے گا: تجھ کو تعمیر کیا جائے گا اور ہیکل سے: کہ تیری بنیادیں رکھی جائیں گی اور خداوند یوں فرماتا ہے اپنے پاک کردہ سے' اپنے کیخسرو سے' جس کے دائیں ہاتھ کو اس نے تھام لیا ہے کہ اپنے سامنے کی تمام قوموں کو مطیع کرے اور میں بادشاہوں کے زرّیں کمر اُس کے لئے ڈھیلے کروں گا اور ان کے دوورتے پھاٹک کھول دوں گا اور یہ پھاٹک پھر نہ بند ہو سکیں گے۔ میں تیرے آگے آگے چلوں گا اور ٹیڑھی جگہوں کو سیدھا کر۔ میں پیتل کے پھاٹک توڑ دوں گا اور لوہے کی سلاخیں کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا اور میں تجھے اندھیرے کے خزانے دوں گا اور خفیہ جگہوں کے چھپے ہوئے خزانے دوں گا' تاکہ تو جان لے کہ میں خداوند خدا ہوں' جو تجھے تیرے نام سے پکارتا ہوں۔ اسرائیل کا خداوند خدا۔

(عیسیاہ ۴۵)

اسرائیل کے خداوند خدا نے بخت نصر کو ڈرا کر اور کیخسرو کو لالچ اور رشوت دے کر یہود کی مشکل آسان کرائی۔ تاریخی حقائق نے تورات کے ان بیانات پر جو روشنی ڈالی ہے اسے ہم آگے چل کر دیکھیں گے' تاہم یہاں ملاحظہ فرمایئے کہ یہواہ یہود کی ذہنیت اور فطرت کی عکاسی کس حسنِ اظہار سے کرتا ہے' کیا تاریخِ مذہب میں کوئی خدا' اپنی کسی چہیتی قوم کے استخلاص کے لئے یہ انداز اختیار کر سکتا ہے! کہا جاتا

ہے کہ عوام کا دین اپنے بادشاہوں کے دین پر قائم ہوتا ہے یعنی جیسے بادشاہ ویسے عوام۔ اس کے برعکس یہاں جیسے "یہود ویساان کا خدا۔"

مصر' بابل' اسیریا اور ایران کے جدید ترین اثرات اور داؤد و سلیمانؑ کی عظمتِ رفتہ کی روایات نے یہود کو ایک نیا شعور عطا کیا اب ان کے وہ حریف بھی' جو اسرائیل کی ریاست میں ان کے لئے درد سری کی حیثیت رکھتے تھے اقوامِ عالم میں منتشر ہو چکے تھے۔ چنانچہ ارضِ موعود میں اب صرف دو قبیلے بنی یہود اور بنی بنیامین رہ گئے۔ جنہیں تاریخ بنی اسرائیل کے بجائے یہود کے نام سے یاد کرتی ہے۔ بابل اور ایران کی تہذیبوں نے یہود کو اس شرک سے بھی پاک کر دیا جو انہیں اپنے بنیادی تصور سے آویزش پر مجبور کرتا تھا اب یہواہ اپنے خالص روپ میں نظر آنے لگے۔ چنانچہ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یہود تقریباً چھ سو سال قبل مسیح میں پھر توحید پرست ہو گئے اور اس یہوواہ کو ماننے لگے جو جابر و قہار تھا' رب العالمین تھا لیکن جس نے "برگزیدہ الٰہی" یا ابناء اللہ" کی حیثیت سے انہیں منتخب کر رکھا تھا۔ چنانچہ ان تصورات نے یہود کی قومیت کو برقرار رکھا۔

حضرت سلیمانؑ کے وصال سے لے کر کیخسرو کے دور تک یہود نے جو ہولناک مصائب دیکھے' ان کی بدولت ان کے فکر و نظر میں بھی تبدیلیاں آئیں اب وہ کنوئیں کے مینڈک نہ رہے تھے۔ وہ بابل اسیریا اور ایران کی تہذیبوں کا مطالعہ کر چکے تھے اور غلامی در غلامی کی صعوبتوں نے انہیں قدر و عافیت بھی عطا کر دی تھی۔ چنانچہ کیخسرو نے بابل فتح کر کے تاراج کیا تو اس نے یہود کو نہ صرف ہیکل سلیمانی کے وہ تحائف واپس کر دیئے جو بخت نصر لوٹ کر اپنے ساتھ لے گیا تھا بلکہ انہیں یہودیہ میں دوبارہ آباد ہونے کی اجازت بھی دے دی۔ یہواہ نے اس کے لئے جو پیش گوئیاں کر رکھی تھیں' ان سے ان کے دل میں یہود کے لئے مروّت و خوشنودی کا جذبہ ابھرا پھر کیخسرو نے مصر پر بھی دانت گاڑ رکھے تھے چنانچہ مصلحت اسی میں تھی کہ ایران اور مصر کے درمیان ایک ایسی قوم آباد کی جائے جس پر اعتماد کرنا ممکن ہو۔ بہرنوع کیخسرو نے یہود کو بابل سے نکال کر اپنی ریاست میں واپسی کا حکم دے دیا' لیکن اس سے پوری یہودی قوم مستفید نہ ہوئی' وہ تاجر اور ملازمین جو بابل میں خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے یہودیہ لوٹنے پر آمادہ نہ ہوئے اور اس طور تخمِ یہود کو ایک اور زمین مل گئی جہاں سے بارآور ہو کر سارے یورپ میں پھیل گیا' لیکن یروشلم کی محبت ان کے سینے میں دل بن کر دھڑکتی رہی اور ان کے کانوں میں ایک ہی ترانہ گونجتا رہا۔

اے یروشلم! اگر میں تجھے بھول جاؤں تو میری آنکھیں دیکھنے سے محروم ہو جائیں۔
تو میرا دایاں ہاتھ اپنی عیّاری کھو بیٹھے۔

اب ارضِ مقدّس ان کے لئے وطن کی سرزمین نہ تھی' ان کے خوابوں کی جنّت تھی۔ یروشلم کی تمنا' شہد کی مکھیوں کے سینے میں بہار کی آرزو کی مانند ان کے دل میں دھڑکتی رہی اور انہیں اقوامِ عالم کے سیلاب سے سفینۂ نوح کی طرح بچا کر لے آئی۔ یہودیہ کو لوٹنے والے یا تو کاہن اور دوسرے مذہبی جنونی

تھے' یا ایسے تھے جنہیں بابل کی سرزمین قبول نہ کر سکی اور وہ ایران کی وفاداری کے ساتھ ساتھ یہودیہ میں قیام پذیر ہو چکے تھے۔ علاوہ ازیں انہیں ایرانی خدا اہرمن میں یہواہ دکھائی دیتا تھا۔ انہوں نے ژنداوستھا کی تعلیم حاصل کر کے اپنے مذہب کو مرتب کرنا شروع کیا اور کیخسرو کو اس ترتیب میں خدا کا نائب قرار دیا۔

کیخسرو نے ان کے لئے جس ہمدردی اور رحم دلی کا مظاہرہ کیا تھا' اس نے ان کے خیالوں میں بھی انقلاب برپا کیا۔ اب اُن کے دلوں میں ایک ہی آرزو تھی کہ خداوند خدا' حضرت داؤدؑ کی اولاد میں کوئی ایسا بادشاہ پیدا کر دے' جو ان کا "مسیحا" ہو اور جو سابقہ جاہ و جلال اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو پھر ایک مرکز پر جمع کر دے۔ اس کی بشارت دانیالؑ نبی سے انہیں مل چکی تھی۔ بابل کا عذاب بھی وہ اسی امید پر پھاند آئے تھے۔ چنانچہ اس دور سے ان کے عقائد میں مسیح کا تصور داخل ہو گیا' جو باقی اقوام عالم کے لئے جلالِ یہواہ کا مظہر بھی ہو اور ان کی جمعیت کا باعث بھی۔ اس زمانے میں حضرت عزکائیل نبی نے یہواہ کی بندگی کا حق ادا کیا اور یہود کو خدائے ابراہیمؑ و یعقوبؑ کے حضور لا کھڑا کیا۔ آپ نے اس خدا کی آمد کی پیش گوئی کی جو ان کا نجات دہندہ ہو گیا۔

"سنو' اس کی آواز جو صحرا میں گونج رہی ہے۔ اپنے خداوند کا راستہ ہموار کرو۔ صحرا میں خداوند خدا کے لئے شاہراہ بناؤ۔ ہر وادی کو عزت دی جائے گی اور ہر پہاڑ اور پہاڑی کو پست کیا جائے گا۔ ہر ٹیڑھے کو سیدھا کیا جائے' اور ناہموار کو ہموار کیا جائے گا۔ دیکھو! کہ خداوند خدا بڑی طاقت کے ساتھ آئے گا' اس کا بازو اس کے لئے حکمران ہو گا۔ وہ اپنے گلّے کو چرواہے کی طرح پالے گا اور میمنوں کو دونوں ہاتھوں سے اکٹھا کر لے گا اور سینے سے لگا کر لے جائے گا اور وہ جو ابھی کم عمر ہیں۔ ان کی دست گیری کرے گا"

عزکائیلؑ کی پیشگوئیوں میں کیخسرو کے اقتدار اور یروشلم کی بحالی کی بشارتیں بھی شامل تھیں۔ انہوں نے خبر دی تھی کہ یہود واپس آئیں گے اور ہیکل کو دوبارہ تعمیر کریں گے' نیا شہر بسائیں گے۔ ایک نئی جنت ارضی جس میں بھیڑیا اور بھیڑ کا بچہ مل کر چریں گے۔ اور شیر بیل کی طرح گھاس کھائے گا اور سانپ کی غذا مٹی ہو گی"۔

ان کا یہواہ پوری کائنات پر حاوی ہے اور وہ کہتا ہے۔

"کس نے پانیوں کو اپنی ہتھیلی کے چلو سے جانچا اور اپنے ناپ سے آسمانوں کو ناپا' اور اپنے باٹوں سے زمین کی مٹی کو تولا اور اپنے ترازو میں پہاڑوں کو رکھا اور کوہستانوں کو اپنے میزانوں میں ٹھہرایا۔ دیکھو کہ قومیں ڈول میں قطرے کی مانند ہیں اور مٹیوں میں مٹھی بھر ذروں کی طرح ہیں۔ دیکھو کہ وہ جزیروں کو ہیچ سمجھتا ہے تمام قومیں کس کے سامنے بے حقیقت ہیں اور ان کا شمار کس کے سامنے بے معنی اور بے کار ہے۔ بے معنی اور بے کار ہے تو پھر تم خدا کی مثال کس سے دو گے؟ اور کس تمثیل سے اس کا موازنہ کرو گے اور "وہ" ہے جو زمین کے دائرے پر بیٹھا ہے اور زمین پر بسنے والے اس کے سامنے گھاس کے پتنگے ہیں اور اس کے سامنے آسمان پردوں کی طرح پھیلے ہیں' اور وہ انہیں خیموں کی طرح پھیلا کر رہتا ہے۔ اپنی

آنکھوں کو اوپر اٹھاؤ اور دیکھو کہ ان چیزوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟۔"

ہیکل کی تعمیرِ نو دارا اول کے زمانے میں شروع ہوئی اور ۲۲ برس میں مکمل ہوئی۔ رفتہ رفتہ یروشلم یہود سے آباد ہوا اور ہیکل ان کی مناجاتوں سے گونجنے لگا۔ تاہم یہودیہ ایک آزاد اور فوجی ریاست کی حیثیت سے نہ ابھر سکا۔ چنانچہ بادشاہت کے قیام سے پہلے کی حالت عود کر آئی یعنی ایک بار پھر کاہنوں کی سرداری پر شہریت اور مذہبی رسومات کا دارومدار تھا۔ چار سو چوالیس قبل مسیحؑ میں عزیزؑ نے ان کی تنظیم نو شروع کی۔ اس نے باشعور یہود کو مجتمع کیا اور ان کے سامنے "موسیٰؑ کے قوانین کی کتاب" پیش کی۔ وہ اپنے ہم قبیلہ یعنی لاویوں کے ساتھ ان قوانین کو سات دن تک مرتب کرتا رہا جس کے بعد سارے کاہنوں نے یک زبان ہو کر ان کا اقرار کیا اور عہد کیا کہ ان قوانین کا رہتی دنیا تک احترام کیا جائے گا اور وہ اس پر ہمیشہ عمل پیرا رہیں گے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دن سے آج تک یہودیوں کی زندگی انہی قوانین کے تابع ہے اور وہ اپنی تمام آوارگی، گمراہی، عذاب، مصیبتوں اور پریشانیوں کے باوجود ان کے پابند رہے۔ تاریخ کا یہی معرکہ یہود کی بقا اور ان کی انفرادیت کا ضامن ہے ورنہ دنیا کی کوئی قوم ان چکیوں میں پس کر سلامت نہیں رہ سکی "موسیٰؑ کے قوانین کی کتاب" یعنی تورہ ایک الگ موضوع ہے، جو یہود کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ازبس ضروری ہے، اس لئے ہم اس کا ذکر تفصیل سے اپنے اگلے باب میں کریں گے۔

کخسیرو مصر پر حملہ نہ کر سکا اور اس کے جانشین یونانیوں سے جنگوں میں الجھ گئے، لیکن جب یونان سکندریہ اور انطوکیہ پر چھا گیا تو یہودیہ ان کی بساط پر مہرہ بن کر رہ گیا۔ شام بھی یونان کی چھاؤنی کی حیثیت رکھتا تھا اور یونانی حکمران اپنے عوام کو اپنی مملکت کے گوشے گوشے میں پھیلا کر اپنی تہذیب اور اپنے خداؤں کی ترویج کے لئے اکسانے لگے۔ چنانچہ یونانی سارے فلسطین میں آباد ہونے لگے یہاں تک کہ یہودیہ کی ریاست میں بھی یونانی وضع قطع کے شہر ابھرنے لگے۔ یہودی کاہن اس تہذیب کی راہ میں اڑ گئے اور انہوں نے اپنی پوری ہمت سے مدافعت کی۔ یروشلم البتہ یونانی سیلاب میں ایک جزیرہ تھا جس پر کوئی واضح اثر مرتب نہ ہوا۔ ۳۲۶ ق۔ م مقدونیہ سے ۲۰ سالہ جوان سکندر اعظم دنیا کو فتح کرنے کے لئے اٹھا اور اس نے سپارٹا سے ہندوستان تک ہر ملک کو یونانی رنگ میں رنگ دیا اور تمام ممالک کو یونانی آمیز زبان (کائن) دے کر یونانی تصورِ حسن و حیات سے آشنا کیا۔ سکندر کی موت سے یونانی فتوحات دو حصوں میں بٹ گئیں۔ مصر اور یہودیہ پر بطلوی قابض ہو گیا اور تھریس سے ہندوستان تک کا علاقہ سلیوکس کے تصرف میں شامل ہو گیا، جس نے سلیوسی حکومت کی بنیاد رکھی، اس کا دارالحکومت انطوکیہ میں تھا، جو یہودیہ سے تقریباً دو سو میل شمال میں تھا۔ بطلوی سے کوئی سو سال بعد سلیوسی سلطنت نے پھیل کر مصر پر قبضہ کر لیا اور یوں یہودیہ کے یونانی حکمران تبدیل ہو گئے انہوں نے شروع شروع میں یہود کے دلوں پر ہاتھ ڈالنے کے لئے انہیں مکمل مذہبی آزادی عطا کی اور اعلان کیا۔

"ہر کس و ناکس کو خبردار کیا جاتا ہے کہ شہنشاہ والاشکوہ، والئی روم ممالک محروسہ نے حکم نافذ کر دیا ہے کہ ان کی یہودی رعایا اپنے خداوند خدا کی عبادت میں پوری طرح آزاد ہوں گے، وہ جہاں چاہیں ہیکل

تعمیر کریں اور یہواہ کی عبادت کریں لیکن ان کے لئے ایک پابندی ہوگی کہ وہ خداوند زیس ZEUS کی خوشنودی کا ہمیشہ خیال رکھیں اور اسی کو سلیوسی حکمرانوں کا اعلیٰ ترین معبود سمجھیں" لیکن سلیوسی حکمرانوں کی یہ آزاد خیالی دیرپا نہ ثابت ہوئی۔ انطوکس نے یہود کو روم کی نئی تہذیب سے روشناس کرانا چاہا اس نے حکم دیا کہ اس کے بت کے آگے سال میں چار مرتبہ سجدہ کیا جائے لیکن یہود' کہ منزلِ شرک سے آگے نکل چکے تھے' اس پر رضامند نہ ہوئے۔ چنانچہ انطوکس نے یہودی قوانین منسوخ کر کے یونانی قوانین عائد کر دیئے اور ظاہر ہے کہ یہود قوانین کی تنسیخ سے مراد یہودی مذہب کی تنسیخ تھی۔ یہود نے مدافعت کی جس کے جواب میں انطوکس نے ان پر وہ مظالم ڈھائے' جنہوں نے اسے تاریخ میں نیرو کے نام سے مشہور کیا' اول اول تو یوں نظر آتا تھا کہ ان حربوں سے وہ کامیاب ہو جائے گا۔ یروشلم کے امیر طبقے نے اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ ہیکل کے قریب تماشہ گاہ تعمیر کی گئی جس کے اکھاڑے میں عریاں یہود یونانیوں کی طرح اپنے ختنوں کو مصنوعی کھالوں میں چھپائے ہوئے اترتے تھے۔ انطوکس کے حکم سے نومولودوں کا ختنہ کرانا جرم تھا اور اس کی سزا بچے اور ماں کی موت تھی۔ اس کے بعد سبت (ہفتے کا دن امتِ موسیٰؑ پر کام کاج کے سلسلے میں واجب الحرمت ٹھہرایا گیا ہے) کی اہمیت ختم کر دی گئی۔ یروشلم کو فوج کی تحویل میں دے دیا گیا اور جتنے بچوں کو مختون پایا گیا انہیں ان کی ماؤں سمیت شہرپناہ گرا کر ہلاک کر دیا گیا۔ ہیکل کے کاہنوں کی آزمائش لحم الخنزیر کی ضیافت سے کی گئی اور جس جس نے تناول سے انکار کیا اسے ناقابلِ بیان اذیتوں سے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہود نے ہنگامہ آرائی کے بجائے کھلم کھلا بغاوت کر دی۔ یونان کی سلطنت اس وقت اندرونی طور پر انتشار پذیر تھی۔ یہود نے یہودا مقابلی کی قیادت میں اسے چیلنج کیا' اور یوں یہودیہ کو یونانی تسلط سے آزاد کرا لیا۔

یہود کی تاریخ کا یہ حصہ یہودی مورخین کی قلمی تحریوں سے اخذ کیا گیا ہے لیکن مورخین کی اکثریت یونان پر یہودی مورخین کے لگائے گئے ان الزامات کو تسلیم نہیں کرتی چنانچہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں دیگر مورخین کی آراء سے موازنہ بھی پیش کیا جائے۔

۱۹۸ ق۔ م میں انطوکس سوم نے بطلومی پنجم کو شکست دے کر یہودیہ سلیوسی حکومت میں شامل کر لیا۔ یہودیوں نے اس فتح کا جشن منایا اور اسے اپنی آزادی کا نام دیا لیکن اس کے جانشین انطوکس چہارم کو اپنے فوجی عزائم کے لئے دولت چاہئے تھی۔ چنانچہ اس نے یہود پر مالیہ عائد کرتے ہوئے حکم دیا کہ وہ اپنے کھیتوں کی پیداوار کا ایک تہائی اور درختوں کے پھلوں کا آدھا حکومت کو ادا کریں اس پر مستزاد یہ کہ اس نے یہودیہ پر ایک کاہن مقرر کیا' جس نے وہاں یونانی ادارے قائم کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ مقصد یہ تھا کہ ایشیائی اور دوسرے یونانی مقبوضہ علاقوں میں ایک ہی عقیدہ اور قانون نافذ کیا جائے۔ اس کے بعد ایک اور کاہن نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے زیادہ حوصلہ مندی اور جذبے سے کام لیا۔ اس نے ہیکلوں کے برتنوں کو چندہ جمع کرنے کے لئے بیچ دیا اور اپنے اصنام کی پرستش کو رائج کرنے کے لئے

زیوس کو یہوواہ کا ہمسر ٹھہرایا۔ یروشلم میں تماشہ گاہ تعمیر کرائی گئی جس میں یونانی تہذیب کے گرویدہ یہودی نوجوانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے ختنوں کی اصلاح کے لئے عملِ جراحی کرایا تاکہ جب اکھاڑے میں عریاں نکلیں تو کوئی ان کی یہودیت کو مضحکہ خیز نہ سمجھے۔

ان اصلاحات نے یہودی ذہنوں میں آگ لگادی اس اثناء میں انطوکس چہارم کو مصر میں پوپیلس کے ہاتھوں زک اٹھانا پڑی اور یہود کو خبر ملی کہ وہ میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ سارے یہودیہ میں اس افواہ پر جشن منایا گیا۔ انطوکس کے مقرر کردہ افسروں اور دوسرے یونانیوں کو مار دیا گیا اور ہیکلوں کو یونانی شرک کی ساری علامتوں سے پاک کر دیا گیا لیکن اصل میں انطوکس کی موت کی خبر بے بنیاد تھی' وہ زندہ تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہود اس کے معرکۂ مصر کی شکست کے ذمہ دار ہیں اور اس کے حریف بطلومی کی واپسی کے لئے ساز باز کرتے رہے ہیں چنانچہ غضبناک انطوکس نے یہودیہ کو ملیامیٹ کرنے کے ارادے سے چڑھائی کی۔ ہزاروں یہود مرد عورتوں کو تہہ تیغ کیا۔ ہیکلوں کو لوٹا ان کے سونے چاندی کے برتنوں اور تابوت شہادت سے اپنے خزانے کو پر کیا اور حکم دے دیا کہ تمام یہود کو یونانی طرزِ فکر کا پابند بنایا جائے۔ ہیکل سلیمان کو زیس کا مندر اور پرانی قربان گاہ کی جگہ یونانی قربان گاہ قائم کی جائے' جس میں دوسری قربانیوں کے بجائے سور کی قربانی دی جائے۔ اس نے سبت کو خلافِ قانون اور ختنہ کو واجب القتل جرم ٹھہرایا۔ سارے یہودیہ میں جس کسی کے پاس کتبِ مقدسہ تھیں' انہیں چھین کر جلا دینے کا حکم دیا گیا اور رکھنے والے کو سخت سزا دی گئی۔ یروشلم کو تخت و تاراج کر دیا گیا اس کی دیواروں تک کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ ریاست میں غیر ملکیوں کو آباد کیا گیا اور کوہِ صیہون پر زبردست فوجی چوکی قائم کی گئی۔ انطوکس کے جوان ساری ریاست میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئے اور انہوں نے یہودیت کو تہس نہس کر دیا۔ ہر قصبے' گاؤں اور بستی میں انہوں نے لوگوں کو موت یا یونانی طرزِ حیات قبول کرنے کا اختیار دیا۔ تمام یہودی معبد اور درسگاہیں بند کر دی گئیں۔ یومِ شراب پر تمام یہود کو یونانیوں کی طرح سروں پر عشق پیچاں کی سبز بیل سجانے کا حکم دیا گیا۔ بہت سے یہود نے خاموشی سے اپنے عقائد کو تیاگ دیا' لیکن ہزاروں نے بھاگ کر غاروں میں پناہ لی۔ اتفاق سے ایک فوجی دستے کو ان کا پتہ چل گیا اس نے انہیں یہودیت سے تائب ہونے کا حکم دیا جسے کسی نے قبول نہ کیا' چنانچہ بچے بوڑھے' جوان' عورتیں' مرد سب آگ اور تلوار کی نذر ہو گئے۔

لیکن مشہور فرانسیسی مورخ رینان کے بقول یہود کی یہ ساری تباہی خود انہی کی سازشوں کا نتیجہ تھی۔ انہوں نے انطوکس کی فراخ دلی کو کمزوری سمجھ کر اس کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور جب اس نے جوابی کارروائی کر کے ان کے مذہب میں مداخلت کی تو انہوں نے اس کی مصری مہم کو ناکام بنا دیا۔ پھر اس کی موت کی افواہ پر شادیانے بجائے اور اس کے افسروں کو تہہ تیغ کیا۔ یہ ساری کارستانی ایک جابر حکمران کو برانگیختہ کرنے کے لئے کافی تھی۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں وہ مظالم روا رکھے گئے کہ تاریخ کے اوراق انہیں ضبط کرنے سے قاصر ہیں۔

اس کے بعد ٹائیٹس رومی نے ۷۰ ق۔ م میں بیت المقدس کو فتح کیا۔ ہیکل سلیمانی کو مسمار کیا اور یہودی صحیفے اٹھا اپنے ساتھ لے گیا۔ پھر ۵۴ ق۔ م میں شام کے گورنر کراسس نے ہیکل سلیمانی کو لوٹا اور دس ہزار ٹیلنٹس (تقریباً ۳۶ لاکھ ڈالر) لے کر واپس چل دیا اُس کی موت پر یہود نے پھر اپنی آزادی کا اعلان کر دیا چنانچہ اس کے جانشین لان جائنس نے ان کی بغاوت کو فرو کیا اور ۴۳ ق۔ م میں تیس ہزار یہودیوں کو غلام بنا کر بیچ دیا۔ اسی سال پارتھیوں نے صحرا کو عبور کر کے یہودیہ پر قبضہ کر لیا اور اپنے کٹھ پتلے انٹی گونس کو بادشاہ بنا دیا۔ رومی سپہ سالار ہیرود اس کے مقابلے میں نکلا' اور اسے قید کر کے روم بھجوا دیا۔ تمام پارتھی ملک بدر کر دیئے گئے اور تمام یہودی رہنما جنہوں نے ان کا ساتھ دیا موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

ہیرود جہاندیدہ حکمران تھا' اس نے یہود کے زخموں پر مرہم رکھا۔ یروشلم میں ہیکل سلیمانی کی تعمیرِ نو کی۔ قیصریہ کو اپنی آماجگاہ بنایا اور وہاں ایک تھیٹر بھی بنوایا لیکن ہیرود کی موت کے بعد جب سلطنت اس کے تین عیاش اور عاقبت نا اندیش بیٹوں میں تقسیم ہو گئی تو تمام نظام بدل گیا' یہودیہ کا حکمران بھی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے معزول کر دیا گیا اور یہودیہ شام میں شامل ہو گیا۔ امن و امان قائم کرنے اور مالیات کی وصولی کے لئے ایک نائب گورنر یروشلم میں متعین کیا گیا جو یہود کے داخلی معاملات اور عدلیہ کے نظام میں مداخلت نہ کرتا' تاہم یہود کو پھانسی کی سزا دینے کا اختیار نہ تھا' اس کے لئے نائب گورنر کی اجازت ضروری تھی۔ ان کے ربیوں کا مقولہ تھا کہ "یہوواہ کی بادشاہت کا تاج یہودیہ میں ہے اور مذہبی قیادت کا تاج بنی ہارون کے سر ہے اور قانون موسیٰؑ کا تاج ہر یہودی کا مقدر ہے"۔ چنانچہ قانونِ موسیٰؑ کا مطالعہ ہر یہودی پر فرض تھا۔ عبرانی Hebrew جو ان کی مقدس کتابوں کی زبان تھی' مردہ ہو چکی تھی' لیکن ہر یہودی تورہ (قانون موسیٰؑ) کا مطالعہ کرتا اور وہ لوگ جو اس میں کمال حاصل کر لیتے' ربّی کہلاتے' وہی ان کی کتابوں کے محرّر تھے اور مذہبی امور میں فیصلہ کرنے کا حق رکھتے تھے۔ عوام پر انہی ربیّوں کی حکومت تھی' جو اپنے علم کی بدولت عوام میں سے منتخب ہوئے تھے اور اس طرح ذاتوں اور موروثی برہمنی نظام کے بجائے مذہبی صلاحیتوں' پاک بازی' ذوق و شوق اور کردار کی بناء پر ربّی مقرّر ہوتے اور اختیارات حاصل کرتے۔

آگ اور خون کی اس قیامت میں یہود اپنے عقائد میں اور بھی پختہ ہو گئے' ملک کی اکثریت کا معاشی انحصار کاشتکاری اور زمین کی پیداوار پر تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت تک یہودیہ اس قابل ہو گیا تھا کہ اپنی ضرورت سے زیادہ گندم پیدا کر لے اور اسے فروخت کرنے کے لئے برآمد بھی کر سکے۔ یہودیہ کی کھجوریں' انگور' زیتون' شراب اور تیل کی مانگ بحیرۂ قلزم کے ساحلی علاقوں میں ہر جگہ تھی۔ دستکاری موروثی فن تھا اور تجارت کے لئے مرکزی مقامات پر مال لایا جاتا تھا۔ محنت کرنا عار نہ تھا چنانچہ ہر طبقہ کے لوگ حتیٰ کہ ربّی بھی گلے بانی' کاشتکاری یا دستکاری سے پرہیز نہ کرتے۔ ہیکل میں اسرائیل کے کنسیہ عظمیٰ کے ۷۰ (ستر) علماء ارکان ملک کے مذہبی امور کا فیصلہ کرتے تھے' اس کونسل کی رو سے مذہب کے

معاملے میں راسخ العقیدہ اور مخلص یہودیوں کو فریسی' اور معاملاتِ دینی میں پاکبازی سے کام نہ لینے والوں کو صدوقی کا نام دیا گیا۔

فریسیوں نے تورہ یعنی پنج اسفار (تکوین یا پیدائش' خروج' اخبار' اعداد اور تورات) جنہیں عزرا اور نحیا کی کوششوں سے ۵۳۲ ق۔ م میں مکمل کیا گیا تھا اور جنہیں رومیوں نے ہیکل سلیمانی کے ساتھ نابود کر دیا تھا' دوبارہ مرتب کیا' انہوں نے ان کتبِ قوانین موسیٰ کی تفسیریں لکھیں اور ان کے اطلاق کے لئے مثالیں بہم پہنچائیں اور وہ آیات جو سینہ بہ سینہ چلی آ رہی تھیں' انہیں یکجا کیا اور یہود کے دلوں پر یہ نقش بٹھا دیا کہ اپنی بقاء کے لئے انہیں تورہ اور زبانی آیات پر ایمان لانا ہو گا۔ وہ جانتے تھے کہ دوسری قوموں میں مدغم ہونے اور دس قبیلوں کی طرح مٹ جانے سے اگر کوئی طاقت انہیں بچا سکتی ہے تو وہ اسی ایمان کی ہے جس کی رو سے انہوں نے سادگی' روزے' پاکیزگی اور عقیدے پر پوری شدت سے عمل کرنا شروع کیا وہ روما کے مطیع ہو کر راضی برضا ہو گئے لیکن ان کی نگاہیں اپنے مستقبل پر لگی تھیں' جس کے لئے حال کا سودا کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اس دور کے رومی مورخ **یوسیفس** نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔

"اگرچہ ان پر شدید ظلم ڈھائے گئے' ان کے گھر بار جلائے گئے' ان کے بچوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے کاٹ کر پھینک دیا گیا۔ ان کو اپنے قوانین کی خلاف ورزی پر اکسانے کے لئے بے طرح عذاب میں مبتلا کیا گیا' انہیں ممنوعہ خوراک کھانے پر مجبور کیا گیا' لیکن وہ کسی عالم میں بھی اس پر راضی نہ ہوئے۔ نہیں' اپنے ظالموں کی خوشنودی کے لئے بھی نہیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بھی نہ نکلا' وہ اپنے دکھوں پر مسکراتے اور جو ان پر ظلم ڈھاتے ہوئے ہنستے' ان پر قہقہے لگاتے۔ انہوں نے اپنی جانیں بڑی خندہ پیشانی سے دیں کہ انہیں نئی زندگی ملنے کا پکا یقین تھا"۔

یہ فریسی اور سدوسی یہودیہ کے شریعتِ موسوی کے پابند شارح' مفسّر تورہ اور مقنن ہی تھے جنہوں نے یہودیت کو اپنے خون سے تعمیر کیا' اور جب ان کی اولاد کو یورپ' ایشیا اور افریقہ میں تتر بتر کیا گیا تو وہ اپنے عقائد پر جان چھڑکتے اور یہواہ کی برگزیدہ قوم کی حیثیت سے دنیا پر چھا جانے کے خواب دیکھتے۔ انہیں یقین تھا کہ یہوا کی دانش ان کی میراث ہے' وہ نبیوں کی اولاد ہیں اور یہوہ کی منتخب اور پسندیدہ قوم۔ ان کا نجات دہندہ مسیح آئے گا اور نہیں ساری دنیا کا حکمران بنا دے گا۔

"اور دیکھو کہ ایک دوشیزہ حاملہ ہوگی اور ایک بچہ جنے گی' اور اس کا نام امانول رکھے گی............ اور حکومت اس کے کندھوں پر ہوگی اور اس کو حیرت انگیز "مشیر" "عظمت' طاقت والا خدا" "ابدی باپ" اور سلامتی کا شہزادہ" کے ناموں سے یاد کیا جائے گا اور عیسیٰ کے شجر سے ایک شاخ پھوٹے گی اور آقا کی روح اس پر قیام کرے گی۔ دانشوری اور تفہیم کی روح' وکالت اور طاقت کی روح اور روحِ علم اور آقا کے خوف کی اور وہ غریبوں کے ساتھ انصاف کرے گا' اور زمین کے بیماروں سے مساوی سلوک کرے گا اور اپنی پھونک سے بدکرداروں کا خاتمہ کرے گا اور اس کی کمر میں حق کی پٹی ہوگی اور وفاداری اس کی لگام ہوگی اور بھیڑیا بھی بھیڑ کے بچے کے ساتھ رہے گا اور چیتا میمنے کے ساتھ لیٹے گا اور بچھڑا شیر کے بچے کے ساتھ

بڑھے گا اور ایک بچہ انہیں لئے لئے پھرے گا اور وہ اپنی تلواروں کو ہل میں لگا کر زمین کھودیں گے اور اپنے نیزوں کو درختوں کی شاخیں تراشنے کے لئے برتیں گے۔ کوئی قوم کسی قوم کے خلاف تلوار نہیں اٹھائے گی اور پھر وہ آئندہ جنگ کے لئے کبھی تربیت بھی حاصل نہیں کریں گی"۔

(عیسیاہ ۷-۴-۹۰- ۱۱۷۶-۱-۶-۲۰۶-۴

لیکن کون جانتا تھا کہ یہود اس واضح عبارت کے باوجود اس عیسیٰؑ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے اور انہوں نے دوسری قوموں کے ہاتھوں جو دکھ اٹھائے ہیں' ان کی قیمت صدیوں تک تمام بنی نوع انسان کو ادا کرنا ہوگی' اور بابل' شام' یونان اور روما کے ظلم ان کی روح میں رچ بس کر پورے کرۂ ارض پر وباؤں کی طرح پھیل جائیں گے۔

تورہ

یہود کا ایمان ہے کہ طور پر یہوواہ نے (جو اس دور میں الشدائی کہلاتا تھا) حضرت موسیٰؑ کو دو قسم کے قوانین سے نوازا۔ ایک وہ وحی تھی جو پتھر کی تختیوں پر لکھ کر عطا ہوئی' اسے تورہ شکستب' یعنی وحی مکتوبی کہتے ہیں۔ بعد میں ان تختیوں کو حرف بحرف تورہ میں نقل کر دیا گیا۔ دوسری وحی جو اگرچہ یکساں اہمیت کی حامل تھی لیکن صرف حضرت موسیٰؑ کے کان میں ڈالی گئی اسے تورہ شبعلفہ یعنی وحی لسانی کا نام دیا گیا۔ یہ قوانین 'مکتوبی قوانین کی خصوصی وضاحت کے لئے تھے کہ یہوواہ نے وحی شکستب پر عمل پیرا ہونے کے لئے تحریری احکامات نازل نہیں کئے تھے' یہ کام ربیوں کا تھا کہ تورہ کے احکامات کی وضاحت کریں اور ان تصریحی قوانین کو بھی مرتب کریں۔

حضرت موسیٰؑ نے ان قوانین کا درس حضرت ہارونؑ کو دیا۔ انہوں نے حضرت یوشعؑ کو ان کی تعلیم فرمائی۔ یوشعؑ نے سرداران بنی اسرائیل کو پڑھایا پھر ان کی اولاد کی وساطت سے یہ قوانین عزرا کاتب تک پہنچے۔ عزرا نے کنسیہ عظمیٰ کے ممبروں کو سکھایا۔ ڈھائی سو برس تک یہ وحی ان ممبران کی اولاد میں محفوظ رہی۔ شمعون عادل (المتوفی ۳۰۰ ق۔م) اس جماعت کا آخری رکن تھا۔ شمعون سے "جماعت سفریم" (کاتبان وحی) نے اور ان سے گروہ تنائم (علماء) نے سیکھا' ان کا زمانہ ۷۰ ء سے ۲۲۰ ء تک رہا پھر اس گروہ سے احیا روزہ مین نے سیکھا اور یوں یہ سلسلۂ ربی' ہلیل اور ربی شائی تک پہنچتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ قوانین پندرہ سو برس تک حیطۂ تحریر میں نہیں آئے۔ بالآخر انہیں مرتب کر کے "مشنا" کا نام دیا گیا۔ تمام ربیوں کو حکم تھا کہ وہ یہ قوانین حفظ کریں' جن میں یہود کی زندگی کے ہر پہلو

کامطالعہ کیا گیااور انہیں اس طور مرتب کیا گیا تھا کہ یہود پوری طرح اپنے مذہب پر کار بند رہ سکیں۔

" مشنا " کی ترتیب کے تھوڑے ہی عرصے بعد یہودی ربیوں کو معلوم ہو گیا کہ قوانین شریعت کے سلسلے میں ان کی وضاحت ناکافی ہے۔ مزید یہ کہ " مشنا " میں ۳۹ پیشوں کا احاطہ کیا گیا تھا' لیکن جوں جوں نئے نئے پیشے اختیار کئے جانے لگے' ان کے لئے نئی شرائط قوانین کا نفاذ ضروری تھا۔ چنانچہ ربیوں نے ہر پیشے اور ان کی ہر صنف اور ہر شعبے کا جائزہ لیا اور " مشنا " کے قوانین کو ان پر پھیلانے کیلئے ایسی الٹی سیدھی قلابازیاں لگائیں کہ عقل انسانی دنگ رہ جائے۔ ان نئی توضیحات کو " جمرا " کا نام دیا گیا اور ان دونوں کے مرکب کو " تلمود " کے لفظ سے ملقب کیا گیا۔

۔ 'تلمود ' کے قوانین کو واضح کرنے کے لئے یہودی ربی ایک حکایت بیان کرتے ہیں۔

"ایک رومی ' ربی جمزو کے پاس آیا اور پوچھنے لگا۔ تم یہودی جس قانون کے مطالعے میں مصروف ہو اس کی اصلیت کیا ہے ؟

جمزو نے جواب دیا۔ "میں بتاتا ہوں ' دو آدمی ایک چھت پر تھے وہ آتشدان کے راستے نیچے اترے۔ ایک کے منہ پر کالک لگ گئی دوسرے کا منہ صاف رہا۔ بتاؤ ان میں سے اپنا منہ کون دھوئے گا" ۔ ؟

رومی نے جواب دیا ' یہ تو آسان بات ہے ' صاف ظاہر ہے کہ کالک والا ہی اپنا منہ دھوئے گا۔

جمزو نے کہا "نہیں! صاف منہ والے نے اپنے دوست کو دیکھا ' اس کے منہ پر کالک لگی تھی۔ گمان گزرا کہ میرے منہ پر بھی ضرور کالک لگی ہو گی ' اس لئے اس نے منہ دھو لیا۔ "

رومی نے کہا "اچھا تو یہ ہے قانون کا مطالعہ یعنی عقلی استدلال "

لیکن جمزو نے کہا۔ "بےوقوف آدمی ' تم نہیں سمجھے۔ ٹھہرو ' میں پھر سمجھاتا ہوں چھت پر دو آدمی ہیں وہ آتشدان سے نیچے اترے ہیں ایک کے منہ پر کالک لگ جاتی ہے ' دوسرے کے منہ پر نہیں ' منہ کون دھوئے گا" ؟

رومی نے جواب دیا ' " تمہاری وضاحت کے مطابق وہ جس کا منہ صاف تھا" ۔

جمزو نے کہا نہیں ' ارے بیوقوف انہیں دیوار پر آئینہ لگا تھا۔ کالک والے آدمی نے اس میں اپنا چہرہ دیکھا اور اسے دھو لیا" ۔

رومی نے کہا "اچھا تو یہ ہے تمہارا مطالعہ قانون یعنی منطقی استدلال " ۔

لیکن ربی جمزو نے کہا۔ نہیں بیوقوف ' دو آدمی ایک ہی آتشدان سے نیچے اترے ' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک کے منہ پر کالک لگے اور دوسرا اس سے بالکل بچا رہے ان باتوں سے تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔ "

رومی نے کہا۔ "اچھا تو یہ ہے مطالعہ قانون یعنی عام فہم تجزیہ " ۔

جمزو نے کہا۔ "ارے بیوقوف یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک کے منہ پر کالک لگے اور دوسرا محفوظ

رہے۔ اس لئے کہ پہلا جب آتشدان سے اترا تو وہ ساری کالک صاف کرتا آیا۔ ظاہر ہے دوسرے کے منہ کو کالک کہاں سے لگتی؟"

رومی بولا "واہ واہ ربی جمزو واہ 'تو قانون سے مراد واقعات کی تہہ تک پہنچنا ہے"۔

پھر آخری بار ربی جمزو نے کہا۔ "نہیں 'احمق! کون ہے جو آتشدان کی ساری کالک ایک ہی مرتبہ صاف کرلے 'ہم تمام حقیقتوں کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے۔"

"تو پھر قانون کیا ہے"؟ رومی کھسیانا ہو کر بولا۔

"قانون یہ ہے کہ ہم یہواہ کی نیت کو جاننے کی پوری پوری کوشش کریں۔"

ربی جمزو نے نہایت لجاجت سے جواب دیا۔ واقعہ یہی ہے کہ دو آدمی ایک چھت پر تھے اور وہ ایک ہی آتشدان سے اترے۔ پہلا نیچے اترا تو اس پر کالک کا کہیں نشان تک نہ تھا جب کہ دوسرا بری طرح آلودہ تھا 'لیکن دونوں میں سے کسی نے منہ نہیں دھویا۔ کیوں! تم مجھ سے یہ پوچھنا تو بھول ہی گئے کہ برتن میں منہ دھونے کو پانی تھا بھی کہ نہیں 'سچ تو یہ ہے کہ وہاں پانی ہی نہیں تھا۔"

یہ ذہنیت ان ربیوں کی ہے جو موسوی شریعت کے حافظ و محافظ تھے۔ جنہوں نے حضرت موسیٰؑ سے ڈیڑھ ہزار برس بعد اپنی الہامی کتابوں کو محفوظ کیا۔ غور فرمایئے تو معلوم ہو گا کہ ان ڈیڑھ ہزار برسوں میں بنی اسرائیل مصری تہذیب اور تمدن کو جان چکے تھے۔ حالانکہ اس قوم کی سرشت ابتداء میں بھی تاویلات سے بھرپور تھی۔ وہ بھی اسی قوم کے برگزیدہ رہنما تھے جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کو بار بار خدا کے پاس ایک معمولی سے بچھڑے کی وضاحت اور تشریح کے لئے بھیجا تھا اور جب حضرت موسیٰؑ واپس آئے تو انہوں نے بت پرستی شروع کر دی تھی اور پھر جب فرعون ان پر چڑھ دوڑا اور حضرت موسیٰؑ نے دریائے نیل میں عصا مار کر اسے دو نیم کر دیا تھا تو انہوں نے اپنے قبیلوں کی متوازی عظمت کا واسطہ دے کر بارہ راستے تلاش کرنے کو کہا تھا اور پھر دشمن کی یلغار سے قطع نظر دریا میں کھڑکیاں کھولنے کی درخواست کی تھی تاکہ اپنے دوسرے ساتھیوں پر نظر رکھ سکیں۔

ڈیڑھ ہزار برس ان روایات پر عمل پیرا ہونے کے سبب اس قوم کا ذہن منفی تاویلات سے اس درجہ بھرپور ہو چکا تھا کہ اب ہر شے میں وہ ہشت پہلو تلاش کرتے اور اپنی مرضی اور مذاق کے مطابق انہیں ڈھال لیتے۔

ان ڈیڑھ ہزار برسوں میں انہوں نے نیرنگیٔ افلاک کے ہاتھوں کیا کیا نہ دیکھا اور ان تجربات سے اپنی ذہنی رسائی کے مطابق کیا کیا مزید نتیجے اخذ نہ کئے۔

چالیس برس صحرانوردی کی 'تو یہ سبق حاصل ہوا کہ اپنے حقوق کی جدوجہد انہیں خود ہی کرنا ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ریاست قائم کی۔ داؤدؑ و سلیمانؑ کا زمانہ دیکھا تو بت پرستی 'عیاشی اور زمانہ سازی کے مراحل طے کئے جب غلام بنا کر اسیریا 'بابل 'ایران 'یونان اور روم لے جائے گئے تو دنیا کا بیشتر مذہبی 'تمدنی 'نظری 'فکری اور علمی سرمایہ ان کی نظروں سے گزرا 'مصائب و آلام کے دل فگار کچوکے کھائے۔

اپنے بچوں اور عزیزوں کے قتل اور معبدوں، گھروں اور کھیتوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے اجڑتے دیکھا لیکن انہیں کسی زمانے میں چین نصیب نہ ہو سکا۔

ہندوستان کے اچھوت اپنی ذلت پر راضی ہوگئے تو برہمنوں نے انہیں زندہ رہنے کا حق دے دیا، لیکن یہود، انہیں روشن مستقبل کا تصور سہانے سپنے دکھاتا رہا جس کی بدولت ہزاروں سال کی تاریکی میں بھی ان کے قدم آگے ہی بڑھتے رہے۔ انہیں ہمیشہ اپنی قوم کی زندگی اور بقا کا خیال ستاتا رہا کہ اسی صورت خداوند خدا کا وعدہ پورا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اپنی جہد للبقاء کی بدولت وہ ایک ایسے جماعتی شعور اجتماعی فکر اور کلی نظر کے حامل ہوگئے کہ دوسری اقوام کے افراد کی ذاتی نشوونما کے برعکس وہ مذاہب عالم کے نظریات کو اپنے مرضی کے مطابق توڑنے موڑنے اور رنگ دینے لگے اور اپنے گریبان میں جھانکے بغیر سائنسی دریافتوں اور ایجادوں کے بل بوتے پر ساری دنیا کے افکار و نظریات کا مذاق اڑانے لگے۔ ہمارے آئندہ ابواب ان خیالات کی تفصیلی توثیق کریں گے۔ فی الحال اس پس منظر کی روشنی میں ہم ان الہامی کتب کا جائزہ لیں گے، جن کی بنیاد پر یہود کا مذہب قائم ہے۔ علماء یہود نے عہدِ عتیق میں ۲۴ کتابوں کے تین سلسلوں کا شمار کیا ہے۔

(ا) سلسلۂ اول ...... تورۃ، قانون اسفار خمسہ، یعنی پانچ کتابوں پر مشتمل ہے۔

1۔ تکوین یا پیدائش Genesis.
2۔ خروج Exodus
3۔ احبار Dentronomic code
4۔ اعداد Numbers
5۔ توریت مثنیٰ Priestly code

پہلی چار کتابیں ۳۰۰ ق۔ م کے لگ بھگ مرتب کی گئیں۔

(ب) سلسلۂ دوم ...... نبیم، جن میں یوشعؑ قضاۃ، مویل اول و دوم ملوک اول و دوم، یشعیاہ، حزقیل اور بارہ چھوٹے پیغمبر شامل ہیں۔

(ج) سلسلۂ سوم ...... کتبیم، ان میں زبور، امثال سلیمانؑ، ایوبؑ، رعوت، نوحۂ یرمیاہ، واعظ، اسنیر، دانیال، عزرا، نحمیاہ ایام اول و دوم شامل ہیں۔ ان تین سلسلوں کے علاوہ بھی چند کتابیں تھیں جن کے حوالے عہدِ عتیق میں پائے جاتے ہیں، لیکن وہ اب معدوم ہیں۔

ہم باب دوم میں دیکھ چکے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے جب سے بنی اسرائیل کو مصری فراعنہ سے نجات دلائی وہ مسلسل کشاکش کا شکار رہے چنانچہ سب سے پہلے ہیکل یعنی ہیکلِ سلیمانؑ کی تعمیر بھی چار سو سال کے بعد عمل میں آئی۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ جب طور پر سے تختیاں لے کر اپنی قوم میں

پہنچے تو وہ سونے کے بچھڑے کو پوجتی ہوئی پائی گئی چنانچہ غضب آلود ہو کر حضرت موسیٰؑ نے انہیں زمین پر پٹخ دیا اور وہ ٹوٹ گئیں۔ "ان تختیوں پر خدا نے اپنی انگلی سے لکھا تھا"۔ (خروج ۳۱-۱۸)

سوال یہ ہے کہ وہ تختیاں جنہیں خداوند خدا نے اپنے احکامات کے ثبوت کے طور پر عطا کیا تھا۔ جن پر اس نے اپنی انگلی سے لکھا تھا اور جن کی حفاظت یقیناً اس نے اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ یوں کس طرح مفقود ہو گئیں کہ ان کا حوالہ بھی پھر کسی کتاب اور کسی نبی کے گمان میں نہیں آتا اور وہ قوم جوان تختیوں اور بے شمار نبیوں کے احکام کی پروانہ کرتے ہوئے خود ساختہ بتوں کو اس طرح پوجتی ہے کہ خداوند خدا جل بھن کر ان پر دوسری قومیں مسلط کر دیتا ہے۔ خود ان تختیوں ہی کو مقدس جان کو معبود کیوں نہیں ٹھہرالیتیں۔ یہ بات ناقابلِ فہم حد تک حیران کن ہے اگر آج یہ الواح محفوظ ہوتیں تو یہود ان کو شہادت کے طور پر پیش کرتے اور شریعتِ موسوی کی تصدیق سے مذاہبِ عالم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے وہ قوم جو حضرت عیسیٰؑ کی صلیب کی لکڑی ان کے کانٹوں کے تاج کے ٹکڑے اور اپنے بے شمار مقدس رہنماؤں کی ہڈیاں تک محفوظ کر لیتی ہے۔ یہواہ کی اس عظمت کے ثبوت کو پرکاہ سے کمتر سمجھ کر نابود کر دیتی ہے۔ حالانکہ اس سے بھی قدیم تر اہرام، کتبے اور سکے اور دوسرے نوادرات آج بھی ہمارے سامنے ہیں اور اپنے اپنے ادوار کی داستانیں زبانِ حال سے بیان کر رہے ہیں۔ حمورابی کے کتبے آج بھی بابل کی تہذیب و عظمت کے گواہ ہیں جو حضرت موسیٰؑ سے بھی پانچ چھ سو سال پہلے کا حکمران ہے لیکن خدا کے دین کے یہ ثبوت ہزاروں نبیوں بلکہ جلیل القدر نبیوں کے نزدیک اس قدر بھی اہم نہ تھے کہ انہیں صحرائے سینا سے اٹھا کر محفوظ کر لیا جاتا۔ یہودی تاریخ اس ہیکل رواں اور صندوق کو تو ہیکل سلیمانؑ میں منتقل کرنے کی خبر دیتی ہے، جو حضرت موسیٰؑ کے حکم سے اسباط کے آگے چلتا تھا، لیکن الواح کے بارے میں گنگ ہے، جو موسیٰؑ کی نہیں خدا کی عطا کردہ تھیں اور نبی اسرائیل کے لئے بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ بات یقیناً ایک عام فہم انسان کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو قوم اتنی مقدس نشانیوں کا ذکر کر کے انہیں معدوم کر دیتی ہے جن کی تصدیق کسی اور ذریعے سے نہیں ہو سکتی اپنی دیگر کوائف کے بارے میں کہاں تک مصدقہ ہو سکتی ہے؟

"اسفار خمسہ" یا خمیس موسیٰؑ کے بارے میں "انسائیکلوپیڈیا ببلیکا" Encyclopedia Biblica کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ انسائیکلوپیڈیا چار جلدوں میں شائع کیا گیا تھا اور اس کے مرتبین کی طویل فہرست میں عیسائیت کے تمام تر قابلِ ذکر علماء اور اڈنبرا، آکسفورڈ، گلاسگو، ڈبلن، نارتھ ویلز اور لندن کی یونیورسٹیوں میں عہدِ عتیق اور عبرانی کے اساتذہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ڈین آف ویسٹ منسٹر کا نام بھی اس فہرست میں نمایاں ہے، جو اس تحقیقی اشاعت کی معتبری میں مزید اضافے کا باعث ہے۔ ذیل میں یہوواہ کی الہامی کتب کے بارے میں اس کتاب سے حوالہ جات پیش کئے جا رہے ہیں۔

تکوین...... آفرینش عالم کی کہانی، جو سامی النسل قوموں میں "روایت کے طور" پر مقبول ہے۔ اہلِ بابل میں اس روایت کے ساتھ اس کا حیرت انگیز تطابق اس حد تک ہے کہ ان دونوں میں کسی تاریخی

تعلق پر شبہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ شواہد کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں جب بنی اسرائیل ملک بدر کئے گئے تو اس روایت نے موجودہ شکل اختیار کی۔

انبیاءؑ جو یہودی کتب کے مرکزی کردار ہیں محض روایتی' قیاسی اور خیالی' ہیں ان میں شاید ہی کوئی صداقت ہو' اگر ہو بھی تو کتنی' اس کا اندازہ شاید کبھی نہ لگایا جا سکے۔ انہیں حقیقی ماننے سے تاریخ سرے سے منکر ہے' نہ وہ ان کی تائید کرتی ہے۔

فلاڈلفیا کے بابلی ادب کے پروفیسر ڈاکٹر پیٹرز Peters نے بابل کی مہم کے بعد ایک کتاب لکھی' "یہود کے ابتدائی دور کی کہانی' تاریخی پس منظر"

The Early Hebrew. Story its Historical Background

جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ابراہیمؑ' اسحٰقؑ' یعقوبؑ' حتیٰ کہ حضرت یوسفؑ تک کی شخصیتیں محض قیاسی ہیں لیکن ان کی روایت تقدس کے لبادوں میں اس طرح لپٹی ہوئی ہیں کہ ہم انہیں چھو بھی نہیں سکتے اور یہ کہ تکوین ساتویں صدی قبل مسیح میں لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے جس میں بعد میں کچھ اور اضافہ ہوا۔ اس کا سرچشمہ وہ روایات ہیں جو کسی اور وسیلے سے ہم تک نہیں پہنچیں۔ طوفانِ نوحؑ کی یہودی کہانی بھی کسی بابلی داستان سے اخذ شدہ معلوم ہوتی ہے۔

خروج...... یہ محض ڈھکوسلوں اور کہاوتوں کا مرقع ہے' جسے مدتوں تاریخ سمجھا جاتا رہا۔ مصدقہ تاریخ موسیٰؑ کے معجزات اور خوارق کو سچ سمجھنے کے لئے کوئی مواد بہم نہیں پہنچاتی اور نہ یہ ثابت کرتی ہے کہ مصر میں پہلوٹی کے بچوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور نہ ہی کوئی فرعون بحیرۂ احمر میں ڈوب کر مرا تھا۔ خود موسیٰؑ کا تاریخی کردار بھی ثابت نہیں ہوتا یہ بھی مشتبہ ہے کہ یہ نام کسی فرد کا تھا یا قبیلے کا' دس احکامات کی ابتداء بھی محض روایتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں بھی ساتویں صدی قبل مسیح میں مرتب کیا گیا ہو' کیونکہ تمام نقاد اس بات پر متفق ہیں کہ یہود ابتدا میں توحید پرست نہ تھے' دیوی دیوتاؤں کے پرستار تھے اور ان کا کردار اخلاقی طور پر نہایت پست تھا۔

احبار...... ہر طرح کی شہادت یہی ثابت کرتی ہے کہ یہ کتاب ۱۵ سو ق۔ م کے بجائے ساتویں صدی قبل مسیح میں اپنی اصلی صورت میں لکھی گئی۔ قدیم نسخے میں بے شمار ردوبدل اور الحاقات کے بعد یہ کتاب اپنی موجودہ شکل تک پہنچی۔ اصل میں شاید یہ ایک لمبی تقریر تھی جو حضرت موسیٰؑ سے منسوب تھی اور جسے جوشیا کے زمانے میں ہیکل سلیمان کے ایک گوشے میں پڑا ہوا پایا گیا' لیکن اس دفینے میں بھی بہت سے اضافے کئے گئے۔ عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ یہ کتاب ۸۰۰ سال تک ہیکل میں دفن پڑی رہی۔ کیا یہ قرین قیاس نہیں کہ اسے ان لوگوں نے چھپایا اور وقت آنے پر ڈھونڈھ نکالا' جو یہ سمجھتے تھے کہ مذہبی اصلاحات کا وقت آن پہنچا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب ایک مقدس دھوکا ہے۔

زبور...... یہ دلچسپ فریبِ خیال کہ تمام نغمات حضرت داؤدؑ نے لکھے' قطعی طور پر بے نقاب ہو چکا ہے حالانکہ انہیں ایسی شخصیت سے منسوب کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی جو شرافت کے کسی پیمانے

پر پوری نہیں اترتی۔ شاید ہمارا یہ شبہ صحیح ہو کہ زبور میں ایک بھی نغمہ داؤدؑ کا نہیں۔
کتاب ایوبؑ ...... اس میں کوئی تحریری اکائی نہیں پائی جاتی اور اس میں کوئی ایک مقصد پالینا ناممکن ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ کتاب رفتہ رفتہ' عہد بہ عہد لکھی گئی' شاید اسی لئے یہ ایک مکمل کتاب نہیں بلکہ ورق درورق تحریر ہے۔
کتاب یونسؑ ...... ایک روایت ہے جو بالیقین یہود کے انخلائے بابل کے بعد لکھی گئی اور یہ بات کٹر یہودی ربّی بھی مانتے ہیں کہ یہ داستان پریوں کی ہے۔
کتاب عیسیاہ ...... ایک عظیم تصنیف جس میں "بہت سے مصنفین" کی عرق ریزی شامل ہے۔
کتاب دانیال ...... مدتوں یہ خیال کیا جاتا رہا کہ "عہد عتیق" کی کتب میں سب سے زیادہ پیمبرانہ صداقتیں اسی کتاب میں پائی جاتی ہیں اور اس میں وحی کا ہاتھ واضح طور پر نظر آتا ہے' لیکن اب یہ تحقیق پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ اسے سلیوسی حکمران انطوکس اپی فینس کے زمانے میں لکھا گیا' جسے یہود نیرو کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ گویا یہ کتاب تقریباً دو سو' ق۔ م میں تحریر ہوئی۔ البتہ اس کتاب کے اندازِ تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آنے والے واقعات کی پیشگوئی کی جارہی ہو۔ حالانکہ ان واقعات کو پیش آئے صدیاں بیت چکی تھیں پھر ان واقعات کی تاریخی حیثیت کو بھی اس طور مسخ کر دیا کہ آج کے مورخ' یہودی قوم اور ان کے نبیوں کے بارے میں ہر طرح کی قیاس آرائی کرنے پر مجبور ہیں۔ گمان گزرتا ہے کہ دانیالؑ نام کی شخصیت تھی ہی نہیں اور یہودی قصہ گویوں نے اس نام کے گرد وہ افسانے تراشے ہیں کہ جنوں بھوتوں کے قصے بھی ان کے آگے ماند پڑ گئے۔ گویا اس کتاب کو یہودی مذہب میں وہ مقام اور مرتبہ حاصل ہے جو اردو داستان میں " داستان امیر حمزہ " کو ملا۔
کینن چوین کا خیال ہے کہ بالکلیہ یہ نبی اپنے ہی دور کے گناہوں کو دھو کر یہود کو آخری نجات کی بشارت دیتے ہیں اور جہاں تک ان کی نگاہ کام کرتی ہے' دیکھ کر ایک ایسا فیصلہ دیتے ہیں جس سے ان کی قوم اپنے دور کی مصیبتوں کو بھول جائے اور اپنی موجودہ پریشانیوں کو خندہ پیشانی سے قبول کر لے۔ مثلاً عیسیاہ کے خیال میں آخری مصیبت اسوریا کا حملہ تھا۔ یرمیاہؑ کے نزدیک نجات سے مراد خروجِ بابل کے بعد یروشلم کی بحالی تھی۔ دانیالؑ نے یونانی سلطنت کی تباہی کو یہود کی سربلندی کا پیش خیمہ بنایا تھا اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہود کا نزول مسیحؑ پر ایمان بھی بابل کے اندوہگیں دور کی پیداوار ہے کہ اس خوش آئند عقیدہ کے بغیر ان کے دوسرے عقائد کا وجود ہی خطرے میں تھا۔
ان مقدس کتابوں کے الہامی ہونے کے بارے میں ہمیں کوئی فیصلہ دینے کی ضرورت نہیں کہ قرآن حکیم آج سے چودہ سو برس پہلے ہی ان کی قلعی کھول چکا ہے۔
" پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کر لیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کے لئے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لئے موجب ہلاکت "

(سورۃ البقر' آیت ۷۸)

حضرت موسیٰؑ سے چودہ سو برس کے بعد جب یہودی راہب اپنی کتابیں مرتب کرنے لگے تو ان کا تصوّر یہولپوری طرح واضح تھا اب وہ دوسرے خداؤں کو ماننے کی ضرورت سے بے نیاز تھے۔ چنانچہ ان کی کتاب میں شرک کے لئے اب کوئی گنجائش نہ تھی۔ اندازِ تحریر میں ان کی شاعرانہ صلاحیتیں اور زبان و بیان کی قدرت حیرت انگیز اور باکمال تھی۔ اپنی جمعیت کو مرتب کرنے کے لئے انہوں نے پیمبرانہ شعلہ نوائی اور آفاقی نغمگی سے کام لیا۔ اپنی قومی تقدیس اور اپنے عظیم مستقبل کی رعایت سے انہوں نے اپنی قوم کو پھر عذاب پھر قیامت' پھر انتشار اور پھر اذیّت سے گزرنا اور فتح پانے کا راز بتایا کہ اصل حقیقت قوم ہی ہے اور فردِ واحد کوئی چیز نہیں۔ فرد کا قوم پر قربان ہونا کوئی بڑی بات نہیں کہ اسے قربان ہوتے ہی نئی زندگی عطا ہو جاتی ہے ابدی زندگی' اور وہ خداوند خدا کی بادشاہت میں شریک ہو جاتا ہے' اس لئے ان کتابوں کو الہامی کے بجائے خانہ ساز جانتے ہوئے بھی ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ انہوں نے یہودی قوم کو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا اور فریبِ الہام پر اتنا فریفتہ کر دیا کہ وہ آگ اور خون کے ہر سیلاب سے ہنس کر گزرنے کے قابل ہو گئے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تورہ ایک الہامی کتاب نہیں اور نہ ہی دیگر کتبِ مقدسہ میں سے کوئی اپنی اصلی حالت میں موجود ہے تاہم اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کہ ان کتابوں میں کارفرما روح عالمگیر حقائق اور بے پایاں صداقتوں کو بے نقاب کرتی ہے اور اگر ان تحریوں میں سے یہودی ذہن کی پستیاں' آلائشیں اور لغزشیں منہا کر دی جائیں تو ان کتابوں میں عظیم دانش اور حقانیت کا بیش بہا علم اور لازوال ادب جھلکتا ہے بقول رینان "یہ وہ حسین لباس ہے جس سے زیادہ فاخرہ اور عمدہ پیراہن انسانیت کو شاذ ہی نصیب ہوا ہو"۔

اگر ہم ان کتابوں کی صحت وعدم صحت سے در گزر رہیں' تو ان کی عظمت سے کبھی انکار نہ کر سکیں گے کہ ان کے فیصلے بالیقین عالمگیر اور پر معنی ہیں اور بنی نوع انسان کے فکر و عمل و کردار کے لئے ایسی شمع ہدایت ہیں جسے کوئی طوفان بادوباراں نہ بجھا سکا ہے' نہ بجھا سکے گا۔ ہم نے ان کتابوں کی بحث اس لئے چھیڑی کہ یہودی ذہن کی حقیقت سے پردہ اٹھائیں جو اپنے یہواہؔ اس کے برگزیدہ نبیوںؑ اور اس کی کتابوں تک سے جعلسازی کرنے سے نہیں چوکتے۔

یروشلم اور ہیکل سلیمانؑ کی بار بار تباہی اور تاخت وتاراج کی وجہ سے اصل تورات اور صحف انبیاءؑ ضائع ہو گئے تو ان کی تعلیمات کا سلسلہ روایت بالمعنی کے طور پر جاری رہا یعنی بابل کی اسیری کے زمانے میں علمائے یہود "سبت" کے دن لوگوں کو جمع کر کے اپنے ماضی کو یاد کرتے اور روتے۔ تورات کی آیات سے دلوں کو گرماتے اور تسلی دیتے۔ بابل سے واپسی کے بعد بھی یہ رسم جاری رہی اور "سبت" ان کی مذہبی روایت کا جزو لاینفیک بن گیا۔ بیت المقدس کی تعمیرِ نو کے بعد بھی ایسے مقامات تعمیر کئے گئے' جہاں اسیری بابل کی طرح عظمتِ رفتہ کا ماتم کیا جاتا اور واعظ سننے والوں کو امید وبیم کی راہوں سے

روشن مستقبل کی طرف لے جاتے۔ یہ مقامات کنسیہ کہلاتے تھے۔ ہر کنسیہ میں تورات کی نقلیں صندوقوں میں بند کی جاتیں۔ ان صندوقوں کے سامنے ایک شمع بھی جلتی رہتی۔ لوگ ہفتے میں تین دن یہاں جمع ہوتے اور عبادت کرتے۔ بڑے کنسیاؤں میں لوگ روزانہ تین مرتبہ جمع ہو کر عبادت کرتے۔ طریقِ عبادت یہ تھا کہ " سفریم " یعنی احبار پہلے توریت کی چند آیتیں پڑھتے جو قدیم عبرانی زبان میں ہوتیں۔ پھر ان کی تفسیر ارامی زبان میں کرتے یہود نے ارامی زبان اسیری بابل میں اختیار کی تھی۔ احبار نے حضرت موسیٰ کی پانچویں کتاب یعنی تورہ کو ۱۵۴ ٹکڑوں میں تقسیم کیا تھا اور یہ التزام کیا تھا کہ ہر تیسرے سال پوری تورات کا دور مکمل کیا ہو جائے۔

تلمود دو ہیں، ایک بابلی دوسری جلیلی۔ ان دونوں کو ۵۰۰ء میں یکجا کیا گیا تھا بلحاظِ مضمون یہ دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں۔

(1) **ہلکہ :** یعنی خالص احکام و شرائع ۶۱۳ اور امر و نواہی۔ پھر ان کی جزوی تفاصیل، حلال و حرام کی موشگافیاں، صغائر و کبائر کی باریکیاں ایسا گورکھ دھندا تھا جسے عوام سمجھنے سے قاصر تھے، لیکن کورانہ تقلید اور جہالت کی وجہ سے وہ انہیں " کلامِ الٰہی " سمجھتے اور ان کا احترام کرتے، دوسری طرف راہبوں کا یہ عالم تھا کہ اپنی اغراض کے لئے انہیں جیسا چاہتے توڑ موڑ لیتے۔

(ب) **ہجدہ :** یعنی روایات، سیرت انبیاءؑ آثار و قصص، گویا معجون مرکب ہے جس میں الٰہیات کے رموز اور ملک اور ملوکیت کے اسرار درج ہیں اور اکثر نبیوں کی مٹی پلید کی گئی ہے، کہیں آسمان کے عجائبات بیان کئے گئے ہیں۔ کہیں جنات اور ارواحِ خبیثہ کی بدکاریاں تحریر ہیں۔ جادو، ٹونے ٹوٹکے، تعویز، گنڈے اور محیر العقول باتوں نے اس حصے کو مقبولِ عوام بنا دیا اور مذہب مسخ ہو کر مجموعہ اوہام بن گیا۔

ان کے علاوہ یہ بھی مشہور تھا کہ ۴۴۴ ق، م میں عزرا کاتب نے تورات قلمبند کرتے وقت ستر مخفی ملفوظات بھی لکھے تھے جن کی صرف خواص کی پوشیدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ ان ملفوظات کو " سفریم جنوزیم " یعنی کنزِ مخفی یا خفیہ خزانہ کہا جاتا تھا۔ ان کے اسرار سے فائدہ اٹھا کر یہودی ذہن نے اس خزانے کو اپنے کمالات سے بھرنا شروع کر دیا تھا۔ سکندر کے جانشینوں کے زمانے میں جب یہود اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے تھے تو صدوقی، فریسی اور دوسرے فرقے مناظروں اور مجادلوں میں لگے ہوئے تھے اور طرح طرح کی تصانیف سے اپنی مطلب براری کر رہے تھے۔ ان تصانیف میں بھی من گھڑت پیمبرانہ پیش گویاں اور نبیوں کے ملفوظات درج کئے جاتے۔ ان کی تحریر کا اثر اور سحر اپنی جگہ رہا، لیکن خود علماء نے ان کو جعلی ٹھہرایا اور Apocrypha کا نام دیا۔

تورہ لسانی یعنی وہ وحی جو یہوا نے حضرت موسیٰ کے کان میں ڈالی اور سینہ بسینہ ربیوں تک پہنچ کر " مشنا " کی صورت میں مرتب ہوئی۔ کیسی کیسی موشگافیوں، دلیلوں اور قلابازیوں کا مرقع ہے۔ اس کا

اندازہ ربیوں کی اس بحث سے لگایا جا سکتا ہے۔

"روائتی عبادات کے لئے طریقہ وضع کرنے کا سوال تھا۔ تمام یہود کو اتفاق تھا کہ ایسی عبادتوں کو کسی الم علم قاعدے سے روا رکھنا خلاف شرع ہے تاہم اس کے لئے مثبت طریقہ دریافت کرنا مشکل تھا۔ یہ سوال کہ روائتی عبادات کسے کہتے ہیں' وضاحت طلب تھا اور تورہ شکستب میں اس کے لئے کوئی صراحت نہ تھی اس میں صرف ان عبادتوں کا ذکر تھا جنہیں یروشلم اور ہیکل میں ادا کیا جانا تھا تورہ لسانی میں بھی یہ بات صاف نہیں تھی اور یہواہ کے خفیہ حکم نامے میں بھی اس دور کا حوالہ نہیں تھا۔ ہیکل تو کیا خود یروشلم کا وجود بھی ناپید تھا۔ یونانیوں نے اپنی فتح کے بعد جب شہر دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دی تو اس میں ہیکل کی تعمیر کا حکم شامل نہ تھا اس لئے ربیوں کو یہ مشکل پیش آئی کہ ایسی صورت میں ہیکل سے باہر عبادت کیسے کریں۔

"کفرناہم کے ربی نے اٹھ کر دیگر ربیوں کو یاد دلایا کہ "نغمہ ۸۲" میں واضح طور پر لکھا ہے کہ یہولہ زیر دستوں کے 'مجمع' میں کھڑا ہوتا ہے۔ اس سے یہ مطلب نکالا گیا کہ یہواہ اپنے وفادار بندوں سے ہجوم میں خطاب کرنے پر آمادہ ہے پھر یہ سوال اٹھا کہ ہجوم سے مراد کتنے لوگ ہونے چاہئیں؟ کیا ۳ یا ۵ یا بارہ آدمی ہجوم کہلا سکتے ہیں؟

بری کے ربی نے کتاب الاعداد سے حوالہ پیش کیا کہ یہواہ نے موسیٰؑ سے براہ راست کہا تھا "میں کب تک اس ناپاک ہجوم سے نباہ کروں جو میرے خلاف بڑبڑاتا ہے"۔ اس میں اگرچہ ہجوم ہی کا ذکر تھا تاہم یہاں یہواہ کی ناراضی اور 'ہجوم' کی ناپاکی کا اظہار بھی تھا۔"

اس سلسلے میں ایک اور روایت کا ذکر کیا گیا جس میں بتایا گیا تھا کہ وہ گروہ جسے حضرت موسیٰؑ نے اہل کنعان کی جاسوسی کے لئے مقرر کیا تھا۔ ۱۲ آدمیوں پر مشتمل تھا اور رب نے موسیٰؑ سے کہا۔ "آدمی بھیجو تاکہ وہ کنعان کی سرزمین کا محاسبہ کریں' جسے میں بنی اسرائیل کے حوالے کرتا ہوں۔ ان کے آباء کے ہر قبیلے میں سے آدمی بھیجو۔"

اس طرح متن کی مختلف آیات کو ملا کر مطالعہ کرنے سے انہوں نے ہجوم کی تعداد تمام قبیلوں کی تعداد کے مطابق ۱۲ طے کر لی۔

"لیکن کفرناہم کے ربی نے کہا کہ جن لوگوں نے یہواہ کے خلاف بڑبڑکی تھی۔ ان میں یہودا قبیلے کے نمائندے کالب کو معاف کر دینا چاہئے جس نے یہواہ کی طرف داری کی تھی اور کالب نے موسیٰؑ کے سامنے لوگوں کو خاموش کیا اور کہا آؤ چلیں' فوراً' اسی وقت اور اس پر قبضہ کر لیں"۔ چنانچہ ممکن ہے کہ باقی کا ناپاک ہجوم گیارہ آدمیوں پر مشتمل ہو۔

لیکن ایک اور ربی نے اس میں مزید ترمیم کرتے ہوئے بتایا کہ قبیلہ افراہیم کے جوشوا نے بھی یہواہ کی حمایت میں زبان کھولی تھی اور کہا تھا "وہ زمین جسے ہم تلاش کرتے ہوئے گزرے' بہت عمدہ ہے۔ اگر

یہوواہم سے خوش ہے تو ہمیں اس زمین میں آباد کرے گا اور وہ زمین ہمیں عطا کرے گا وہ زمین جس میں دودھ اور شہد بہتا ہے" پس اس سے ثابت ہوا کہ وہ بھی اس ناپاک ہجوم میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔

چنانچہ طے یہ پایا کہ اگر ہجوم ۱۲ افراد پر مشتمل تھا' لیکن اس میں سے دو منہا کئے جاسکتے تھے اس طرح ہجوم سے مراد دس آدمی طے پائے' گویا یہوواہ گلی کے دس دراشوں سے تو مل سکتا ہے لیکن نو ربیوں سے نہیں ملے گا' کیونکہ ۹ ربی مل کر ہجوم نہیں بن سکتے۔

ایک یہ بحث ختم ہوئی تو دوسری بحث کا آغاز ہو گیا کہ 'ہجوم' دس آدمیوں کے برابر تو طے پا گیا' لیکن آدمی سے کیا مراد ہے؟ اور پھر کئی برسوں کی طویل بحث کے بعد یہ طے پایا کہ آدمی ہر اس نرینہ بچے کو کہا جاسکتا ہے جس کی عمر تیرہ برس یا اس سے زیادہ ہو پس روائتی عبادت ہر کہیں ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس میں دس یہود موجود ہوں جن کی عمریں تیرہ برس یا اس سے اوپر ہوں۔

اس بحث سے بھی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قانون سازی کی مہم کے دوران یہود نے ذہنی قلابازیاں کھانے' عقل و استدلال کے ذریعے غلط کو صحیح ثابت کرنے اور ہر لغویت کا جواز تلاش کرنے کی صلاحیت حاصل کر لی تھی' چنانچہ اپنے اگلے باب میں ہم ان کی ان صلاحیتوں کا استعمال تورہ اور تلمود کی تربیت کے دوران مختلف شعبوں میں پیش کریں گے۔

قانون سازی

دوسری اقوامِ عالم پر یہود کی فوقیت 'ان کا پیدائشی حق تھا جس کے بارے میں کسی منطق کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ یہودیہ کے باشندوں کا ایمان تھا کہ باقی قومیں اور امتیں "امی" ہیں۔ یعنی ان کے مدِ مقابل جہلاء ہیں اور یہواہ" کی دشمن۔ اسی لئے کسی دوسرے ملک میں جانا ان کے نزدیک جرم تھا یہی حال زبانوں کا تھا حتیٰ کہ مالش کے لئے بھی کسی غیر ملکی تیل کا استعمال ان کے نزدیک کفر سے کمتر نہ تھا۔ یہواہ نے درختوں میں سے انگور کی بیل کا انتخاب کیا تھا پھولوں میں سے موتیا' پرندوں میں سے فاختہ' چوپایوں میں سے بھیڑ کا بچہ' تمام عظیم شہروں میں سے صیہون یروشلم اور تمام دنیا کی قوموں میں سے یہود کو اپنے علم کا خزینہ خاص عطا کر کے انہیں راہبوں اور مقدس لوگوں کی قوم بنا دیا۔ یہواہ نے خاص انہی کے لئے تو دنیا کی تخلیق فرمائی تھی۔ اگر اسوریا' بابل یا دوسری قومیں یہود کے مقابل سرخرو ہوئیں تو وجہ محض یہ تھی کہ "یہواہ" یہود سے ناراض تھا اور اسوریا اور بابل کی شکست کا باعث۔ یہولعکا یہود کو معاف کر دیتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی قوم دوسروں کا غلبہ قبول نہیں کر سکتی اگر ایسے عقائد ایمان کی حد کو پہنچ جائیں تو پھر دنیا کا تمام عذاب انہیں ان سے روگردان نہیں کر سکتا وہ کسی کو یہواہ کے سوا اپنا بادشاہ تسلیم نہ کرتے اور کسی قانون کو تورہ کے علاوہ اپنے لئے واجب الاطلاق نہ جانتے۔ جزیہ یا مالیہ دیتے ہوئے کوئی اصول یا قانون حاکم کے آڑے نہ آسکتا کسی عدالت میں کسی غیر یہود کی گواہی قابل قبول نہ تھی کہ ناپاک اور نجس لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کوئی باعزت شخص یا قوم کبھی ان کے دسترخوان پر نہ بیٹھ سکتی کہ ان کی حقارت اس کے ہر لقمے کو زہر بنا دیتی۔ غیر ملکی اگر حاکم بھی ہو تو ان کے نزدیک ناپاک ہی رہتا تھا۔

جیسا کے پچھلے بابوں میں بھی بتایا جا چکا ہے۔ یہودیہ کے اندرونی معاملات طے کرنے کے لئے کنسیہ عظمیٰ council of the Elders کے ستر ارکان جن کی تعداد بعد میں ۱۲۰ تک پہنچ گئی پوری طرح مختار تھے اس کونسل کا صدر اسقفِ اعظم کہلاتا تھا۔ جس کا احترام قوم کے تمام افراد پر فرض تھا۔ حکومت کاتبین یا ارباب کنسیہ کے ذمے تھی جو اپنی قانون دانی کی استعداد پر ہی منتخب ہوتے اور اس طرح نظامت اور عدلیہ کے ڈانڈے یکجا ہو گئے۔

صدوقی امیر تھے اور اس لئے آرام طلب تھے اور دین پر پوری طرح توجہ نہ دے سکتے تھے۔ چنانچہ ان کے عقائد میں ہر غالب حکمران کے عقائد متصرف ہو جاتے۔ عموماً وہ تورہ کے اسفارِ خمسہ پر ہی ایمان رکھتے اور یہود کو اپنی موشگافیوں اور قانونی جرح کو خاطر میں نہ لاتے اور نہ ہی کسی ایسے فیصلے کی حمایت کرتے جس کی تائید و تصدیق اسفارِ خمسہ سے نہ ہو سکتی' یہاں تک کہ حیات بعدالموت' جزاو سزا' جنت و دوزخ جیسے اہم عقائد کو بھی اس لئے نہ مانتے کہ ان کا اسفارِ خمسہ میں ذکر نہ تھا۔ ان کے اپنے ایمان کی رو سے اعمالِ صالحہ کا کوئی تعلق جنت سے نہ تھا کہ انہیں جنت کا وعدہ بھی ایک طرح کی رشوت محسوس ہوتی تھی۔ فریسی صدوقیوں کے مقابلے میں غریب اور مفلوک الحال تھے۔ اس لئے راہبوں اور مذہبی راہنماؤں کا ان پر خاص زور چلتا تھا' چنانچہ یہ لوگ بڑے سچے' وفاشعار' راسخ العقیدہ اور محب وطن ہوتے اور عظمیٰ کی رکنیت اور احباریت کے مقامات حاصل کرنے والوں میں اکثریت بھی انہیں کی ہوتی۔ تورہ کے قوانین کے مباحث ان کا محبوب مشغلہ تھا وہ گلیوں اور بازاروں میں نکلتے تو چہرہ ڈھانپ لیتے۔ تاکہ کسی نامحرم پر نگاہ نہ پڑ سکے۔ پانی کو چھان کر پیتے' ببانگِ دہل خیرات کرتے اور بلند آواز سے دعائیں مانگتے۔ اپنے چوغوں پر تورہ کی آیات کاڑھتے قانون کا حرف بحرف احترام کرتے اور سبت کے دن گریہ و آہ و زاری میں گزارتے۔

یہود کے بارے میں یہ تصورات انسائیکلوپیڈیا ببلیکا میں پیش کئے گئے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چھ سو قبل مسیح سے دو سو قبل مسیح تک کے زمانے میں وہ کون سے اسباب اور عوامل تھے جنھوں نے بنی اسرائیل کو صحف سماوی یعنی آسمانی کتابوں کا تصور دیا۔ عقل تسلیم نہیں کرتی کہ ایک قوم چار ہزار سال پہلے خود فریبی کے لئے دو ہزار سال تک قانون سازی کرے' پھر اس کی تکذیب کرے اس حد تک کہ ان کے پیغمبر حضرت موسیٰؑ خود اپنی قوم سے دل برداشتہ ہو جائیں اور پھر اچانک وہ قوم ان قوانین پر یک بیک جان چھڑکنا شروع کر دے۔

یہودی علماء کی رائے خمیس موسیٰؑ یا اسفارِ خمسہ یعنی پانچ الہامی کتابوں کے تین ماخذ ہیں۔

(1) عہد نامہ

عہد نامہ کی بنیاد ان دو تختیوں پر ہے جو بقول یہود حضرت موسیٰؑ کو طور پر یہواہ نے دی تھیں۔ چونکہ ایک تختی پر خداوند کا نام "یہواہ" اور دوسری پر "الوہیم" درج ہے اس لئے ایک نوشتے کو Jehova یا

(J) اور دوسرے کو Elohim یا (E) کا نام دیا گیا۔ ان دونوں سے کتاب پیدائش کے مضامین مرتب ہوئے۔

(2) کتاب استثناء Denteronomic, Code

روایت ہے کہ یہ کتاب کاہن اعظم حلقیاہ نے یوشع بادشاہ کے زمانے میں ہیکل سلیمانؑ کے ایک گوشے میں دفن شدہ حالت میں پائی۔ یوشع کا زمانہ ۶۲۱ برس ق۔ م کا ہے۔ اسے " " کا نام دیا گیا۔

(3) ضابطہ کاہناں ECCLESIASTES

اسیری بابل کے بعد عزرا اور نحمیاہ نے مرتب کیں۔ موجودہ کتب "اعداد و احبار" بھی اسی سے ماخوذ ہیں۔

باب دوم میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ از روئے قرآن حکیم، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دلا کر ان سے وعدہ لیا تھا کہ اللہ کے فرمانبردار بندے بنیں گے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دوسری اقوامِ عالم پر فضیلت عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا، خود یہود کی کتاب "خروج" (۲۴ - ۷) میں اس حوالہ موجود ہے۔

> "اور اس نے (موسیٰؑ نے) عہد نامہ کی کتاب لے کر مجمع میں پڑھی اور حاضرین سے کہنے لگے: خدا نے جو حکم دیا ہے، ہم اس پر عمل کریں گے اور فرمانبردار رہیں گے۔"
>
> "یوشعؑ عہد نامہ کی ہر روز دو بار تلاوت کیا کرتے تھے لیکن خمیس موسیٰؑ پڑھنے کے لئے پورے سات دن کی تلاوت درکار تھی۔"
>
> (ملوک ۱۲ - ۱۰ - ۱۳ - ۲)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خمیس موسیٰؑ اور "عہد نامہ" دو مختلف کتابیں تھیں، نیز خمیس موسیٰؑ وہ عہد نامہ نہیں ہو سکتا جو آج یہودی قوم کے ایمان کی بنیاد ہے۔ سات سو برس میں خدا کے غضب اور اپنی بد اعمالیوں کے باعث انہیں جرأت ہی نہ ہوئی کہ عہد نامہ کے وہ حصے خمیس میں شامل کریں، جن کا تعلق ان کے اپنے وعدے سے تھا، البتہ انہوں نے دس احکامات کو رہنے دیا جو بالیقین عہد نہ تھے کہ حکم اور معاہدہ میں بہر طور فرق موجود ہے۔

حکمِ خداوندی کسی معاہدے کا پابندی نہیں کہ سرتابی کرنے والا مستوجبِ سزا ہے خواہ وہ اس پر عمل پیرا ہو یا نہ ہو لیکن عہد نامے سے مراد وہ واضح معاہدہ تھا جو یہود نے اللہ تعالیٰ سے کیا اور جس کی بنیاد پر انہیں اقوامِ عالم میں ممتاز کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اب ہم ان تختیوں اور ان دس احکامات کا تاریخی طور پر جائزہ لیتے ہیں جنہیں طُور پر بقول یہود، عنایت کیا گیا تھا۔ تاریخِ یہودیہ میں تختیوں کا تذکرہ سب سے پہلے ۲۱ سو برس قبل مسیحؑ میں ملتا ہے جب بابل کے عظیم بادشاہ حمورابی نے اپنے احکامات عوام تک پہنچانے

نے ڈکٹا پہاڑی پر ایسے ہی احکامات سے نوازا تھا۔ یونانیوں کو ان کے دیوتا واویونائی سس نے جسے " معطئ قانون " کہا جاتا تھا' پتھر کی دو تختیوں پر ایسے ہی قانون لکھ کر دیئے تھے' ایران میں زرتشت کو کوہ الوند پر اہرمن نے ظاہر ہو کر رعدو برق کی تجلیوں میں " کتابِ قانون " عطا کی تھی۔ قوانین کو غیر مرئی طاقتوں سے منسوب کرتے ہوئے ان قانون سازوں کا خیال یہ تھا کہ عوام' انسانی فکر کو قبول کرنے کے بجائے آسمانی احکامات زیادہ خندہ پیشانی اور تحیر و تعجب کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں' اور ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے منطقی استدلال کو تلاش نہیں کرتے۔ گمانِ غالب ہے کہ یہودی فکر نے بھی اس خیال کی پیروی کی اور اپنی قوم کے لئے قوانین مرتب کر کے انہیں حضرت موسیٰؑ سے منسوب کر دیا۔ حالانکہ حضرت موسیٰؑ طور سے اپنی قوم کے لئے احکاماتِ الٰہی وحی کی صورت میں حاصل کر کے لائے تھے جو ان کی قوم کی دین و دنیا کی دستگیری کے لئے کافی تھے لیکن اپنی فطرت سے مجبور ہو کر یہود نے اپنے مزاج کے مطابق قوانین وضع کئے اور خدا سے کئے ہوئے وعدے سے انحراف کر کے خسرالدنیاوالاخرہ کے مستوجب ہوئے۔

قبل اس کے کہ ہم یہودی قوانین کے بارے میں مزید تبصرہ کریں' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان دس قوانین کا جائزہ لیں جن پر دینِ یہود کا دارومدار ہے۔

دس قوانین Ten Commandments

(۱) " خدائے واحد و قہار کو مانا جائے گا۔ وہ بادشاہ ہے جو نظر نہیں آتا لیکن وہی قانون نافذ کرتا ہے۔ سزائیں دیتا ہے۔ اس نے بنی اسرائیل کو اپنے لئے منتخب کیا۔ خدا کے اپنے بندے اسرائیل۔ "

اس حکم کے تحت گزشتہ اڑھائی ہزار برس سے ہر یہودی ایک ہی کلمہ دہراتا ہے۔

" سن اے بنی اسرائیل۔ خداوند' تیرا خدا۔ تیرا آقا۔ ایک ہے۔ "

(۲) خداوند خدا کا کوئی بت نہیں تراشا جائے گا۔

(۳) خدا کا نام بلاوجہ نہیں لیا جائے گا۔ چنانچہ یہودی اسے Lord (آقا) کہہ کر پکارتے ہیں اور اس کا نام اس کے تقدّس کی وجہ سے زبان پر نہیں لاتے۔

(۴) ہفتہ کا دن سبت ہو گا۔ پرہیز گاری اور عبادات کا دن۔ اس دن کوئی اور کام نہیں ہو گا۔

(۵) ہر خاندان کا بزرگ اس کا سربراہ ہو گا' اس کا احترام گھر کے مردوں' عورتوں' غلاموں' بچوں غرض یہ کہ سبھی کو کرنا ہو گا۔ بیوی کے لئے حکم تھا کہ " تیری خواہش تیرے خاوند کے لئے ہو گی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔ "

(۶) بنی اسرائیل خدا کی مقبول اور مکمل ترین قوم ہو گی۔

(۷) بنی اسرائیل کے مرد عورتوں سے شادیاں کریں گے اور عورت کو شادی کے دن اپنی دوشیزگی کا ثبوت دینا ہو گا ورنہ اسے سنگسار کر دیا جائے گا۔

(۸) ذاتی جائیداد مقدس ہو گی۔ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ ہر سات برس کے بعد غلاموں کو

آزاد اور بنی اسرائیل کے آپس کے قرضے معاف ہو جائیں گے۔ ہر پچاسویں سال کو مقدس جانور اور سارے ملک میں آزادی کا اعلان کرو۔ ہر شخص کو خود مختار بننے کے لئے چھوڑ دو۔ تم ہر شخص کو اس کے خاندان میں لوٹا دو۔

(۹) تم جھوٹی قسم نہ کھاؤ گے۔ خدا کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھاؤ وہ دیکھتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے۔ جھوٹی گواہی کی سزا وہی ہوگی، جس کی وجہ سے گواہ نے مخالف کو نقصان پہنچانے کے لئے قسم کھائی۔ سزا کے اصول یہ ہوں گے "جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت، ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں، جلانے کے بدلے جلانا، کوڑے کے بدلے کوڑا۔"

(۱۰) تم اپنے پڑوسی کے گھر کی خواہش نہ کرو گے۔ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کو پانے کی خواہش نہ کرو گے اور نہ پڑوسی کی کسی اور چیز کو حاصل کرنے کی خواہش کرو گے تم اپنے پڑوسی سے اتنی ہی محبت کرو گے جتنی اپنے آپ سے۔

ان دس فرمودات پر تبصرہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اس رسم الخط کا جائزہ لیں، جس میں اس زمانے کے کتبات دستیاب ہوئے ہیں۔

حمورابی کے کتبے خط میخی، Nail Inscription میں لکھے ہوئے پائے گئے ہیں یہی طرزِ تحریر ایران کے کتبے میں پایا گیا ہے۔ اسیریا کے کتبے بھی اسی طرزِ تحریر کا نمونہ ہیں۔ حضرت ابراہیم کا اصل وطن بابل کا شہر اور تھا جہاں یہ رسم الخط رائج تھا اس لئے "عہدِ عتیق" اسی رسم الخط میں لکھا گیا ہوگا۔ تاہم حضرت یوسفؑ کے زمانے میں مصریوں نے خط تمثال Haerographics ایجاد کر لیا تھا۔ اہرام کے تہہ خانوں اور ممفس کے قدیم بت خانوں کی دیواروں پر یہی تحریر موجود ہے۔ اس رسم الخط میں اشیاء کو ان کی شکلیں بنا کر ظاہر کیا جاتا تھا۔ خط تمثال یا ہیرو غلیفطی یا خطِ طیوری میں افعال کے اظہار کا ذریعہ تو اس قدر مبہم ہے کہ لکیروں سے متضاد مفہوم بھی اخذ کیا جا سکتا ہے۔

رفتہ رفتہ ان شکلوں میں اختصار پیدا ہوتا گیا اور ان کی جگہ اشاروں نے لے لی۔ اہلِ فینیقیہ PHOENICIANS نے بالآخر ۲۲ آوازوں کے لئے حروفِ تہجی مقرر کر لئے، جن سے قدیم عبرانی اور یونانی رسم الخط وجود میں آئے۔ خیالِ غالب ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے تک یعنی حضرت یوسفؑ سے چار سو سال بعد تک یہ رسم الخط مرتب ہو چکا ہوگا اس لئے ہو سکتا ہے کہ توریت کے احکامات حضرت موسیٰؑ نے اسی رسم الخط میں تحریر فرمائے ہوں کہ آپ کی تربیت شاہی محلات میں ہوئی تھی۔ یہ سمجھنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ جس صندوقِ شہادت کو آپ نے اپنی قوم کے آگے ہیکلِ رواں کی صورت میں رکھنے کا حکم دیا تھا اس میں توریت کے اشعار بھی ہوں گے اور ان تبرکات کو حضرت سلیمانؑ نے ہیکل کی تعمیر کے بعد وہاں محفوظ کر دیا ہوگا۔ البتہ یہودیہ کی تاریخ کا اوّلین کتبہ نوسوق۔ م کا ہے جسے "سنگِ موابی" کہتے ہیں اور جس پر عبرانی زبان کے قدیم حروف نقش ہیں۔ قیدِ بابل کے بعد قوم کو عبرانی زبان بھول گئی لیکن عزرا کاتب نے مقدس صحیفوں کو عبرانی ہی میں لکھ کر محفوظ کیا۔

عہدِ عتیق کے زمانے میں کاغذ صرف اہلِ مصر ہی نے ایجاد کیا تھا۔ وادی نیل کے نیستانوں سے وہ ایک خاص قسم کے سرکنڈے کا مغز لے کر اسے پھیلاتے اور اسے سریش سے چپکا کر کاغذ بناتے۔ دوسری اقوام جو کاغذ سازی سے آگاہ نہ تھیں، چمڑے کو صاف کر کے لکھنے کے کام میں لاتیں۔ قاہرہ سے دس میل کے فاصلے پر قدیم قبطی گرجے اور ۲۶ سو پرانے ہیکل میں 'مَیں نے خود ہرن کے چمڑے پر لکھی ہوئی تورات اور انجیل دیکھی ہیں۔ قرآنِ حکیم میں "رق منشور" سے مراد یہی چمڑا ہے جسے Parchment کہا جاتا ہے۔

عہدِ عتیق کی ان کتابوں کے بارے میں ریورنڈ ہارن دیباچۂ علومِ بائبل جلد دوم میں کہتے ہیں عہدِ عتیق کی کتابیں دراصل عبرانی زبان میں ہیں اور دو ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔ ایک "آٹوگرافس" یعنی اصل مسودے اور دوسرے "اپوگرافس" یعنی وہ نسخے جو اصل نسخوں سے نقل کئے گئے۔ یہ نسخہ در نسخہ نقلیں کثرت سے استعمال کی گئیں لیکن اصل مسودے اور وہ قدیم نسخے بھی جن سے نقلیں اُتاری گئیں' ناپید ہو چکے ہیں' نئے نسخے جواب موجود ہیں دو قسم کے ہیں۔

اوّل: Roled یعنی قلمی نسخے جو معابد میں کام آتے ہیں' اسے آج کل Scrol یا طومار بھی کہا جاتا ہے۔

دوم: Square manuscript جو مربع تقطیع پر یا لکڑی کی تختیوں کو چوگوشہ کاٹ کر لکھے گئے ہوں یہ تختیاں صحیح مربع نہیں ہوتیں' بلکہ مستطیل بھی ہوتی ہیں اور انہیں تہہ در تہہ رکھا جاتا ہے۔ کتاب بھی SQUARe manuscript کی ہی ایک موجودہ شکل ہے۔ اس شکل کے نسخے دوسری صدی عیسوی یا اس کے بعد کے ہیں۔ پانچویں صدی تک ان میں اختلافات موجود رہے جس کی وجہ صرف نقل کرنے میں کوتاہیاں نہ تھیں بلکہ اس کا سبب یہ بھی تھا کہ عبرانی کے ۲۲ حروف میں حروفِ علت نہیں ہوتے تھے اور کئی حروف آپس میں متشابہ بھی تھے اس لئے ذرا سی بے احتیاطی یا سمجھنے میں کمزوری سے سارا مطلب غتربود ہو جاتا تھا۔ مثلاً کتاب "اوّل صموئیل" باب ۱۴' آیت ۱۸ میں لکھا ہے اور طالوت نے احیاہ سے کہا کہ تابوت یہاں لا کیونکہ تابوت اس وقت بنی اسرائیل کے پاس تھا۔" لیکن حقیقت یہ ہے کہ تابوت اس وقت بنی اسرائیل کے پاس نہ تھا بلکہ دشمن کے قبضے میں تھا۔ چنانچہ دیگر روایات اور تحقیق کی روشنی میں اصل عبارت یوں دریافت ہوئی۔

"طالوت نے احیاہ سے کہا کہ جبہ یہاں لا کیونکہ اس نے اس وقت جبہ کو پہنا۔"

اس غلط فہمی کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ حروف کے درمیان فاصلے کی علامت نہیں ہوتی تھی' چنانچہ غلط حروف جوڑنے سے عبارت کچھ سے کچھ خبر لاتی۔ یہودی علماء نے تورات میں اس قسم کی ۱۸ تبدیلیاں روا رکھی ہیں جو آج بھی حاشیے پر نقل کی جاتی ہیں۔ ان میں بعض تو محض قیاسی ہیں اور یہودی علماء نے اپنے خیال کے مطابق جائز قرار دی ہیں۔ مثلاً "کتاب پیدائش" باب ۱۸ آیت ۱۲ میں اس جملہ کو۔

تو کفّار کا خدا بھی نہ تھا۔ جس کو ممیّز کرنے کے لئے انہوں نے دنیا سے انوکھا اور ظلم و قہر اور رعب و دبدبہ کا دیوتا بنا کر پیش کیا۔

اس جابر و قاہر خدا کے تصوّر نے جو اسوریا اور بابل کے ظلم کے بعد یہود کو ملا۔ انہیں اتحاد ' سادگی اور توحید پرستی کا درس دیا ' لیکن نہ جانے ان کا خمیر کسی مٹی سے اٹھا تھا کہ خدا کے اس خوفناک ہیولے کے باوجود ان کے لئے اپنے بتوں اور سماجی برائیوں کو ترک کرنا ممکن نہ ہوا۔ یہاں تک کہ وہ یروشلم کے ہیکل سلیمانؑ تک میں اپنی صنم پرستی سے باز نہ رہ سکے اور انہوں نے سانپ کی بھی پوجا کی جو عستارات کے علاوہ تھا اور نشوونما کا مظہر ہونے کے اعتبار سے ہندو کے ' سنگم ' کے مماثل اور دانشوری " تیز رفتاری اور ابدیت کا دیوتا سمجھا گیا تھا۔ ابدیت اس لئے کہ وہ اپنی دم کو منہ تک لوٹانے کی قدرت رکھتا تھا اور اس طرح آغاز اور انجام ایک کر سکتا تھا۔

" احبار " کی دریافت سے اس دور کے یہود کی اس ذہنیت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ موسیٰؑ و ہارون کو پیغمبر ماننے کی بجائے انہیں ان کے معجزات کی بنیاد پر ساحر سمجھتے تھے اور خود کو جادو ٹونے اور ٹونکے کی نسبت سے ان کے پیروکار سمجھتے تھے اور اپنے دیوی دیوتاؤں کا مزاج معلوم کرنے کے لئے وہ پانسوں سے کام لیتے۔ یہواہ نے ان حرکات پر دھمکی دینے کی غرض سے اسوریا اور بابل کے حملوں میں انہیں غارت کروا دیا تاکہ اپنی غلطیوں کا احساس کر کے وہ پھر رب موسیٰؑ کی طرف پلٹیں۔

اس بربادی سے جہاں یروشلم اور ہیکل ملیامیٹ کر دیئے گئے۔ وہاں ان کے تبرکات جل گئے اور یہود غلامی اور جلاوطنی کی صعوبتیں اور اپنے لاکھوں عزیزوں کے قتلِ عام کے صدمات سہنے کو رہ گئے۔ بیرونی تہذیبوں کے اثرات نے انہیں اپنی لغزشوں اور یہواہ کی فرمودات کی بے حرمتیوں کا احساس دلایا اور پھر جب خورش اور کیخسرو نے انہیں آزادی بخشی تو وہ زیادہ ' باشعور ' اور ' مومن ' ہو کر پلٹے۔ اپنی جلاوطنی کے دوران بھی وہ احبار کی تلاوت کرتے رہے اور آزادی کے بعد بھی انہوں نے کنیسے بنا کر احبار کا ورد حرزِ جاں بنایا۔ ان کے نزدیک ' یہ مطالعہ اس قدر حقیقی ہے کہ اس مطالعے سے انہیں اپنے اب و جد کو سمجھنے ' ان سے ملاقات کرنے اور ان کے سائے میں بیٹھنے کا موقع ملتا ہے۔ انہیں محسوس ہوتا ہے کہ ہزاروں سال کے فاصلے مٹ گئے وہ قدیم یروشلم میں پھر لوٹ آئے۔ ارضِ مقدس کی ہوائیں ان کے زخموں پر مرہم لگانے لگیں۔ گویا یہ کتاب نہیں ان کی اپنی تاریخ ہے ' ان کی روایات کی تاریخ ہے ' ان کے اندوہناک ماضی کی پرشکوہ اور تابناک یادگار ' ان کی میراث جس پر ان کو ناز ہے ' انہیں بار بار یاد دلاتی ہے۔

" تم نبیوں کی اولاد ہو ' ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کی اولاد اور موسیٰؑ کی اولاد...... خدائے عظیم و بزرگ و برتر ' جابر و قاہر کی برگزیدہ قوم "۔

اسی تفاخر نے انہیں اپنے دین کو اپنی ذات تک محدود رکھنے پر مجبور کیا اور تبلیغ کو گوارا نہ کیا۔ خود کو علماء اور دانشور جانا اور دوسری اقوامِ عالم کو ' امی ' اور جاہل سمجھا۔ یروشلم کو دنیا کا صدر مقام قرار دیا۔ دنیا کی تمام قوموں پر یروشلم میں یہواہ کی بندگی لازم کی جو قومیں نہیں آئیں گی ' قحط اور خشک سالی کا عذاب سہیں

(۲) دوسرا حکم حکم بت پرستی کو قطعی طور پر ممنوع فرماتا ہے کہ یہواہ اس قسم کے مظہر کی گرفت میں نہیں آتا' لیکن یہود ہر دور میں نہ صرف خود بت بنا کر پوجتے رہے بلکہ اپنے پیغمبروں پر بھی بت سازی کا بہتان لگاتے رہے۔ حضرت موسیٰؑ سانپ بنانے کے مرتکب ٹھہرے' حضرت ہارونؑ گئوسالہ سامری کے فنکار قرار پائے۔ حضرت سلیمانؑ پر الزام تھا کہ انہوں نے اپنے بنائے ہوئے ہیکل میں بے شمار حجرے بتوں کے بنائے اور ان کی پرستش روا رکھی۔ چنانچہ جب وہ بابل اور نینوا کی لاٹھی سے ہانکے گئے اور یہود یہ خالی کرنے پر مجبور ہوئے تو اپنے بتوں کو بھی ساتھ لیتے گئے اور جب حضرت سلیمانؑ ان بتوں کی پرستش سے آزاد ہوئے تو انہوں نے اپنی تمام فنکارانہ صلاحیتیں پیغمبرانہ طرزِ تحریر اور اپنے نغموں کی موسیقی میں ڈھالنے کے لئے وقف کر دیں۔ لحن داؤدی کو متعدد سازوں کی سنگت دے کر اپنے تراشے ہوئے الہاموں کو پرِ پرواز عطا کی۔

(۳) یہوواہ نے اپنے تیسرے فرمان کی رو سے یہود کو اپنا نام بے جا طور پر استعمال کرنے سے منع فرمایا تھا۔ چنانچہ یہود نے آقا' مولا' بادشاہ اور خداوند خدا کے القاب سے اپنے خالق کو یاد کرنا شروع کیا۔ ایک طرف یہواہ کے تصور کی پاکیزگی کا یہ عالم کہ اس کا نام تک زبان پر لانا ارتکابِ گناہ اور دوسری طرف اس کے شریک اور مظہر بتوں کی شکل میں اس کی ترجمانی کے لئے ڈھالے جاتے رہے۔

(۴) اس حکم سے سبت کے دن کی حرمت کا اعلان کیا گیا۔ آقا نے اس دن یہود کو ہر تعمیری اور منافع بخش کام سے منع فرمایا تھا' لیکن اس کی حقیقی نوعیت عوام پر واضح نہ تھی۔ چنانچہ اب رومیوں کی تباہ کاریوں کے بعد یہ وضاحت قرار پائی کہ اس دن بونا' کاٹنا' پکانا' چرخہ کاتنا' گرہیں باندھنا اور کھولنا دوٹانکے بھرنا' ہرن کا شکار کھیلنا' دو حرف لکھنا' آگ جلانا ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک کوئی چیز اٹھا کر لے جانا۔ حجام کے سامنے بیٹھنا' درزی کا سوئی لے جانا' کاتب کا قلم اٹھانا' کپڑے صاف کرنے' چراغ کی روشنی میں پڑھنے' استاد کا کتاب کا مطالعہ کرنے' گرمی کھائے ہوئے مرد کا گرمی کھائی ہوئی عورت سے مل کر کھانے اور زیتون کے تیل کے علاوہ ہر قسم کے تیل جلانے پر مکمل ممانعت کا اعلان کر دیا گیا۔ بونے اور کاٹنے کے ذیل میں گڑھے میں پانی گرانا یا گڑھے کو مٹی سے بھرنا بھی شامل تھا۔

(۵) خاندان کی شیرازہ بندی کے اس باب میں گھر کے سب سے بزرگ فرد کو مرکز مان کر تمام گھرانہ اس کے گرد ایک چھوٹی سی ریاست کے طور پر تشکیل کیا گیا۔ اس ضمن میں داماد بھی لڑکی والوں کے خاندان کا ایک فرد قرار پایا۔ یہواہ کے حکم کے مطابق عورت کو مرد کا مطیع ٹھہرایا گیا تھا' لیکن یہود کی عورتیں خود سر خود مختار اور خود پسند ہوتیں اور تاریخ شاہد ہے کہ یہود نے انہیں ہمیشہ ذاتی اور سیاسی مفاد کے لئے استعمال کیا۔ انہوں نے اپنے جلیل القدر نبیوں کو بھی اپنی عورتوں پر فریفتہ اور ان کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے دکھایا ہے یہاں تک کہ اپنے جدامجد حضرت یعقوبؑ کو بھی اس ضمن میں معاف نہیں کیا۔

(۶) چھٹا فرمان ذاتی تکمیل اور کمال کے بارے میں تھا' لیکن اس کے برعکس تورات میں اس

حواریوں (متی' مرقس' لوقا اور یوحنا) کی ترتیب دی ہوئی ہیں جن سے وہ منسوب کی جاتی ہیں۔
تاریخی تحقیق کے بعد مرقس کی انجیل ۷۰ ء میں یروشلم کی تباہی کے بعد لکھی گئی' متی تقریباً ۱۱۹ ء میں' لوقا ۱۱۰ ء میں اور یوحنا کی انجیل ۱۳۲ سے ۱۴۰ ء کے دوران رقم کی گئیں' پھر ان اناجیل کے مواد اور موضوعات ایک دوسرے سے متضاد اور فاش تاریخی غلطیوں سے پر ہیں' خود عیسائی علماء کی رائے میں انہیں مرتب کرتے وقت تاریخی پس منظر ملحوظ نہیں رکھا گیا۔
مندرجہ بالا تحقیقات مستند عیسائی علماء ڈاکٹر ای اے ایبٹ اور پروفیسر شمائیڈل کی کاوشوں کا حاصل ہیں اور انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے مولفین سمیت بیشتر عیسائی محققین ان سے اتفاق کرتے ہیں۔
ان چاروں اناجیل میں ایسے واضح نقائص پائے جاتے ہیں کہ انہیں کسی طور الہامی قرار نہیں دیا جا سکتا' بلکہ ان واضح اور فاش غلطیوں کی موجودگی میں وہ فقرات بھی' جو حضرت عیسیٰؑ سے منسوب کئے گئے ہیں' مشتبہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی اپنی زبان آرامی یا مغربی آرامک تھی جبکہ یہ اناجیل اپنی اصلی صورت میں بھی یونانی میں تحریر ہوئیں۔ بعض مستند روایتوں کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی زبان میں ایک انجیل تھی ضرور اور اسے "انجیل یہود" بھی کہا جاتا ہے' لیکن یہ ۱۵۰ ء تک تو موجود تھی اس کے بعد کہیں کھو گئی اور مزید حوالوں میں اس کی کوئی خبر نہیں ملتی۔ ہو سکتا ہے بعد کی چاروں یونانی انجیلیں اسی انجیل پر بنیاد بنا کر لکھی گئیں اور پھر انہی پر دینِ عیسوی قائم ہوا لیکن اگر ایسا ہو بھی' تو بھی افسانہ در افسانہ اور خواب اندر خواب والا قصہ ہے۔ ایک تو روایاتِ یہود کو "عہدِ عتیق" کے طور پر سمجھئے اور پھر انہی یہود کی جدید تر روایات کو عہدِ جدید جان کر مانئے اور پھر ایمان لایئے حضرت عیسیٰؑ پر کہ ان کا باپ اللہ تعالیٰ ہے اور ماں روح القدس (نعوذ باللہ من ذالک)
چنانچہ اس پس منظر میں اگر آپ اسلام اور قرآن پاک پر نہ بھی یقین رکھتے ہوں تو حکیم نیٹشے ہی کے اس قول پر غور کریں۔

> "عیسائیت حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ اگر مصلوب نہیں ہوئی تو ان کے ساتھ آسمانوں پر ضرور اٹھالی گئی اور ان کے سراپا رحم' حلم' محبت' نیکی' شرافت اور پاکیزگی ایسی صفات والی مطہر و مقدس ذات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ فرما دیا کہ مسلمانانِ عالم آپ کی حقیقت کا آئینہ دیکھ کر اس عظیم شخصیت و کردار کے علمبردار بن جائیں۔ جسے آپ کے نام نہاد پیروؤں نے حکایات و روایات کے کفن پہنا کر دفن کر دیا تھا اور پھر اسے قبر میں بھی نہ رہنے دیا کہ تیسرے دن آپ کی لاش آسمان پر اٹھالی گئی"۔

اس باب میں ہمارے پیشِ نظر عیسائیت کی تصدیق یا تکذیب نہیں' ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان عقائد کا سرچشمہ کس طرح یہود کے ہاتھوں جاری ہوا اور اس مذہب کی ترویج و ترقی میں ان کے کیا مقاصد

یرمیاہ نے علی الاعلان فرمایا تھا۔

"خدا تمہیں جس دن مصر سے بچا کر لایا تھا' اس نے تمہیں بتوں کی پوجا اور اوٹ پٹانگ چڑھاوؤں اور منتوں کی اجازت نہیں دی تھی۔"

علی ہذا القیاس۔ اس تمام سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ یہود کسی نبی کے اعلیٰ کردار کو تو برداشت نہ کر سکتے تھے لیکن اس کے وحی والہام سے ضرور انصاف کرتے تھے۔

اب اسی اصول کو حضرت عیسیٰؑ پر جائز ٹھہرایا جائے تو ہم پر ظاہر ہو گا کہ ان سے منسوب توحیدِ الٰہی کا پرچار' بردباری' نکوکاری' شرافت' انسانیت' اخلاق' مساوات' محبت' عبادات اور عافیت کوشی کی تعلیمات تو صحیح ہیں اور اگر ان میں کسی قدر آمیزش بھی کی ہے تو روح متاثر نہیں ہونے دی گئی لیکن آپ کی ذات کے گرد مافوق الادراک اور ناقابلِ قبول ہالے تیار کئے گئے ہیں وہ یہود کی "ایجادِ بندہ" ہے قرآن حکیم نے اس حقیقت کو یوں منکشف کیا ہے

اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو مسیح عیسیٰؑ ابن مریمؑ اس کے جو اللہ نے مریمؑ کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے (جس نے مریمؑ کے رحم میں بچہ کی شکل اختیار کی) پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ "تین" ہیں باز آ جاؤ یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے وہ بالا تر ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔"

(ترجمہ سورہ النساء آیت نمبر ۱۷۱)

حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے بارے میں قرآن حکیم کی تصدیق کے بعد ہم مسلمانوں اور اس کتاب کے ماننے والوں کے لئے مزید کسی شبہے کی گنجائش نہیں رہتی لیکن آیئے ذرا ان کتابوں پر بھی ایک نظر دوڑائیں جو اس موضوع پر وقتاً فوقتاً یورپ اور امریکہ کے عیسائی اور مذہبیات کے ماہر علماء نے اپنی اپنی تحقیقات کی روشنی میں تصنیف کیں۔

ہمبرگ کے استادِ علومِ شرقیہ ہرمان ایمارس نے ۱۷۶۸ء میں "حیات مسیح" تصنیف کی جس میں انہوں نے عیسائیت اور یہودیت کا بغور جائزہ لینے کے بعد یہ واضح کیا ہے کہ

حضرت عیسیٰؑ کو عیسائی مذہب کا بانی قرار دینا مناسب نہیں اس لئے کہ آپ کی حیثیت محض یہودی رہبانیت کے ایک معتبر اور آخری رکن کی تھی۔ نیز یہ کہ حضرت عیسیٰؑ نے کسی نئے دین کا پرچار نہیں کیا بلکہ یہ اعلان کیا کہ دنیا کا خاتمہ ہونے والا ہے اور خداوند کا یومِ حسابِ ارواح قریب تر ہے"۔

۱۷۹۶ء میں ہرڈر نے ان واضح اختلافات کی نشاندہی کی جو حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں متی' مرقس' لوقا اور یوحنا کی اناجیل میں پائے جاتے ہیں۔ ۱۸۶۳ء میں رینان نے "حیات مسیح" کے عنوان سے وہ شہرۂ آفاق کتاب لکھی جس نے پوری عیسائی دنیا میں آگ لگا دی۔

فرانسیسی فکر کا نقطۂ عروج گزشتہ صدی کے آخر میں مشہور پادری " ایبے لوئی " کی ذات پر اس وقت ظاہر ہوا' جب اس نے بائیبل کے چاروں مولفین کا تنقیدی جائزہ لے کر انہیں متضاد اور ناقص ثابت کیا۔ چنانچہ پوپ نے اسے عیسائیت ہی سے خارج کر دیا۔ جرمنی میں " آرتھر ڈریوس " اور انگلستان میں ڈبلیو۔ بی سمتھ اور " جے ایم رابرٹسن " نے اپنی تحقیقات اور دلائل کی روشنی میں خود ذاتِ مسیح کو ایک واہمہ قرار دیتے ہوئے آپ کے وجود ہی سے انکار کر دیا۔

امریکی مورّخ " ول ڈیورنٹ " اپنی تصنیف Caeser and christ میں اناجیل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

" حضرت عیسیٰؑ کے لئے عیسائیوں کے پاس جو شہادتیں ہیں ان کا آغاز سینٹ پال کے نامہ جات سے ہوتا ہے' ان میں سے بعض " اپوکریفل " یعنی جعلی ہیں اور بعض کا سنِ تحریر ۶۴ء ہے' اتفاقِ رائے سے اصلی سمجھے جاتے ہیں کسی نے آج تک سینٹ پال کے وجود کو مشتبہ قرار نہیں دیا' یا ان کی پطرس 'جیمس اور یوحنا سے مکرّر ملاقاتوں سے انکار نہیں کیا۔ سینٹ پال بڑے حسد سے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ لوگ عیسیٰؑ کو ان کی زندگی میں جانتے تھے۔ مستند خطوط میں بار بار آخری دعوت اور صلیب دیئے جانے کا ذکر آتا ہے لیکن اناجیل کا معاملہ اتنا سادہ نہیں' وہ چار جو ہم تک پہنچی ہیں' ان متعدد اناجیل میں سے ہیں جو پہلی اور دوسری صدی کے درمیان عیسائیوں میں رائج تھیں۔ انگریزی لفظ " گاسپل " کا معنی بشارت ہے' مرقس کی انجیل کا پہلا لفظ ہے اور مسیحؑ کے آنے اور خدا کی بادشاہت کے قریب ہونے کے بارے میں ہے' متی' مرقس اور لوقا کی اناجیل ایک دوسری کے ساتھ ساتھ رکھ کر پڑھنے کی ہیں' یہ یونانی زبان میں لکھی گئی تھیں اور گرامر یا طرزِ تحریر کے اعتبار سے کوئی امتیازی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ان کی سادگی احساس اور بیان کی دلچسپی کو انگریزی زبان میں بادشاہ جیمس کے ترجمے نے بے حد بلیغ بنا دیا لیکن اس کوشش نے اسے قطعی طور پر غیر صحیح کر دیا۔

ان اناجیل کی ابتدائی نقلیں بھی ناپید ہیں۔ اصل کتابیں ۶۰ء اور ۱۲۰ء کے درمیان لکھی گئی تھیں اور ان کی نقول جو ہم تک پہنچی ہیں وہ تیسری صدی کی ہیں۔ گویا ان نقل در نقل اناجیل میں دو سو سال کی کتابت ہی کی غلطیوں کا شمار ممکن نہیں کہ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہر نقالی اپنے مزاج' عقیدے اور تصوّر کے تحت تبدیلی روا رکھنا جائز سمجھتا تھا اور اسے کوئی روکنے والا نہ تھا ۱۰۰ء تک عیسائی تاریخوں میں ان اناجیل کا کوئی حوالہ نہیں۔ ۱۲۵ء میں پاپیاس نے کئی حوالوں سے خبر دی ہے کہ " مرقس نے ان یادداشتوں کی بنا پر جو اسے پطرس نے مہیّا کیں '

انجیل مرتب کی ہے"۔ آج کے عیسائی علماء متفق ہیں کہ اس انجیل میں بھی آخری
بارہ آیات جن میں حضرت عیسیٰ کے زندہ ہو جانے اور آسمان پر تشریف لے جانے کا
ذکر ہے' دوسری صدی میں الحاق کی گئی تھیں"۔

برلن یونیورسٹی میں تاریخ کلیسا کا پروفیسر ہارنک What is Christianity میں کہتا ہے۔
"یہ سچ ہے کہ اول کی تین انجیلیں بھی چوتھی انجیل کی طرح تاریخی حیثیت سے گری ہوئی ہیں مگر یہ
اس غرض سے تحریر نہیں ہوئیں تھیں کہ واقعات کے مطابق قلم بند کی جائیں بلکہ غایت یہ تھی کہ ان کتابوں
کے ذریعے دینِ عیسوی کی بشارت دی جائے"۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ وہ اناجیل جو ہمارے اہلِ کتاب اپنے دین کی حقانیت کی سند کے
طور پر پیش کرتے ہیں الہامی نہیں اور ان میں یہودی فکر کار فرما ہے۔

"مطالعہ اناجیل" (study of Gospel) میں ڈاکٹر آر میتھیج رابنس لکھتے
ہیں "اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ پہلی انجیل متی کی لکھی ہوئی ہے"۔

ڈاکٹر ہارنک کے بقول "غالباً ۷۰ ء سے ۷۵ ء عیسوی میں لکھی گئی البتہ اس میں بعد میں
اضافے کئے گئے۔ مرقس کی تصنیف البتہ مصدقہ ہے اور اس کی تاریخ تصنیف ء ہے۔ گمان غالب
ہے کہ پطرس لکھنے اور وعظ کے سلسلے میں اپنی مادری زبان کے علاوہ کسی زبان سے کام نہ لیتا تھا اور یونانیوں
میں وعظ کرتے ہوئے اس نے مرقس کو اپنا ترجمان بنالیا ہو"۔

آگے چل کر ڈاکٹر رابنسن کہتے ہیں کہ "چاروں اناجیل کی مصدقہ حیثیت مشتبہ ہے' البتہ
مرقس کی انجیل کے بارے میں یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ انجیل معتبر ہے"۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے دوین
فلپس (Vivian Phil ips اپنی کتاب' کلیسا اور جدید تصورات churches
and Modern thoughts.) میں لکھتے ہیں کہ

"مرقس' پطرس حواری کا ترجمان تھا اور اس نے اپنی انجیل کو پطرس کی
روایت سے تحریر کیا تھا لیکن اس راوی کو صرف ایک سال اور بعض رجعت پسند
ناقدین کے بقول تین سال صحبتِ مسیح نصیب ہوئی' یہ حواری ناخواندہ تھا۔ حضرت
مسیح سے چالیس برس کے بعد مرقس روایت کرتا ہے' وہ غیر زبان میں تحریر کرتا ہے
اور یہ تحریر مختلف نقلوں سے گزر کر تیسری صدی میں پہنچتی ہے اور وہاں سے اپنی
آخری شکل پا کر عیسائی مذہب کا سنگِ بنیاد بن جاتی ہے لیکن مرقس کی انجیل میں مسیح
کی حیرت انگیز ولادت یا بچپن کے ان واقعات کا' جن کو ان کی نبوت کی سند کے طور پر
پیش کیا گیا۔ یا پہاڑی کے وعظ تک کا ذکر نہیں ملتا۔ دوبارہ جی اٹھنے کا ذکر چند جملوں
میں اور آسمان پر اٹھائے جانے کا حوالہ ایک سطر میں درج ہے' بدقسمتی سے یہ سطور بھی
مستند طور پر بعد کے اضافے ہیں۔ اس لئے فی الواقع انجیل مرقس میں خدا کے وجود

مسیح میں پیدا ہونے' دوبارہ جی اٹھنے یا آسمان پر اٹھائے جانے کا کوئی ذکر نہیں' اور ہمیں ان باتوں کو ماننے کے لئے زبانی روایتوں' گمشدہ مسودوں اور نامعلوم کاتبوں پر ایمان لانا پڑتا ہے اور ان عقائد کی تہہ تک پہنچنا پڑتا ہے جو عیسائیت کی روح رواں ہیں۔ کیا مقدس صحائف کے بارے میں اس سے زیادہ غیر تسلی بخش یا اشتباہ انگیز صورتحال ممکن ہے"۔

اس تمام تحقیق کے برعکس بغیر کسی تبصرہ کے اسقفِ اعظم کی "ویٹیکن کونسل" منعقدہ ۱۸۷۰ء کی وہ قرارداد ملاحظہ کیجئے جو "روح القدس" کے زیر اثر طے پائی۔

"عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کی اناجیل خداوند خدا کی لکھی ہوئی ہیں' اور اسی حیثیت سے چرچ کے حوالے کی گئی ہیں"۔

اس فیصلے کی رو سے کونسل نے "فتویٰ" صادر کیا کہ "جو شخص ان کتابوں کی تقدیس اور الہامی ہونا تسلیم نہ کرے گا' یا ان کے کسی حصے سے اختلاف کرے گا "کافر" کہلائے گا"۔

اور ان اناجیل کی رو سے سینٹ پال نے کہا "دنیا میں بدی کیوں ہے؟............اس لئے کہ ہم گناہ میں پیدا ہوئے"۔

"ہماری نجات کیسے ممکن ہے؟............اس لئے کہ یسوع مسیحؑ نے مصلوب ہو کر ہمارے گناہ اپنے کندھوں پر اٹھا لئے ہیں"۔

ظاہر ہے کہ یہ وہ عقائد ہیں جن سے یہود نے آج سے دو ہزار سال پہلے کی دنیا کو "عہدِ عتیق" پر ایمان لانے کی ترغیب دلائی اور خود اس کے وارث کی حیثیت سے "واجب الاحترام" بن بیٹھے۔ عیسائی علماء متفق ہیں کہ شروع میں پال عیسیٰؑ کا بدترین دشمن تھا' پھر حواری بنا اور بالآخر عیسائیت کا واحد سرچشمہ قرار پایا۔ آج اس کے اقوال خداوند خدا کی تحریر ہیں اور ان سے انحراف کفر ولادینی کی سند۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

مسیحؑ میں پیدا ہونے، دوبارہ جی اٹھنے یا آسمان پر اٹھائے جانے کا کوئی ذکر نہیں، اور ہمیں ان باتوں کو ماننے کے لئے زبانی روایتوں، گمشدہ مسودوں اور نامعلوم کاتبوں پر ایمان لانا پڑتا ہے اور ان عقائد کی تہہ تک پہنچنا پڑتا ہے جو عیسائیت کی روح رواں ہیں۔ کیا مقدس صحائف کے بارے میں اس سے زیادہ غیر تسلی بخش یا اشتباہ انگیز صورتحال ممکن ہے"۔

اس تمام تحقیق کے برعکس بغیر کسی تبصرہ کے اسقفِ اعظم کی "ویٹیکن کونسل" منعقدہ ۱۸۷۰ء کی وہ قرارداد ملاحظہ کیجئے جو "روح القدس" کے زیر اثر طے پائی۔

"عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کی اناجیل خداوند خدا کی لکھی ہوئی ہیں، اور اسی حیثیت سے چرچ کے حوالے کی گئی ہیں"۔

اس فیصلے کی رو سے کونسل نے "فتویٰ" صادر کیا کہ "جو شخص ان کتابوں کی تقدیس اور الہامی ہونا تسلیم نہ کرے گا، یا ان کے کسی حصے سے اختلاف کرے گا "کافر" کہلائے گا"۔

اور ان اناجیل کی رو سے سینٹ پال نے کہا "دنیا میں بدی کیوں ہے؟............ اس لئے کہ ہم گناہ میں پیدا ہوئے"۔

"ہماری نجات کیسے ممکن ہے؟............ اس لئے کہ یسوع مسیحؑ نے مصلوب ہو کر ہمارے گناہ اپنے کندھوں پر اٹھا لئے ہیں"۔

ظاہر ہے کہ یہ وہ عقائد ہیں جن سے یہود نے آج سے دو ہزار سال پہلے کی دنیا کو "عہدِ عتیق" پر ایمان لانے کی ترغیب دلائی اور خود اس کے وارث کی حیثیت سے "واجب الاحترام" بن بیٹھے۔ عیسائی علماء متفق ہیں کہ شروع میں پال عیسیٰؑ کا بدترین دشمن تھا، پھر حواری بنا اور بالآخر عیسائیت کا واحد سرچشمہ قرار پایا۔ آج اس کے اقوال خداوند خدا کی تحریر ہیں اور ان سے انحراف کفر و لادینی کی سند۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

عیسیٰ اور یہودی

ہم نے دیکھا کہ یہود کا تصورِ خداوندی

مخصوص تھا' وہ اسے پابند بنانے پر مصر تھے' ان کا دین بھی ان کے لئے مخصوص تھا جو بنی اسرائیل کو معراج عظمت عطا کرنے کا وسیلہ تھا جس میں اسباطِ یعقوبؑ کے علاوہ کسی کے لئے گنجائش نہ تھی۔ ان کا یہودیہ بھی انہی کی سرزمین تھا۔ جسے وہ کائنات کا مرکز بنانے کے خواہاں تھے۔ اس مرکز کا دل یروشلم تھا جہاں وہ دودھ اور شہد کی نہریں بنانے کے لئے بیتاب تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے جب ان کے ان تصورات کے برعکس ایک عالمگیر تصورِ خداوندی کی تلقین شروع کی' ان کے ہوائی قلعوں کو ڈھانے کے لئے وعظ و الہام سے کام لیا ان کے ہوسِ اقتدار کو رد کر کے محبت واخوت کا پیغام دیا۔ غریبوں' اپاہجوں' مظلوموں' یتیموں اور بیواؤں کی دادرسی کی' جن کی بے بسی یہود کے احبار کی دکانیں چمکایا کرتی تھی۔ غرور کو شکست دینے کے لئے آپ نے حلم اور عجز کا راستہ اختیار کیا۔ آپ کی سریلی آواز ناتوانوں کی توانائی اور بے چاروں کا چارہ کار تھی اور آپ کا درس خستہ حالوں کے دلوں کا مرہم اور اندھوں کے لئے آنکھوں کا نور تھا۔ یہودیہ کی مظلوم و مقہور دنیا میں حضرت عیسیٰؑ صبح کا اجالا' ستاروں کی دھڑکن اور شہد کی مٹھاس لے کر آئے لیکن یہ لطافتیں یہواہ کے تصورِ خداوندی کے لئے طوفانِ نوحؑ تھیں۔ یہود کی خصوصی علاماتِ حیات کے لئے موت کا پیغام تھیں اور وہ صدیوں سے جس عظمت واقتدار کا خواب دیکھتے آئے تھے اس کی شکست و ریخت کے لئے بارود میں چنگاری کا کام کرتی تھیں۔ چنانچہ آپ ہی کے حواریوں کے بقول ایک حواری یہوداہ Judas نے بغاوت کا الزام لگا کر آپ کی مخبری کر دی۔ یہودی چند سپاہی

لے کر رات کے وقت دوڑ پڑے۔ آپ کے حواری دشمنوں کی صورتیں دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور یوں وہ معصوم نبی اللہ گرفتار ہوا۔ یہود نے آپ کو یہودی شریعت کے مطابق سنگسار کرنا چاہا، لیکن رومی حکمران پونٹیشس پائلٹ نہ مانا چنانچہ جرم بغاوت میں صلیب پر چڑھا کر مارنے کی سزا تجویز کی کہ آپ خود کو "یہود کا بادشاہ" کہتے تھے۔ پائلٹ نے ردوکد کے بعد چھوڑنا چاہا لیکن یہود برابر غل مچاتے رہے کہ آپ کو "معلونی موت" یعنی پھانسی دی جائے۔ حاکم نے آپ کو کوڑے لگوا کر سپاہیوں کی حفاظت میں دے دیا کیونکہ پائلٹ کو آپ کی بے گناہی کا یقین تھا۔ سپاہی آپ کو (کالوری) پہاڑ پر لے گئے اور یہود نے آپ کو جاتے ہوئے دیکھا۔ انجیل (یوحنا باب ۲۰، آیت ۲۲) کے مطابق مسیحؑ، باغبان کے روپ میں اپنی ایک مریدہ مریم گلدانی کو نظر آئے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ سپاہیوں نے آپ کو چھوڑ دیا، خود حواری معترف ہیں کہ گرفتاری کے بعد سجدے میں گر کر آپ رات بھر دعا کرتے رہے۔ "پروردگار! مجھے ملعونی (یعنی پھانسی کی) موت سے بچانا"۔ یہ جلیل القدر پیغمبرؑ معصوم کی دعا تھی۔ ابراہیمؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، اور یوسفؑ کے گھرانے کے مقبول پیغمبرؑ کی التجا تھی، کیوں نہ سنی جاتی۔ بالیقین مقبول ہوئی اور یہود کی تمام حکایات و روایات پر قرآن حکیم کی یہ آیت دلالت کرتی ہے۔

ترجمہ! "حالانکہ فی الواقع انہوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا" (سورۃ النساء آیت ۱۵۷)

یہاں ہمارا مقصد عیسائی فکرو عقائد کی تکذیب نہیں بلکہ مقصود یہود کا حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ سلوک کا جائزہ لینا ہے۔ آج سے دو ہزار سال پہلے کا ذکر چھوڑیئے آج بھی آپ کے بارے میں ان کی رائے پر غور کیجئے، جس کی ایک مکمل تصویر Encyclopedia of Jewish Knowledge میں جو جیکب ڈی ہاس نے ترتیب دی ہے اور جس کی طباعت نیویارک میں ۱۹۴۶ء میں ہوئی، پیش ہے۔ "عیسیٰؑ عیسائی مذہب کے بانی اور مرکزی شخصیت تھے۔ آپ جنوبی جلیل کے قصبے ناصرہ میں یوسفؑ اور مریمؑ کے گھر پیدا ہوئے۔ سن پیدائش 2 سے 4 عیسوی کے درمیان ہے آپ کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ گھرانے کی زبان آرامی تھی۔ یسوعؑ صوفی منش تھے اور دنیا کے خاتمے کو قریب جان کر انسانی معاشرے کی عملی ضروریات سے لاتعلق رہے۔ آپ کے اخلاقیات اگرچہ یہودی ہیں لیکن غیر طبعی ناقابلِ عمل حد تک آدرشی اور عمل کی دنیا سے کٹے ہوئے ہیں"۔ ملاحظہ کیجئے کہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے تقریباً دو ہزار برس کے بعد انہیں کس انداز اور کن خصوصیات سے روایت کیا گیا ہے ان کے بھائی اور بہن کی تلاش کر کے ان کے کنبے کو اپنی صوابدید سے وسعت دے کر حضرت مریمؑ کی وہ تعظیم و تکریم جو ان سے وابستہ ہے سراسر منہا کر دی، امن کے عظیم اخلاقیات و اطوار کو سراسر یہودی بتا کر تمام اعزاز یہود کی جھولی میں ڈال دیا اور اس کے ساتھ ہی اسے غیر طبعی اور ناقابل عمل و فہم بتا کر اسے یہودی سے کمتر اور کم مقتدر ظاہر کیا لیکن حقیقت میں یہود آپ کے مرتبے سے ایسے اجنبی بھی نہ

تھے۔حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ آپ کا پیغام پا لیتے تو اس یہواہ کا کیا کرتے جس نے اقوامِ عالم پر یہود کو فضیلت دے کر انہیں من مانی کارروائیوں کی بشارت دی تھی وہ اپنے اس خواب کا کیا کرتے جس کا تقاضا یہ تھا کہ ساری دنیا ان کے قدموں میں جھک جائے'وہ یروشلم کا کیا کرتے جسے انہوں نے ساری کائنات کا مرکز بنانے کا وعدہ کر رکھا تھا.........وہ خود پسندی وہ نخوت' وہ غرور' جسے اسوریا اور بابل کے قتل و غارت غلامی اور ذلّت بھی ان کے سروں سے نہ نکال سکی' جو ان کی گھٹی میں پڑ چکی تھی اور جسے یونان و روما کا جابرانہ تسلّط اور ان کے عظیم ترین حکماء' فلاسفر اور ان کا تمدّن بھی نہ مٹا سکا۔ اسے حضرت عیسیٰؑ کی ذاتِ واحد کیسے مٹا دیتی چنانچہ یہود نے ان کی زبان بند کر دی' لیکن وہ ان کی آواز نہ دبا سکے اور جب انہوں نے دیکھا کہ سچ کی آواز دنیا میں نورِ سحر کی طرح پھیلتی جا رہی ہے تو انہوں نے اس میں رات کی تاریکی ملا دی۔ کفر کی ظلمت پھیلا دی' جھوٹ کی آمیزش سے پست کیا۔ یہاں تک کہ جلالِ خداوندی کا جوش ان کی جانب متوجہ ہوا' اور وہ یہودیہ سے نکال کر دنیا کی آندھیوں کے حوالے کر دیئے گئے تاکہ تنکوں کی طرح اڑیں اور اپنی حقیقت کو پہچانیں۔ چنانچہ اپنی معرکتہ الآرا تصنیف "اینٹی کرائسٹ" Antichrist میں عظیم فلسفی نیٹشے نے حضرت عیسیٰؑ کو ان بہتانوں اور تہمتوں سے پاک کیا ہے۔جن سے بقول اس کے انجیل بھری پڑی ہے اور جنہیں آپ کے حواریوں نے آپ سے منسوب کر کے آپ کے کردار اور شخصیت کو آلودہ کر دیا تھا۔ کون مان سکتا ہے کہ محبت' علم اور بندگی کے پیامبر مسیحؑ اپنی آسمانی بادشاہت کا پیام دیتے ہوئے فرمائیں گے۔ "مت سمجھنا کہ میں دنیا میں امن پھیلانے آیا ہوں' میں امن بن کے نہیں آیا۔ بلکہ ایک تلوار" (متی۔ ۱۰ - ۳۴) نیٹشے کا خیال ہے کہ گزشتہ دو ہزار سال میں کوئی شخص حقیقی یسوعؑ کو نہیں دیکھ سکا۔ جس کسی نے دیکھا' آپ کی پیغمبری کو دیکھا' آپ کو نجات دہندہ جانا آپ کو امراضِ خبیثہ کا مسیحا قرار دیا لیکن کسی نے محسوس نہیں کیا کہ اس پاکیزہ' مقدّس اور منزہ شخصیت میں ایک پست' گری ہوئی اور تنگ نظر شخصیت کی آمیزش بھی پائی جاتی ہے۔ جس نے معاشرہ' تہذیب' محنت اور دنیا کے ہر کاروبار سے انکار تو کیا' ادراک ہی نہیں کیا۔ وہ شخصیت تو محض اپنے داخلی تجربے ہی کو بیان کرتی ہے۔ زندگی' نور اور حق صداقت...... اس کے علاوہ ان کے پاس زندگی کا کوئی مفہوم نہ تھا۔ اسی لئے آپ نے عملی جدوجہد سے دنیا کو حسین بنانے کے بجائے آسمانی بادشاہت کی تلقین کی' نیٹشے کے الفاظ میں۔ "عیسیٰؑ اس دور کی پیداوار تھے جب مردانگی مر چکی تھی اور کمزوری' تقدّس کا روپ دھار چکی تھی۔ عیسائیت عہدِ عتیق کی لاش سے پیدا ہوئی اور اس نے اپنے زمانے کے سراپا ذلّت لوگوں کے لئے مرہم کا کام کیا لیکن وہ لوگ بھلا حقیقت کیا جانتے جن کی آنکھیں اور کان وقت کے ہاتھوں دیکھنے اور سننے سے قاصر ہو چکے تھے۔ چنانچہ ایسے زمانے میں پاکیزگی اور نیک نیتی کا درس اور موت کے بعد حیاتِ ابدی کا تصوّر اپنی جگہ بے حد خوش آئند سہی لیکن پھر اس شخص کے لئے جو زندگی کا ارتقا چاہتا ہے' عیسائیت زہر ہے۔ اس سے بچوں کی سی معصوم روحیں اور حیوانی فطرتیں یکساں طور پر کمزور اور بے حس ہو جاتی ہیں' کوئی نہیں جانتا کہ عیسائیت پروان چڑھی ہے۔ اس پر خدا نے شیطان

کا شکریہ ادا کیا یا شیطان نے خدا کا.......... عیسائیت بڑی عیاری سے اس مصنوعی افیون کو چھپانے کا حسنِ عمل رکھتی ہے جو طبعی طور پر کمزور اور غم واندوہ سے بوجھل روحوں کو سکون دیتی ہے۔ اس میں شروع سے آخر تک ان لوگوں کے صدق وصفا سے کوئی ذاتی ہمدردی نہیں جن کی روحیں مغلوب ہو گئیں۔ عیسائیت جسم سے نفرت کرتی ہے اور اس نفرت کی وجہ سے عیسائیت وہ عظیم ترین بدقسمتی ہے جو کسی دور میں بھی انسان کو لاحق ہوئی۔" "اینٹی کرائسٹ" کے آخر میں نیٹشے اپنا دل نکال کر رکھ دیتا ہے، وہ کہتا "میں عیسائیت کو مجرم ٹھہراتا ہوں۔ میں عیسائی چرچ کے خلاف وہ ہولناک ترین فردِ جرم عائد کرتا ہوں جو کسی وکیل نے کبھی کسی کے خلاف عائد نہ کی ہوگی کہ میرے نزدیک عیسائیت ان تمام بدکاریوں میں سے جو خیال میں آ سکتی ہیں' انتہائی مکمل بدکاری ہے"۔ عیسائیت کے بارے میں نیٹشے کا یقین اس قدر پختہ تھا کہ اس نے بائبل کے خلاف جہاد کیا اور اس کے نعم البدل کے طور پر عیسائی دنیا کو اپنی کتاب "یوں کہا زرتشت نے" Thus spake Zarathustra پیش کی۔ "
میری تعریف اس بات سے ہوتی ہے' جس بات پر میں باقی کی تمام انسانیت سے جدا کھڑا ہوں یہ حقیقت ہے کہ میں نے عیسائیت کے اخلاق کو بے نقاب کیا۔ کسی نے آج تک عیسائیت کے اخلاق کا جائزہ نہیں لیا۔ اس مقصد کے لئے ایک بلند مقام' ایک دوررس نظر اور ایک گہرے نفسیاتی شعور کی ضرورت تھی جو آج تک ممکن نہ تھا اب تک عیسائیت کا اخلاق تمام فلسفیوں کی منزل تھی اور وہ اس کی خدمت پر کمربستہ تھے کون ہے وہ شخص جو میرے دور سے پہلے ان زمین دوز غاروں میں اترا۔ جہاں سے دنیا کو خراب کرنے والی اس منزل کے زہریلے دھوئیں اٹھتے تھے' کون ہے جو اتنا سوچنے کی جرائت بھی کر سکا کہ یہاں زمین دوز غار بھی ہیں۔ میرے پیش رو فلسفیوں میں سے کوئی ماہرِ نفسیات بھی ہوا۔ ماہرِ نفسیات! نہ کہ اعلیٰ دھوکے باز! آورش کا پجاری! اس لئے میرا سچ خوفناک ہے کہ آج تک جھوٹ کو سچ کا نام دیا گیا۔ انسانیت کو ہوش میں لانے کے لئے میرا نسخہ تمام اقتدار کی قدرِ فہمی ہے۔ یہ مقصد میری جان اور میرا شعور بن گیا۔ میرے مقدر نے فیصلہ دیا کہ میں پہلا شریف انسان بنوں اور صدیوں کے کذب وافترا کے خلاف ڈٹ کر کھڑا ہو جاؤں میں اپنا مقدر جانتا ہوں' ایک دن ایسا بھی آئے گا جب میرا نام ایک زبردست معرکے کی یاد دلائے گا ایک ابتلاء جس کی مثال بھی اس زمین نے نہیں دیکھی' شعوروں کی مکمل ترین آویزش کی یاد......اور پھر اس شے کے خلاف جس پر ایمان لایا گیا' جس کی پوجا کی گئی' جس کو مقدس جانا گیا فیصلہ صادر کیا جائے میں انسان نہیں ہوں' میں ڈائنامائٹ ہوں"۔ عیسائیت کے بارے میں نیٹشے کے یہ کلمات جس جذبے اور یقین کے حامل ہیں۔ اس پر کسی تبصرے کی گنجائش نہیں۔ اس کا انتقال گزشتہ صدی کے آخری سال میں ہوا اور اس پیش گوئی کے مطابق دنیا کو ایسے زبردست معرکے درپیش ہوئے جن کی مثال بھی تو تاریخ گزشتہ میں نہیں ملتی' عیسائی دنیا اس صدی میں دوبار ٹکرائی۔ دو عظیم جنگوں نے اس دنیا کے پرخچے اڑا دیئے اور اس کے ساتھ ہی انسانی فکر و شعور' اخلاق واقدار کا دیوالہ بھی پٹ گیا۔ انسانیت کا جنازہ نکل گیا لیکن نیٹشے کے ان کلمات کی صداقت پر کسی کو غور کرنے کی فرصت نہیں ملی کہ عیسائیت کے جھوٹ کی تطہیر کر

کے حقیقی ایمان اختیار کرنے کا وقت آ پہنچا ہے' وہ جھوٹ جو یہود کی سازش' مکّاری اور شیطنت کا شاہکار ہے اور جو اگر اب بھی علیحدہ نہ کیا گیا تو اپنے ساتھ ان سچائیوں کو بھی بہا کر لے جائے گا جو مسیحؑ نے آج سے انیس صدیاں پہلے آشکار کی تھیں۔ تاریخ خاموش ہے دو ہزار سال پرانے ماضی کے گھپ اندھیروں میں روشنی کی کوئی کرن ایسی نہیں جو ان یہود کے مکروہ چہروں کو دیکھ سکے۔ جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب ہونے کے لئے یکا و تنہا چھوڑ دیا اور پھر فوراً بعد آپ کے آسمان سے دوبارہ نازل ہونے کے انتظار میں یروشلم جا بیٹھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ لوگوں کے گناہوں کا بار اپنے کندھوں پر لے کر صلیب پا گئے اور اب وہ خدا کی بادشاہت نافذ کرنے کے لئے فرشتوں کی فوج لے کر دوبارہ تشریف لائیں گے۔ خود عیسیٰؑ کی زندگی میں بھی ان حواریوں میں ان منصوبوں اور عہدوں کے لئے جو تم پیزار ہوتی تھی' جو یہ خدا کی بادشاہت کے نفاذ کے بعد حاصل کرنے والے تھے' ان کے بقول عیسیٰؑ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ان میں سے ہر ایک کو تخت پر بٹھایا جائے گا تاکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کی عظمت برقرار رہ سکے۔ انہیں یقین تھا کہ یہ دن انہیں اپنی زندگی میں ہی دیکھنا نصیب ہوگا۔ بائبل کے بقول حضرت عیسیٰؑ نے کہا تھا۔ "بلاشبہ' تم میں سے بعض جو یہاں کھڑے ہیں اس وقت تک موت کی لذت نہیں چکھیں گے' جب تک وہ آدم کے بیٹوں کو اپنی بادشاہت میں نہیں دیکھ لیں گے"۔ چنانچہ یہود یروشلم میں مقیم ہو گئے اور آپ کے فرمودات پر سر دھننے لگے' انہوں نے اپنی دولت اور سروسامان دوسروں کی بھلائی اور خیرات میں بانٹ دیا۔ کھانے پینے کے معاملے میں وہ حضرت عیسیٰؑ کا اتباع کرتے' لیکن باقی ہر اعتبار سے وہ یہودی ہی تھے اور حضرت عیسیٰؑ کو بھی یہودی ہی کی حیثیت سے مانتے تھے۔ وہ اپنے ہم قوموں کے ساتھ ہیکل کی عبادات میں شریک ہوتے۔ سبت کی حرمت کو برقرار رکھتے اور سوائے اس کے کہ وہ عیسیٰؑ کو مسیح مانتے تھے اور آپ کی آسمانی بادشاہت اور زمین پر دوبارہ واپسی پر ایمان رکھتے دوسرے یہود سے کسی طور مختلف نہ تھے۔ اس زمانے میں بھی یورپ' شمالی افریقہ اور یہود کے گردونواح کے علاقوں سے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں یہود یروشلم جاتے اور اپنے عقائد کے مطابق یاترا کرتے۔ یہودیہ سے نکلنے کے بعد انہوں نے ان براعظموں میں اپنی بستیاں آباد کر رکھی تھیں جہاں وہ خاصے متمول اور فارغ البال تھے اور پوری سیاسی آزادی سے زندگی بسر کرتے تھے لیکن یروشلم کی محبت انہیں اپنے اصل سے وابستہ رکھتی اور وہ باقاعدگی سے ہر سال حریم ہیکل میں جمع ہوتے۔ انہوں نے دوسرے ملکوں کے خیالات کو جذب کرنا شروع کیا اور جب بھی یروشلم آتے' ان خیالات کو اپنے ساتھ لاتے۔ یہودی تارکینِ وطن اقلیت میں ہونے کے سبب بردباری اور ملائمت کا جذبہ زیادہ استعمال کرتے۔ عہدِ عتیق اور "ترگم" کا مطالعہ بھی کرتے اور افلاطونی فلسفے کو اپنے مذہب کا جزو بھی ٹھہراتے۔ انہیں کی اکثریت حواریوں کی تعلیمات سے متاثر ہوئی اور یروشلم سے واپسی پر عیسائیت کے پرچار بن جاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ عیسائیت کا وجود انہی کا مرہونِ منت ہے۔ یہ یہود یونان و روما میں عیسائیت کا تحفہ لے کر گئے اور یوں "امیوں" کو ان یہودی عقائد کی سوغات ملی جو محض یہود کے لئے مخصوص تھی اور

جس کا ثمر فقط انہی کے قبائل تک محدود تھا۔

اس مقام سے یہود میں دو فرقے پیدا ہو گئے' ایک ان قدامت پسند یہود کا جو عیسائیت کو بھی یہودیت کا جزو قرار دے کر اپنے لئے مخصوص کرنا چاہتے تھے اور دوسرے یونانیوں کا جو قوانین موسیٰ سے نجات پانا چاہتے تھے اور عیسائیت کو ایک جداگانہ مذہب کی حیثیت سے قبول کرنا چاہتے تھے۔

دوسرے گروہ کا سرغنہ پال تھا۔ جس نے باقی حواریوں سے اختلاف کیا اور اعلان کیا کہ اسے الہام کے ذریعے غیر یہود اقوام میں تبلیغ کی اجازت مل گئی ہے۔ اس سلسلے میں یروشلم میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں طے پایا کہ غیر یہود کو موسوی قوانین کا پابند نہیں کیا جائے گا وہ ختنہ کرانے سے بھی آزاد ہوں گے البتہ ان پر ایسے جانوروں کا کھانا حرام ہو گا جو ذبح نہ کئے گئے ہوں۔ عیسائیت فروغ پانے لگی اور بہت جلد بت پرست اقوام اپنے رنگوں اور تہذیبوں سمیت اس نئے مذہب میں داخل ہو گئیں۔ چنانچہ یونانی دیوی' دیوتاؤں کے قصے حضرت عیسیٰؑ کی حیات میں شامل کر دیئے گئے۔ مصریوں نے عیسیٰؑ کو تثلیث میں بانٹ دیا اور فلسفۂ فلاطوں کو عیسائیت کا جوہر ٹھہرایا۔ اس نبی کو جس نے یہ کہا تھا۔ "مجھے پاک کیوں کہتے ہو۔ کوئی پاک نہیں سوائے ایک کے' جو خدا ہے"۔ اسے خود خدا بنا دیا گیا اور خدا نہیں تو خدا ثلث سمجھا گیا' ان عقائد نے عیسائیت اور یہودیت کے درمیان دیوار کھڑی کر دی۔ یہود کو خدا کی محبوب قوم تو اب بھی تسلیم کیا جاتا تھا' لیکن محض یہود کی نجات کے عقائد کفر قرار پائے۔ عیسائیت کے ان انقلابات پر یہود دم بخود رہ گئے۔ انہوں نے تو عیسائیت کا پرچار غیر یہودی اقوام میں اپنی اغراض کے لئے کیا تھا۔ وہ مبلغ بن کر بحیرۂ روم کے ساحلوں پر اس لئے پھیلے تھے کہ عیسیٰؑ کی بادشاہت کا اقرار کرا کے انہیں یروشلم کے یاترا کے لئے لے جائیں گے اور ان سے پیسے بٹوریں گے' ان سے اپنی عظمت پارینہ اور ذاتی تقدیس کا خراج لیں گے اور انہیں اپنے قدموں میں جھکا کر یہواہ کے عہد عتیق کی تکمیل دیکھیں گے لیکن جب عیسائیت نے تورہ اور خود ساختہ قوانین سے انحراف کیا۔ سور کھانے کو جائز قرار دیا تو یہودیوں نے انہیں کافر کہنا شروع کیا اور ان پر اپنے کنیساؤں کے دروازے بند کر دیئے۔ اس کے نتیجے میں عیسائیوں نے یہودی معبدوں کے طرز پر اپنے گرجے بنا لئے اور آپس میں اسی مروت' محبت اور خلوص کا ثبوت دینے لگے جو اجنبی سرزمینوں میں رہنے کی وجہ سے یہودیوں کا شعار بن چکا تھا۔ ایک یہودی کہیں بھی جا سکتا تھا کہ اس کے بھائی بندوں کے دروازے اس کے لئے ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔ عیسائیوں نے اس کے مقابلے میں ایک دوسری برادری کو جنم دیا جس میں وجۂ اشتراک خون کے رشتوں کے بجائے ایمان کی بنیاد تھی اور اس طرح یہود اور عیسائی ایک دوسرے سے کٹ کر ایک دوسرے مقابل آتے گئے۔ یہودی اقلیت میں ہونے کے سبب عیسائیت کے ہاتھوں پٹتے رہے۔ مسیحی بھیڑیں' بھیڑیوں کی طرح نبرد آزما ہوئیں۔ یہود یہ رومیوں کے ہاتھوں خاک میں مل گیا۔ یہود کے لئے جائے پناہ کے تمام امکان مفقود ہو گئے چارو ناچار انہوں نے عیسائیت کو اپنے زہر سے آلودہ کرنا شروع کیا تاکہ اس کے لئے تریاق ہو جائیں اور کسی آئندہ دور ہی میں سہی عیسائی دنیا کو اپنے قدموں میں جھکانے کا امکان پیدا کر سکیں۔ "عیسیٰؑ اور پطرس کی

عیسائیت" ول ڈیورنٹ کے بقول 'یہودیت کے عین مطابق تھی پال کی عیسائیت میں یونانی فکر در آیا۔ کیتھولک سکول میں رومی فلسفہ داخل ہو گیا۔ پروٹسٹنٹ اٹھے تو انہوں نے یہودیت کے عناصر اور رسوخ کو بحال کر دیا"۔ "غرض یہ کہ عیسائیت کی ترویج اور اناجیل دونوں کی صحت قطعی طور پر ناقابل قبول ہے کہ ہر دو کی شہ رگ پر یہودیت کی مہر ثبت نظر آتی ہے"۔ ول ڈیورنٹ کے مندرجہ بالا الفاظ ہمارے ذہنوں میں ایک تقابلی جائزہ بیدار کرتے تھے ایک طرف کربلا کا میدان ہے جہاں نواسہؓ رسولؐ اپنے لشکریوں سے مخاطب ہے کہ: "مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور جو اپنی جان بچانا چاہتا ہے رات کی تاریکی میں جا سکتا ہے۔" لیکن اس اجازت سے فائدہ کسی نے اٹھانے کے لئے سوچا بھی نہیں بلکہ اس کے برعکس دشمن سپاہ کا کماندار امام عالی مقام کی صدق و صفا' جرأت اور حق کی شہادت سے متاثر ہو کر اپنی جمعیت سے کٹ کر آپ کی طرف سے شامل ہوتا ہے اور اپنی جان بھی آپ پر نچھاور کر دیتا ہے اور دوسری طرف نینوا سے چند میل کے فاصلے پر یروشلم میں چھ سو سال پہلے ایک نبی بر حق کے بارہ حواریوں میں سے ایک آپ کو گرفتار کراتا ہے' دوسرے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ شہر کے یہود جو ہیکل سلیمان میں سالہا سال سے اپنے نجات دہندہ' اپنے مسیحا' اپنے بادشاہ کے لئے رو رو کر دعائیں کیا کرتے تھے' جو اس کے انتظار میں ستاروں کی رفتار دیکھتے تھے اور غاروں میں فقر و فاقہ کے عالم میں گڑگڑا کر اپنے یہواہ سے التجائیں کرتے تھے' وہی یہود اسی مسیحا کو سنگسار کرنے کی تجویز کرتے ہیں۔ اپنے رومی حکمرانوں سے منتیں کر کر کے اسے صلیب دلوانے کی درخواست کرتے ہیں اور جب وہ حکمران بھی آپ کو بے گناہ سمجھتا ہے تو آپ پر حکومت کے خلاف بغاوت کا بہتان لگاتے ہیں اور جب وہ حکمران پھر بھی آپ کو بہانے سے آزاد کرنا چاہتا ہے تو ان کا شور و غل ان کی نفرت 'ان کی حقارت اسے مجبور کرتی ہے کہ آپ کو اپنے سپاہیوں کے حوالے کر دے اور ان کی دستبرد سے بچانے کے لئے پہاڑی پر بھجوا دے۔ آخر آپ نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟ حضرت عیسیٰؑ تو سراپا حلم' سراپا محبت اور سراپا نور شخصیت تھی' وہ یہود پر اللہ کا احسان تھا اُن یہود پر جو صدیوں تک پتھروں کو خدا ماننے والے' صدیوں تک کوڑیوں کے بھاؤ بکنے والے' بابل اور نینوا کے بازاروں میں اپنی عورتوں اور بچوں کو بکتا ہوا دیکھنے والے' یوسفؑ کو کنوئیں میں جھونکنے والے' عیسیٰؑ کی جان کے درپے تھے تو اس لئے کہ انہیں حسن ذات' حسنِ بیان' حسنِ عمل' حسنِ ادا' حسنِ حقیقی' غرض ہر قسم کے حسن سے کد تھی۔ حضرت عیسیٰؑ نے ان یہود کو "سانپوں اور بچھوؤں کی قوم" کا لقب دیا تھا اور یہ قوم اپنے زہر اور کوڑھ کو دوام دے کر ساری دنیا کو اسی کا خریدار بنانا چاہتی تھی۔

حضورؐ کے صحابہؓ کی جاں نثاری' نواسۂ رسولؐ کے ساتھیوں کی وفا اور ان یہود حواریوں کی جفا ایک عجیب و غریب تقابلی مطالعہ پیش کرتی ہے لیکن مقامِ حیرت ہے کہ عیسائیت نے ان بے وفا حواریوں میں سے ایک ایک پر اعتبار کیا' ان سے منسوب کتابوں کو کلام الٰہی جانا۔ ان کے کہنے پر عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا جانا۔ ان کے فکر و فلسفہ کو انجیل مقدس ٹھہرایا۔ کیا یہ وہی نہ تھے جنہوں نے عدالت میں عیسیٰؑ کی نبوت سے انکار کیا تھا اور انہیں دیوانہ قرار دیا تھا تو پھر وہ پیغام جو عیسیٰؑ پر نازل ہوا تھا۔ عیسیٰؑ کے بعد انہوں نے کیسے اور کیوں

کر محفوظ رکھا۔ ان یہود نے تو "عہدِ عتیق" سے وہ عہد نامہ بھی غائب کر دیا تھا جس پر دین موسیٰؑ قائم تھا۔ انہوں نے توان تختیوں کو ناپید کر دیا تھا۔ جن پر یہواہ نے اپنی انگلی سے لکھ کر انہیں احکامات بھیجے تھے۔ انہوں نے موسیٰؑ سے بےوفائی کی' یہواہ سے غداری کی' ہیکل سلیمان کو سکندرِ اعظم پر کھول دیا۔ یونانیوں اور رومیوں کے بتوں کو اپنے کنسیاؤں میں جگہ دی۔ ان کا ایمان اور کردار کب اس قابل تھا کہ اس کے بھروسے پر اعتقادات اور ایمان کی بنیاد رکھی جاتی۔ کس طرح یقین کیا جائے کہ اسی عیسیٰؑ کے تین حواری اس کے دین کے علمبردار بن جائیں اور اپنے ناموں سے منسوب کر کے انجیل مقدس کو ترتیب دیں' ان اناجیل کو جن کے نامہ جات بھی جعلی ثابت ہوئے اور پھر ان کی لکھی ہوئی یا لکھوائی ہوئی کتابوں میں سے ایک بھی محفوظ نہ رہ سکی' یہ امر بھی تحقیق سے پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ متی اور لوقا کی انجیلیں مرقس کی انجیل ہی سے مستعار ہیں۔ "پہاڑی کا وعظ" جو ان اناجیل کی جان ہے۔ حکمائے یونان کی کتابوں سے حرف بہ حرف نقل کیا گیا اور اس کا حضرت عیسیٰؑ کی ذات سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور جہاں تک جان یعنی یوحنا کی انجیل کا تعلق ہے تو اول تو یہ جان ہی وہ ثابت نہیں ہوتا جو حضرت عیسیٰؑ کا حواری تھا' بلکہ تحقیقات کے مطابق یہ ایشیائے کوچک کا غیر یہودی باشندہ بتایا جاتا ہے۔ پھر اس انجیل کا سرچشمہ حضرت عیسیٰؑ کے اقوال و ارشادات اور ملفوظات کے بجائے فلو Philo کا فلسفہ دکھائی دیتا ہے۔ فلو ایک یہودی تھا جو یونانی فلسفے سے متاثر ہوا' اسے ۴۰ء میں سکندریہ کے یہود نے کیلی گولہ کے دربار میں ایک وفد کا رکن بنا کر اپنی سفارش کے لئے بھیجا تھا اس کی ساری زندگی تورات کی آیات کو افلاطون کے فلسفے کے مترادف ٹھہراتے گزری وہ افلاطون کو مقدس ترین افلاطون کہا کرتا تھا۔ اس کے خیال کی رو سے عہدِ عتیق کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک تشبیہی معنی' جن کی وجہ سے تمام واقعات' کردار اصول اور قوانین علامتیں بن کر بعض اخلاقی اور نفسیاتی صداقتوں کو پیش کرتے ہیں۔ فلو کے فلسفے کے مطابق ہر شے کی اصل خدا کی ذات میں ہے جو کائنات کا سببِ اول ہے' وہ کون سی جگہ ہے جہاں خدا نہیں لیکن اس کے علاوہ مادہ بھی حقیقی ہے اور ابدی ہے اگرچہ جب تک مادہ میں خدا کی روح نہ ہو' وہ متحرک متشکل اور زندہ نہیں رہ سکتا۔ مادہ کو صورت دے کر دنیا کو پیدا کرنے اور انسان سے اس کا تعلق استوار کرنے کے لئے خدا نے کچھ درمیانی کڑیاں پیدا کیں' جنہیں یہود "فرشتے" اور افلاطون "خیالات" کہتا ہے ہم انہیں شخصیت کے اعتبار سے جانتے ہیں۔ اگرچہ یہ صرف خالق کے ذہن ہی میں خیال اور طاقت کے طور پر رہتے ہیں۔ یہ خیالات اور طاقتیں مل کر لوگاس LOGAS یعنی "دلیل ربانی" بن جاتے ہیں اور دنیا کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس دلیل ربانی کو فلو "خدا کی پہلی تخلیق" اور "دوشیزۂ دانش کے بطن سے خدا کا فرزند کا نام بھی دیتا ہے۔ اس کے بقول روح چونکہ خدا کا جزو ہے اس لئے خدا تو نہیں لیکن "لوگاس" یعنی 'دلیل ربانی' کا مشاہدہ ضرور کر سکتی ہے تاہم اس لئے بعض ریاضتیں اور عبادتیں ضروری ہوتی ہیں وہ 'لوگاس' کو مائدہ آسمانی اور 'ساقی یزدانی' بھی کہتا ہے۔ ان تشبیہات سے پال اور یوحنا نے 'یوکرائسٹ' کی رسم مستعار لی اور اس کے ذریعے عیسائیوں کو ذات

عیسیٰ میں فنا کر دیا۔ فلو نے عہدِ عتیق' کی آیات بے ربطی اور لغزشوں سے بچانے کے لئے انہیں داخلی معانی کا حامل ٹھہرایا اور محض شاعرانہ زبان میں اظہار کرتے ہوئے ان تشبیہات سے کام لیا جو یوحنا کی انجیل کے پہلے باب کی جان بن گئیں اور بالاخر الہام کی حیثیت پا کر پوری عیسائی دنیا کا ایمان قرار پائیں۔ عیسائی پادریوں نے فلو کے فکر اور فلسفے کی آڑ لے کر عہدِ عتیق پر تحقیقات کے حملوں کو روکا لیکن اس کدو کاوش میں ان کی اپنی الہامی کتاب "یوحنا کی بائیبل" فلو کے فلسفے کی روشنی میں ماند پڑ گئی اور اس کی دھوپ میں اس کا چربہ تک اڑ گیا۔ گویا یہود کی مہربانی سے ایک ایسا مذہب پروان چڑھا جس نے یونان اور روم کی عظیم تہذیبوں کو ملیا میٹ کر کے سارے یورپ کو جہالت اور عظمت کے حوالے کر دیا اگر مسلمان ہسپانیہ اور ترکی سے آفتاب قرآن اور اپنے نورِ ایمان کی ضیاء باریاں کر کے اسے بیدار نہ کرتے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خوابِ غفلت میں کھو جاتا اور اسے ذرے کا دل چیرنے اور چاند پر زقندیں لگانے کی ہمت کبھی نصیب نہ ہوتی۔ یہ بحث کہ یوحنا کی انجیل یونانی مفکریں کو عیسائیت کا قائل کرنے کے لئے دوسری یا تیسری صدی عیسوی میں لکھی گئی' یہاں لاحاصل ہے کہ یہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں' ورنہ خود عیسائی مورّخیں اور مفکرین قائل ہیں کہ ان اناجیل کو بنیادی فکر مستعار ہے عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بنانے کے لئے فلو کے چراغ سے روشنی لی گئی اور مریمؑ کو مادرِ خدا (معاذ اللہ) اور آسمانی ملکہ بنانے میں مصری تخیل سے مدد لی گئی جو اگلے وقتوں میں ایک کنواری دیوی Isis آئی سس اور اس کے بیٹے Horas ہورس اور اس کے آسمانی باپ OSRIS اسارس کی پرستش پر مشتمل تھی۔ یہ مصری اصنام روم میں بھی پوجے جاتے تھے۔ چنانچہ اس فلسفے کی تشہیر اور قبولیت کے بعد ان بتوں کو گرجا گھروں میں جگہ دی گئی۔ عیسائی پیرو کاروں کے لئے ستم ظریفی کی بات تو یہ ہے کہ بعد میں اسلام کی طلوع سحر کے بعد اس تصوّر کے خالق قبطی پجاری تو مسلمان ہو گئے' لیکن ان کی عطاء عیسائیت کے سر پر ہمیشہ کے لئے چسپاں ہو کر رہ گئی۔

70ء

پچھلے ابواب میں ہم حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ یہود کا برتاؤ دیکھ آئے ہیں۔ یہود اگر حضرت عیسیٰؑ کا پیغام پا جاتے تو یقیناً آج تاریخ کی شکل ہی کچھ اور ہوتی لیکن انہوں نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے پیغام کو بھی درخورِ اعتنانہ جانا بلکہ اپنے جھوٹے وقار اور گھمنڈ میں آ کر ان کی تکذیب کی اور ان کی تعلیمات کو غلط رنگ میں پھیلانے کی سازشیں کرنے لگے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد یہودیہ اور یہود اس ظلم و تشدّد کا شکار ہوئے کہ الامان والحفیظ' یروشلم ایک بار پھر تاراج ہو گیا اور یہود آگ اور خون کے سیلاب سے گزرتے ہوئے منتشر ہو کر یورپ' ایشیا اور شمالی افریقہ میں پناہ گزین ہوئے لیکن وہ جہاں بھی گئے اور جس حال میں بھی گئے اپنی عظمت کے ڈنکے پیٹنے سے باز نہ رہے اور یہ خیال ان کے ذہن میں ہمیشہ اوپر رہا کہ وہ تمام اقوامِ عالم میں سب سے افضل ہیں اور باقی تمام امتیں ان کے آگے "امی" ہیں۔

عیسائیت کو اپنا مطیع بنانے کے لئے انہوں نے اپنے تین نکات کو ترویج دی۔

اول: اپنی غلامی' غربت' بے بسی' بے چارگی اور بے مائیگی کو دلیلِ عظمت گردانا کہ اس طرح ان پر "آسمان کی ابدی بادشاہت کے دروازے" ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھل جائیں گے۔

دوم: اپنے گناہوں کا بار عیسیٰؑ پر ڈالا' جو "خدا کا بیٹا" ہوتے ہوئے بھی اپنے ماننے والوں کو گناہوں سے پاک کرنے کے لئے صلیب پر چڑھ گئے۔

سوم: انبیائے بنی اسرائیل پر ایمان رکھنا اور ان کتابوں کو ماننا جنہیں ۷۰ء ق۔م سے لے کر ۲۵۰ء تک یہودی احبار لکھتے رہے اور اپنی قوم کو "امیوں" کے ساتھ گڈمڈ ہونے سے بچانے کی

کوششیں کرتے رہے یہ کتابیں بھی انجیل کے ساتھ الہام کا مقام پا گئیں ،لیکن ان کے قوانین سے سینٹ پال کے ایک خط نے عیسائی قوم کو عمل کرنے سے بچا لیا اور نہ عجب نہ تھا کہ "عیسائی بھیڑیں" انہیں نا قابلِ عمل جان کر عیسائیت ہی سے برگشتہ ہو جاتیں لیکن اس تمام کے باوجود یہود حواریوں کی فکر ان مفادات کے بارے میں سوچ بھی نہ سکی جو ان کی آئندہ نسلوں پر مرتب ہونے والے تھے جب انہوں نے اپنے دین کی شاخ کی قلم اپنے شجرے سے کاٹ کر روم کی سرزمین پر لگائی اور جس نے تین سو برس بعد بر گدبن کر سر اٹھایا اور سارے یورپ ، شمالی افریقہ اور وسطی ایشیا کو اپنے سائے میں لے لیا۔ دوسرے باب میں ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ یونانیوں کی تباہ کاریوں کے بعد یہودیہ پر روم کا تسلّط قائم ہو گیا تھا۔ ۵۴ ق م میں شام کے رومی گورنر نے ہیکل کو لوٹا اور وہاں سے تقریباً ۳۶ لاکھ روپے کا سونا لے کر چل دیا اس کی موت پر یہود نے بغاوت کی اور اس کے جانشین لابخائنس نے ۴۲ ق ۔ م میں اس بغاوت کو فرو کرتے ہوئے تیس ہزار یہود کو غلام بنا کر بیچ دیا۔ ۳۷ ق ۔ م میں یہودیہ پر ہیرود اعظم کا تسلط قائم ہوا ،اور اس نے ۴ ق ۔ م تک یہود کو خوشحالی اور سکون بھی دیا ، جو انہیں صدیوں سے میسّر نہ آیا تھا اور یونانی علوم و فنون کے ان خزانوں سے حصہ بھی بخشا ، جنہوں نے یہودیت کو افلاطون اور ارسطو سے روشناس کر کے تورات میں نئے زاویئے پیدا کرنے کا شعور عطا کیا لیکن ہیرود ، جو تخت پر لومڑی کی طرح قابض ہوا ، شیر کی طرح حکومت کرتا رہا۔ بالآخر اپنی عمر کے آخری دنوں میں دیوانگی کے باعث کتے کی موت مرا" ۔ اس کی موت پر یہود نے اس کے جانشین کے خلاف بغاوت کی۔ چنانچہ ۳۰۰۰ یہود یروشلم میں قتل ہوئے اس پر بھی باغی باز نہ آئے تو ہیرود کے جانشین آرچیلاس کی فوجوں نے ہیکل کے گردونواح میں آگ لگا دی ،اس کے خزانوں کو لوٹ لیا اور بے شمار یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب یہ بغاوت یروشلم سے نکل کر دیہات میں پھیل گئی۔ شام کا رومی گورنر وارس ان کی سرکوبی کے لئے بیس ہزار کی فوج لے کر یہودیہ میں داخل ہوا۔ اس نے دو ہزار باغیوں کو پھانسی دی اور تیس ہزار یہودیوں کو غلام بنا کر بیچ دیا۔

۶ ء میں روم کے شہنشاہ آگسٹس نے یہودیہ کو داخلی آزادی عطا کی لیکن اسے شام کے گورنر کی تحویل ہی میں رہنے دیا۔ ۶ ء اور ۷ ء میں رائے شماری کے رومی طریق کار نے یہوذ میں بغاوت کے بیج بوئے اور ان میں ایک خاص طبقہ اٹھا جس نے خود کو "سرفروش" کہنا شروع کیا۔ یہ طبقہ ۷۰ ء میں یہودیہ کی مکمل تباہ کاری تک بہرحال موجود اور سرگرمِ عمل رہا اس کا دائرہ خاص طور پر جلیلیہ کا صوبہ تھا۔

۶ ء میں دارالحکومت یروشلم قیصریہ منتقل ہو گیا اور حکومت کا تمام نظام ہیکل کے اسقفِ اعظم اور اس کے نمائندوں کے ہاتھوں میں دے دیا گیا جو ملک میں انصاف بھی کرتے اور تورہ کے مطابق لوگوں سے نذرانے اور جزیہ بھی وصول کرتے۔

۱۴ ء میں آگسٹس کی موت پر طائبیریس روم کا شہنشاہ بنا۔ اس کے ۲۳ سالہ عہد میں یہودیہ مسلسل سازشوں اور ہنگاموں کا مرکز رہا اور داخلی خود مختاری جو آگسٹس نے عطا کی تھی آہستہ آہستہ ان ہنگاموں کی زد میں آ گئی ،سرکاری احکامات کے مطابق یہود کو یہواہ کے نام پر جتنے چڑھاوے اور نذرانے پیش

کرنا ہوتے تھے' وہ تمام تر شہنشاہ روما کے واسطے اور وسیلے سے چڑھانا ہوتے تھے' چنانچہ "سرفروشوں" کے لئے عوام کو مذہب کے نام پر روم کے خلاف بھڑکانا بہت آسان ہو گیا۔ کیلی گولا کا اعلان دیوتائی جلتی پر تیل ثابت ہوا' اس کے احکام کے مطابق یونان کے محروسہ علاقوں میں اس کے بتوں کو بھی دیوتاؤں کے ساتھ پوجا جانے لگا اور اس فہرست میں یہودیہ کے علاوہ رومی قلمرو میں شامل تمام ممالک شامل تھے۔ دوسری طرف یہوواہ کے پجاری شہنشاہ کے نام پر چڑھاوے تو چڑھاتے رہے لیکن انہوں نے اس کے بت کو ہیکل اور کنسیاؤں میں رکھنے سے انکار کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق کئی سو یہود شام کے گورنر کے پاس اس بارے میں ایک فریاد بھی لے کر گئے۔ تین دن تک بچے' بوڑھے' عورتیں' مرد' بھوک' پیاس اور گرمی کی شدّت کے باوجود اپنے مطالبے پر ڈٹے رہے اور انہوں نے شہنشاہ کا بت اپنے معبدوں میں رکھنا منظور نہ کیا۔ اسی دوران سکندریہ میں کیلی گولا نے سختی کا مظاہرہ کیا اور جن یہود نے اس کی بندگی سے انکار کیا تھا' ان کے گھروں پر دھاوا بول کر قتلِ عام کیا گیا۔ کنسیاؤں میں کیلی گولا کے بت زبردستی رکھ دیئے گئے۔ حمایت نہ کرنے والے راہبوں کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔

بالعموم یہودیہ کے فریسی اپنے مذہب پر طرح طرح کے حملے خندہ پیشانی سے قبول کر لیا کرتے تھے' لیکن کچھ "سرفروشوں" نے صادک کی قیادت میں جلیلیہ میں مذہبی امور پر زیادہ سختی کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا۔ اس قیادت کی بنا پر ان "سرفروشوں" کو "صدوکی" کہا جانے لگا۔ یہودیہ کے گورنر ایٹی پاس نے ان سے مفاہمت کرنا چاہی' لیکن جب اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر اپنے رضاعی بھائی کی بیوی سے شادی کر لی تو یہود بھڑک اٹھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواری یوحنا نے اسے مطعون قرار دیا' اس نے جواباً یوحنا کو مروا دیا۔ اس سے لوگوں کے جذبات بھڑک اٹھے۔ چنانچہ ۳۹ ء میں شہنشاہ کیلی گولا کے حکم سے ایٹی پاس قتل کروا دیا گیا۔

ایٹی پاس سے پہلے ۲۶ ء سے ۳۲ ء تک یہودیہ کا گورنر پائلٹ تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھایا تھا۔ اپنے دورِ گورنری میں اس نے ہیکل کے روپے کو خیراتی اور شہری بہبود کے کاموں پر صرف کرنا شروع کیا' جس پر یہود سخت برہم ہو گئے چنانچہ بائیبل کی روایات کے مطابق اس نے یہود سے انتقام لینے کے سلسلے کا آغاز کیا اور انہیں طرح طرح کی تکلیفوں اور مشکلوں کا شکار بنایا۔

فلو یہود کی جانب سے گزارشات پیش کرنے ۴۰ ء میں روم پہنچا لیکن ابھی اس کی گزارشات پر غور نہیں ہوا تھا کہ ۴۱ ء میں کیلی گولا قتل کر دیا گیا۔ کیلی گولا کے قتل کے بعد کلاڈیس اول شہنشاہِ روم کی حیثیت سے تخت نشین ہوا' اس نے ہیرود اعظم کے پوتے اگرپا کو سارے فلسطین کا بادشاہ مقرر کیا اور یوں ایک طویل عرصے کے بعد تین برس کے لئے یہود پر ایک یہودی حکمران مقرر ہوا۔ ۴۴ ء میں اس کی موت پر فاؤس اس کا جانشین بنایا گیا۔ اس کے عہد کی خاص بات یہ تھی کہ اس دور میں تھیوڈاس نے "نبوت یہود" کا دعویٰ کیا۔ کثیر تعداد میں یہود اس کے دعوے پر ایمان لائے لیکن فاؤس نے تھیوڈاس اور اس

کے پیروکاروں کو قتل کرواکر اس سلسلے ہی کو ختم کر دیا۔

کیوماس نے جو ۴۸ء تک یہود کا گورنر تھا' ہیکل میں قتلِ عام کروادیا اور اس کے دور میں جلیلیہ اور اسماریہ کے درمیان جھڑپیں شروع ہوگئیں۔ ۵۲ء سے ۶۰ء تک فیلکس گورنر رہا۔ اس کے زمانے میں بغاوت کو ہوا ملتی رہی۔ اور یہود کی نفرت کا جذبہ شدید سے شدید تر ہوتا گیا۔ رومیوں کے ہم فکر اور ہمدرد اس نفرت کا ہدف بنتے گئے۔ صدوکیوں نے ان لوگوں کے قتلِ عام کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس میں اسقفِ اعظم کا قتل بھی روا رکھا گیا۔ اس سے بدامنی اور شوروشر کی ایک فضا تشکیل پاکر سارے ملک میں پھیل گئی' اس پر طرّہ یہ کہ ان پر ایسے گورنر بھیجے گئے جو غرور اور ظلم کر مرکب تھے۔ فلورس کے بارے میں یوسیفس کا کہنا ہے کہ وہ گورنر کے بجائے جلّاد تھا۔ اس نے چوروں ڈاکوؤں اور قاتلوں کو بڑی بڑی رقمیں لے کر رہا کر دیا۔ ان حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے صدوکیوں نے جان بازوں اور شمشیر برداروں کے گروہ پیدا کئے جو ہر اس یہودی کو قتل کر دیتے جس کے بارے میں "روم نوازی" کا شائبہ ہوتا۔ گورنر فلورس نے ہیکل کے سرمائے میں سے سونے کے (۱۷) توڑے حاصل کئے تو یہود کے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا۔ نوجوانوں نے اس ذلّت کی تشہیر کرنے کے لئے بھیک کے کاسے لے کر نکلنا شروع کر دیا۔ فلورس کے سپاہیوں نے یہودیوں کے ہجوموں پر تلواروں سے حملے کئے' لوگوں کے گھر لوٹے اور انہیں برسرِعام رسوا کرنا شروع کر دیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن میں ۳۶ سو یہود قتل ہوئے۔ بڑے بوڑھے یہود جب جوانوں کو صبر کی تلقین کرتے تو نوجوان انہیں بزدلی کا طعنہ دیتے اور روما کے زرخرید ٹھہراتے۔ یروشلم جس کی آبادی ایک لاکھ نفوس پر مشتمل تھی' دو حصوں میں بٹ گیا۔ شمالی یروشلم اور جنوبی یروشلم اور دونوں حصے ایک دوسرے سے برسرِپیکار ہوگئے۔

۶۸ء میں ان جھڑپوں نے باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ ۱۲ ہزار یہود اس جنگ کا شکار ہوئے۔ جن میں اکثریت امیر گھرانوں کے لوگوں کی تھی۔ باغیوں نے روما کی فوجی چوکی کا بھی محاصرہ کیا اور رومن سپاہیوں سے ہتھیار چھین کر انہیں بھی قتل کر دیا۔ اس کے نتیجے پر قیصریہ کے غیر یہود نے ۲۲ ہزار یہودی مار ڈالے اور ہزاروں کو غلام بنا کر بیچ دیا۔ دمشق میں بھی ۲۰ ہزار یہودی موت کے گھاٹ اتارے گئے اور کثیر تعداد غلام بنالی گئی۔ انتقاماً باغیوں نے فلسطین اور شام کے کئی رومی شہروں کو نذرِ آتش کیا اور بچے' بوڑھے' عورت' مرد کی تمیز کئے بغیر قتلِ عام روا رکھا۔ یوسیفس کے بقول "شہروں میں لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے' ان میں ننگے بچے' بوڑھے' عورتیں سبھی تھے لیکن انہیں دفن کرنے والا کوئی نہ تھا۔" ستمبر ۶۶ء تک بغاوت عام ہوگئی اور ایک یروشلم ہی کیا' سارا فلسطین اس رو میں بہہ گیا۔

وسپاشین نے فلسطین کے باقی علاقوں کو زیر کرنے کے بعد سکندریہ کی راہ لی اور ٹائیٹس نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ شہر میں ۶ لاکھ باغی جمع تھے' ہر وہ شخص جو لڑنے کے قابل تھا' مسلّح تھا' عورتیں مردوں کے دوش بدوش کھڑی تھیں لیکن اسی دوران قحط پھیل گیا۔ یہود خوراک کے لئے نکلتے اور شب خون مارتے۔ انجام کار ہزاروں یہود رومیوں کے ہتھے چڑھ کر تہہ تیغ ہوگئے۔ یوسیفس کے بقول "صلیبوں کے

لئے جگہوں کی کمی تھی' پھانسیاں جسموں کے انتظار میں تھیں"۔

یہ محاصرہ پانچ مہینے جاری رہا۔ اس دوران ایک لاکھ سولہ ہزار یہود صرف بھوک کے غلبے کی وجہ سے موت کا شکار ہوئے۔ قحط سے تنگ آکر یہود سونے کے سکے نگل کر یروشلم سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے تو انہیں شامی اور رومی پکڑ کر مار ڈالتے اور ان کے پیٹوں سے سکے بر آمد کر لیتے۔ پانچ مہینوں کے بعد رومیوں نے آدھا شہر فتح کر لیا۔ ہیکل کو نذرِ آتش کر دیا۔ یہود بڑی بے جگری سے لڑے لیکن رومیوں نے کسی کو نہ بخشا' جوان کے ہتھے چڑھا مارا گیا۔ ۹۷ ہزار غلام بنا کر روم میں بھوکے شیروں کے آگے ڈالے گئے اور اہل روم کی تفریح کا شکار ہوئے۔ یہودی تخمینے کے مطابق مارے جانے والوں کی تعداد ۱۱ لاکھ ۹۷ ہزار تھی جبکہ رومی اندازے کی رو سے چھ لاکھ یہود اس موقعے پر مارے گئے۔

ہیکل کی آگ نے یہودیہ کی ریاست کو نگل لیا۔ باغیوں کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ ملک بھر میں اگر کوئی یہود بچا تھا تو وہ فاقہ کش اور بیکار تھا اور یہودی ہونے کے سبب اس پر جزیہ ادا کرنا بھی لازم تھا۔ اسقفِ اعظم' اس کا عہدہ اور کونسل ختم ہو گئی۔ یہود اب پھر ایک آوارہ اور سرگرداں قوم تھی جس کا کوئی مرکز کوئی ہیکل باقی نہ رہا۔ صدوکی مٹ گئے' فریسی جو بچ گئے' بے خانماں پھرنے لگے' اب ان کے پاس یہواہ کا وعدہ تھا' یورپ' افریقہ اور ایشیا کی بھیک تھی اور یہ امید کہ وہ ایک بار پھر جمعیت کی حیثیت سے ابھریں گے اور تمام دنیا سے انتقام لیں گے۔

۷۰ء کی یہ شکست یہود کی زندگی میں ایک انتہائی اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے' جب انہیں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ باہمی طور پر متحد ہو کر قومی اور مذہبی خوش آئند مستقبل کے سہارے کانٹوں اور تکلیفوں سے بھرپور اس حال کو برداشت کریں گے یا ایک فارغ البال حال پر اپنا وجود اپنی واحدانیت اور اپنے مستقبل کو قربان کر دیں گے۔ تاریخ کے اس اہم اور نازک موڑ پر انہوں نے مستقبل کی امیدوں پر اپنے حال کے کٹھن لمحات کے ساتھ رہنا گوارا کر لیا۔ یہ کٹھن لمحات صرف ایک دو برس یا نصف صدی تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ حقیقت میں ۷۰ء سے موجودہ دور تک انیس صدیوں پر محیط ہے۔ اس دوران وہ کس کس آزمائش کا شکار نہ ہوئے اور کن کن امتحانوں سے نہ گزرے' لیکن اس اعتبار سے وہ منفرد ہیں کہ انہوں نے اس دوران جو وطیرہ اختیار کیا' وہ اقوامِ عالم کی تاریخ میں سب سے الگ ہے اور ان کا یہی وطیرہ اور نفسیات تمام اقوامِ عالم کے خصوصی توجّہ کا باعث ہے۔

اسلام کی آمد

یونان اور روم نے جہاں یہودیہ پر اپنی اصنام پرستی فکرو فلسفہ اور تہذیب و تمدن کے دروازے کھولے تھے وہاں یہود کے لئے یورپ کے مختلف شہروں میں آباد ہونے کا راستہ بھی ہموار کر دیا تھا۔ چنانچہ ۷۰ ء میں ہیکل کی تباہی اور یہودیہ کی بربادی کے بعد تقریباً دس لاکھ یہود جان بچانے کے لئے نکلے تو ان کے پیش روؤں نے ہر جگہ ان کے لئے اپنی آغوش وا کر دی۔ یورپ کے اکثر شہروں میں یہود کے محلّے پہلے سے موجود تھے۔ ایشیا میں فرات اور دجلہ کے کنارے ان کی چھوٹی چھوٹی بستیاں موجود تھیں۔ بابل میں غلامی کے بعد ان کے بھائی بندوں نے بڑا فروغ پایا تھا۔ اس انخلاء نے عرب کے ریگزار بھی ان کے لئے بہشت آثار بنادیئے۔ حبشہ میں بھی یہودی پہلے سے موجود تھے۔ شام اور فنیقیہ میں ان پر حکومت ہوئی تھی۔ چنانچہ سوغات کے طور پر ان کے گھرانے ان شہروں میں بھی آباد تھے۔ رومی تسلط کی وجہ سے سلطنت کے بڑے بڑے شہروں میں یہود بار بار غلام بنا کر لے جائے جا چکے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق حکومت روما کے طول و عرض میں ستر لاکھ یہود بس رہے تھے کہ دس لاکھ فلسطینی یہود بھی ان میں جا شامل ہوئے۔

یہود کو اپنی عظمت کے زعم نے دوسری اقوام میں گڈمڈ نہ ہونے دیا۔ پھر غلامی' غریبی' بت پرستی سے نفرت' مطلب براری' حیلہ سازی' چالبازی' عیاری' یہاں تک کے بے حیائی اور بے غیرتی' غرض ہر وہ لعنت جو ایک بے وطن اور بے سرو سامان قوم کا مقدر ہوتی ہے۔ یہود کو بقدر وافر ملی۔ انہوں نے زندہ رہنے کے لئے سب کچھ قبول کیا لیکن اپنی عصبیت' مخصوص روایات اور زاویۂ نظر پر آنچ نہ آنے دی اور پھر

جب انہوں نے مقامی رنگ و زبان اپنایا اور اپنی بحالی میں نسبتاً آسانی حاصل کر لی تو ان کے لئے اپنی اقتصادی اور معاشرتی حالت بہتر بنانا آسان ہو گیا۔ ان کی عورتیں حسن میں اپنی مثال آپ تھیں' جن کے نقوش تیکھے اور آنکھیں چراغوں کی طرح روشن تھیں' ہر جگہ ان کی مانگ تھی' دولت' عزت اور شہرت تک پہنچنے کے لئے انہوں نے انہیں زینوں کی طرح استعمال کیا۔ دولت ہاتھ آئی تو یہود نے سود در تبادلۂ زر' ساحری اور طبابت کے پرانے کاروبار کے تجارت کو بھی اپنایا اور یوں آہستہ آہستہ شہر اور دیہات ان کی بنکاری' طبابت اور تجارت کے باعث ان کے دست نگر ہو گئے وہ جو دوسروں سے پناہ مانگنے نکلے تھے' پناہ دینے والے اور اپنے سائے میں لینے والے بن گئے۔

۷۰ ء کی تباہی اور کسمپرسی کے دور میں ایک ربی یوحنا بن ذکائی نے یہ دیکھ کر کہ یہودیہ کا مستقبل تاریک اور یروشلم کی مرکزیت ختم ہونے کو ہے جبنۃ (جسے آج کل جامنسیہ کہا جاتا ہے) میں درس و تدریس کے لئے ایک سکول قائم کیا اور ہیکل کی آگ سے اس سکول میں شمع روشن کی۔ ۷۰ ء سے ۱۳۵ ء تک یہی ایک سکول تھا جہاں سے آوارہ و سرگرداں یہود کے دلوں کو گرمانے اور قومی حمیت بیدار کرنے کے لئے یہودی نوجوان نکلتے اور بستی بستی' قصبہ قصبہ' شہر شہر پھر کر آل موسیٰ کو یہواہ کا پیغام یاد دلاتے نامساعد حالات کی زبوں حالی میں بھی اس مستقبل کی خبر دیتے جس کے حصول کی بے تابی اور طلب نے انہیں روم جیسی طاقت سے ٹکر لینے پر مجبور کیا تھا اور جس نے انہیں من حیث القوم مٹا دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ جامنسیہ کی درس گاہ کی سیاسی طور پر کوئی حیثیت نہ تھی لیکن یہود نے اسے غنیمت جانا اور اس کے احکامات کو مذہبی اور سماجی معاملات میں ہر جگہ تسلیم کیا۔ درس گاہ میں ایک کونسل تشکیل کی گی' جس کے ارکان سیاستدانوں یا راہبوں کے بجائے تورہ کے استاد تھے' جن کا سربراہ تمام یہودی قوم کے لئے ناظم مقرر کرنے کا مجاز تھا۔

۱۰۰ ء میں اس کونسل کے سربراہ جمالیل ثانی نے بڑے نظم و ضبط سے یہودی قوم کو مربوط کیا جس نے اپنی قیادت میں تورہ کے مختلف رائج الوقت معانی پر نظر ثانی کر کے انہیں اس طرح مرتب کیا کہ ساری یہودی قوم ان کی پابند ہو کر رہ گئی۔ اب یہود کے منتشر اجزاء کو ایک لڑی میں پرونے کے لئے تورات ہی رہ گئی تھی چنانچہ کونسل نے طے کیا کہ ہر کنسیا میں تورات کا پڑھنا لازمی ہو گا۔ قربانیوں کا سلسلہ منقطع کر کے محض دعا پر اکتفا کر لی گئی اور راہبوں کی جگہ ربی مقرر کئے گئے جنہیں تنائم کا نام دیا گیا۔ ان میں ربی عقیبہ بن یوسف کا نام بہت مشہور ہے۔ جس نے ۸۰ ء میں چالیس سال کی عمر میں اپنے پانچ سالہ بچے کے ساتھ تعلیم شروع کی اور بہت جلد تورات کی پانچوں کتابوں کا ماہر ہو گیا۔ عقیبہ نے اپنا علیحدہ مدرسہ قائم کیا۔ ایک کتاب "ملاکہ" لکھی جس میں حروف ابجد کی رعایت سے ہر حرف کی ایک قیمت مقرر کی اور اس طرح ان میں عقل و معانی کے ساتھ ساتھ روحانیت کا تصور داخل کیا۔ "ملاکہ" کی تکمیل ۲۰۰ ء میں ہوئی اور یہود کی دینی روایات اور تہذیب میں ایک سنسنی خیز داخلیت شامل ہو گئی۔ تنائم کے پیش نظر اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کے پیرو جہاں افلاطون اور ارسطو کے فلسفے سے روشناس ہو کر اپنے

مذہب کی مضحکہ خیزیوں اور تاویلوں کی پسماندگی پر غور کرتے ہیں وہاں مقامی بتوں اور تصورات سے مجبور اور مسحور ہو کر اپنے دین کی اصلیت سے دور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے انہیں ماضی سے وابستہ رکھنے کے لئے ایک ترکیب نکالی جس کا جادو آج دو ہزار برس کے نشیب و فراز کے باوجود نہیں ٹوٹ سکا۔

پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں یہود کی حالت عیسائیوں کے مقابلے میں بہتر تھی وہ اپنی مسلّمہ حیثیت کو منوا چکے تھے جبکہ عیسائیت اپنی اناجیل بھی پانے سے قاصر رہی تھی اس کے قوانین تو کیا "مقدس الہامات" بھی وضع نہیں ہوئے تھے اور اقوال مسیح بھی سینہ بہ سینہ چلے آ رہے تھے۔ تاہم عیسائیت کے سامنے تعصب کی کوئی دیوار نہ تھی۔ ان کے عقائد کی واضح شکل نہ ہونا ہی ان کے حق میں بہتر ثابت ہوا۔

سکندریہ نے، جو روم کے بعد فکر و فلسفے کا گہوارہ بن گیا تھا، عیسائیت میں افلاطونی فلسفے کو بھی آمیز کر دیا اور یوں رومی سلطنت کا وجود قابل قبول ہونا شروع ہوا۔ ارسطو کے علاوہ دوسرے یونانی فلاسفروں نے بھی کسی نہ کسی قسم کی توحید کے لئے لوگوں کو تیار کیا تھا۔ چنانچہ عیسائیت جب اس سانچے سے گزر کر باہر نکلی تو عوام الناس کے لئے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ انسان تہذیب کے اس دوراہے پر پہنچ چکا تھا جہاں اسے پتھر کے بتوں سے گھن آتی تھی۔ بہروپ کو روپ کی تلاش ہوئی تو اس نے خدا کے ساتھ بیٹے اور "روح القدس" کا تصور پیش کیا۔ سکندر اعظم کے دور میں اسے "خدا کی بادشاہت" کا درجہ ملنا شروع ہو گیا۔

برسٹل یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر ڈی لیسی اولیری "عربی فکر اور اس کی تاریخ" (بیسک تھاٹ اینڈ اٹس پلیس ان ہسٹری) میں لکھتے ہیں۔

> "روم، افریقہ اور یونان میں عیسائی نفرت انگیز اقلیت میں تھے۔ اس مذہب کے ماننے والے اکثر ان پڑھ اور مزدور پیشہ لوگ تھے جنہیں اس دور کے اہل علم خاطر ہی میں نہ لاتے تھے۔ Ghetto کے یہود کی طرح انہیں بھی تنگ و تاریک گلیوں میں تنہا رہنے پر مجبور کیا جاتا اور وہ بھی اپنے ہی وسائل حیات کے محتاج تھے۔ لیکن سکندریہ اور کسی حد تک شام میں ان کی حالت کچھ ایسی تھی جیسی یہود کی آج کل انگلستان میں ہے۔ لوگ ان سے سخت نفرت کرتے اور طرح طرح کی سزائیں دیتے، لیکن انہیں اپنے فکر و فلسفہ کے زیر اثر لا کر ایک نیا جوہر عطا کر دیتے۔ بالآخر جب عیسائیت کو عروج ہوا تو اس کا سرچشمہ وہ یونانی مفکرین اور دوسرے فلسفی تھے جو اس زمانے میں یونان سے متاثر ہو کر اپنا موقف پیش کرتے پھر رہے تھے۔ چنانچہ عیسائیت کے نام پر فلسفے نے ایک ایسے مذہب کا روپ دھارا، جس کے وسیلے سے بہت سا فلسفیانہ مواد مغربی ایشیا کی مقامی زبانوں میں پہنچ گیا"۔

عقبہ کی تنظیم نو نے یہود میں ایک نئی روح دوڑا دی، چنانچہ ۱۱۵ء میں انہوں نے پھر سر اٹھایا اور مصر، قبرص، اور میسوپوٹامیہ میں روم کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ یہود نے "امیوں" اور "امیوں" نے یہود کا قتل روا رکھا، چنانچہ ایک روایت کے مطابق قبرص میں دو لاکھ بیس ہزار اور مصر میں

دو لاکھ چالیس ہزار نفوس قتل ہوئے اور اس کے بعد مدتوں قبرص میں یہود کا داخلہ ممنوع رہا۔ یہود کی طاقت ایک بار پھر کچلی گئی اور ایک بار پھر اس "مسیح" کا انتظار کرنے لگے جو انہیں یروشلم واپس لے جائے۔ ہیکل تعمیر کرائے اور انہیں ساری دنیا کا حکمران بنا دے۔

۱۳۰ء میں ہیڈرین نے حکم دیا کہ یروشلم میں ہیکل کے مقام پر جیوپیٹر کا معبد بنایا جائے۔

۱۳۱ء میں اس نے ختنہ کرانا ممنوع قرار دیا اور یہودی قوانین کی منظرِ عام پر تعلیم و تدریس بند کر دی۔ ان تحریکات سے یہود پھر اٹھے ان کی قیادت سائمن بارقشتبہ کے ہاتھ میں تھی، جس نے نبوّت کا اعلان بھی کر رکھا تھا۔ عقیبہ نے بھی بارقشتبہ کی مسیحیت کو قبول کر لیا، پھر کیا تھا یہود کو ایک مرکز مل گیا اور وہ تین برس تک پورے عزم و ہمت کے ساتھ روم کا مقابلہ کرتے رہے۔ بالآخر رسد اور خوراک کی کمی نے انہیں نڈھال کر دیا۔ رومیوں نے فلسطین میں ۹۸۵ قصبات اور شہر برباد کئے اور پانچ لاکھ اسی ہزار یہود کو تہہ تیغ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے بھی بڑی تعداد قحط کی نذر ہوئی۔ بارقشتبہ بھی مارا گیا۔ یہودی غلام بنا کر بیچ دیئے گئے اور ان کی قیمت اتنی گر گئی کہ یہودی اور گھوڑے کی قیمتیں برابر تھیں۔ رومیوں نے بھاگتے ہوئے یہود کا تعاقب کر کے انہیں زندانوں میں پہنچا دیا، جہاں زندوں نے اپنے بھائیوں کی لاشیں کھائیں اور خود بھی وہیں ڈھیر ہوئے۔

ہیڈرین نے عہد کیا کہ وہ یہود کو دوبارہ سرتابی کے قابل نہیں چھوڑے گا۔ چنانچہ اس نے ختنہ ہی نہیں تمام یہودی روایات کو خلاف قانون قرار دیا۔ یہود پر زبردست ٹیکس لگایا اُن پر یروشلم کے دروازے بند کر دیئے۔ اب انہیں سال میں صرف ایک مرتبہ "دیوارِ گریہ" سے لگ کر رونے کی اجازت تھی۔ یروشلم کے مقام پر ایک جدید یونانی شہر ایلیا آباد ہوا، جس میں وینس اور جیوپیٹر کے معبد تھے۔ تھیٹر تھے اور یونانی نوجوانوں کی خوش طبعی کے لئے عیاشی کے اڈے تھے۔ جانسیہ کی کونسل توڑ دی گئی۔ حکم دے دیا گیا کہ جو کوئی یہودی قوانین کی ترویج کا نام لے گا، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ ان احکامات کی خلاف ورزی میں کئی ربیوں کو قتل کیا گیا۔ عقیبہ نے بھی اس پر عمل کرنے سے انکار کیا، اسے تین سال تک جیل میں رکھا گیا جہاں وہ برابر تعلیم دیتا رہا۔ اس پر مقدمہ چلایا گیا اور سزا دی گئی، لیکن جب وہ مرنے لگا تو اس کے ہونٹوں پر یہی الفاظ تھے۔

"سن اے اسرائیل! ہمارا آقا، ہمارا خدا ایک ہے"۔

یہود کے بارے میں قیصر ہیڈرین کے احکامات بعد میں خاصے نرم پڑ گئے لیکن یہود کی کمر ہمت جو ایک دفعہ ٹوٹی تو وہ پھر صدیوں تک اٹھ کر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہو سکے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ طبابت کے علاوہ کسی قسم کی دنیاوی تعلیم نہ پائیں گے، یونانی افکار و تصورات سے گریز کریں گے اور اپنے ربیوں کے درس و پیغام ہی سے سکون پائیں گے۔ اپنے مقدس شہر سے دور ذلیل و آوارہ یہود، بدنصیبی اور پس ماندگی کی علامت بن گئے وہ ہر کسی کے رحم و کرم پر تھے۔ انہیں اس طرح تتر بتر کر دیا گیا کہ ماں بیٹے کو پہچان نہ سکے۔ غربت اور ذلت کے مرقع بن کر وہ معاشرے میں ناسور کی مانند زندہ تھے۔ انہیں بت

پرستوں کے آگے بھی سر جھکانا پڑا اور اپنے خود کاشتہ پودے عیسائیت کو بھی اپنے خون سے سینچنا پڑا لیکن انہوں نے اپنے ماضی کو اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ اپنی کتابوں کو حرز جاں بنایا اور ان کے احکام کو اپنی بقا کے لئے حصار کے طور پر استعمال کیا۔ تلمود کو بابل اور فلسطین میں پھر مرتب کیا اور اس طرح انہوں نے بتیس دانتوں میں ایک زبان کی طرح رہنا سیکھا۔ ہر ظلم کو کرم سمجھا اور انتظار کیا۔ دو ہزار سال کا انتظار! تاکہ اقوامِ عالم کو ان ذلتوں کا مزا چکھائیں اور تماشائیوں کو الٹ کر تماشہ بنا دیں۔ دو ہزار سال کے عرصے میں ہر یہودی دنیا کے ہر گوشے میں ہر روز بلاناغہ ایک ہی اسم کو طلسم بنا کر دہراتا رہا۔ وہی اسم جو اس کے اب وجد نے بابل کی غلامی میں پڑھا تھا۔

"یروشلم اگر میں تجھے بھول جاؤں تو میرا دایاں ہاتھ اپنی عیاری بھول جائے"۔

۱۳۵ء میں بارقشتبہ کی موت نے یہود کا وہ چراغ بھی گل کر دیا' جس کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی میں انہوں نے یروشلم کی عظمت اور یہواہ کے عہد کی سرخروئی کا خواب دیکھا تھا۔ اب ان کی سیاسی اور تمدنی یکجہتی اور مرکزیت بھی نہ رہی تھی وہ آوارہ اور سرگرداں ہوئے تو تاریخ ان کا تعاقب نہ کر سکی۔ تاہم یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس بھٹی میں گزرنے سے ان میں نفسیاتی طور پر انفعالیت ور آئی جو حالات کو مردانہ وار نہیں دیکھ سکتی' بلکہ اپنے ماحول میں چور بن کر داخل ہوتی ہے اور اپنے گردوپیش کو اپنا شعور دلائے بغیر اس طرح متاثر کرتی ہے کہ زمانہ اس کا محاسبہ بھی نہیں کر سکتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہود کو اقصائے عالم میں منتشر کرنے والے یونانی بھی اپنا آب و رنگ کھو بیٹھے اور یورپ جس پر حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے وقت رومنوں کا تسلّط تھا۔ اس جہالت اور ظلمت کا نشیب بن کر رہ گیا۔ جس نے اسے ڈیڑھ ہزار سال تک سر نہ اٹھانے دیا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ روم و یونان کے حیرت انگیز ارتقاء کے بعد اس عبرت خیز پستی میں یہود کا کتنا ہاتھ ہے اور انہوں نے اس پسماندگی کو قائم رکھنے میں کیا کردار ادا کیا۔

حضرت عیسیٰؑ کے حواری ان کی تعلیمات کو لے کر اٹھے تو ان کی تبلیغ کے مراکز روم اور یونان تھے' جہاں انہوں نے دولت مندوں کے خلاف نفرت اور حقارت کے شعلے بھڑکائے اور غریبوں کو احساس دلایا کہ بھوک ننگ' افلاس بیماری غرضیکہ دنیا جہاں کی مصیبتیں وہ دروازے ہیں جن سے گزر کر ہی انسان "خدا کی بادشاہت" میں پہنچ سکتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بھائی جیمس سے بائیبل میں مندرجہ ذیل فقرات منسوب ہیں۔

> "روؤ اے امیر لوگو چیخ چیخ کر روؤ' ان مصیبتوں پر' جو تم پر نازل ہونے والی ہیں۔ فریادیں کرو' تمہاری دولت گل سڑ چکی ہے تمہارے کپڑوں کو دیمک چاٹ چکی ہے' تمہارے سونے اور چاندی کو زنگ لگ چکا ہے...... یہ زنگ تمہارے جسموں کو بھی کھا جائے گا کہ تم نے اپنے آخری دنوں کے لئے آگ جمع کر رکھی ہے۔ تم نے ان مزدوروں کی محنتوں کا عوضانہ ہڑپ کر لیا' جنہوں نے تمہاری فصلیں کاٹیں' وہ چیخ چیخ کر روتے ہیں اور ان کی چیخیں افواج کے خدا کے کانوں میں

پہنچ چکی ہیں...... کیا خدا نے دنیا کے غریبوں کو نہیں چنا' کہ اس کی بادشاہت کے مختار بن جائیں؟ اور اس بادشاہت میں امیر امراء سورج کی دھوپ سے پھولوں کی مانند مرجھا جائیں گے"۔

دولت کو شیطان کی جاگیر اور میراث ٹھہرایا گیا۔ چنانچہ وہ مفلوک الحال بد نصیب عوام جن کی جانیں یونانی اور رومی امیروں اور شہنشاہوں کی عظمت کے ستون تھیں اور جن کی محنتیں ان کے عیش ونشاط کے ایوانوں کی بساط تھیں' عیسائیت کے دائرے میں داخل ہوئے تو ان کے عقائد نے انہیں ہر دکھ خندہ پیشانی سے برداشت کرنا سکھایا' ان کے کرداروں کو سنوارا اور اس دنیا کی تمام خوشیوں سے منہ موڑ کر آئندہ کی زندگی کو مطمعِ نظر بنا دیا۔ یہود کے لئے یہ فضا ساز گار تھی' یہ وہ لوگ تھے' جو ان کی مذہبی کتابوں پر ایمان رکھتے تھے اور ان کی بے سروسامانی اور پریشانی کے اس دور میں اپنی سادہ لوحی اور جہالت کے سبب ان کے ہاتھوں میں آسانی سے کھیل سکتے تھے۔ عیسائی دنیا میں گناہ کے احساس نے اس شدّت سے قبضہ کر لیا کہ سانس لینا مشکل ہو گیا۔ حضرت آدمؑ کے اولین گناہ (ہبوط آدم) کے تصور نے ہر بچے کو پیدائش ہی سے معصیت آلود ٹھہرایا۔ ابنِ آدم ان گناہوں کا بار خود اٹھانے سے قاصر تھا۔ اس سے عہدہ براری کے لئے حضرت عیسیٰؑ نے نہیں بلکہ "خدا کے بیٹے" نے خود کو صلیب پر چڑھوا دیا۔ اب عیسائی بپتسمہ سے پاک تو ہو سکتا ہے لیکن اس گناہ آلود ماحول میں پاک صاف نہیں رہ سکتا جو شیطان کی ملکیت ہے۔ اس عقیدے نے دنیا اور لذّاتِ دنیا کو نہایت گھناؤنا بنا دیا۔ اب موسیقی' لذیذ کھانے' شرابیں' حمام' اچھے ملبوس' غرضیکہ اچھا معاشرہ نجس اور ناپاک ٹھہرا دیا گیا تھا۔ اگرچہ دوسری صدی عیسوی میں یہودیوں کے سبت (یعنی سنیچر) کو اتوار سے بدل دیا گیا تھا لیکن اس دن کے لئے بے کاری اور کاہلی کا وہی تصوّر قائم رہا جو یہودیوں نے انہیں سکھایا تھا۔

یہ فضا آوارہ اور لامرکز یہود کے لئے بڑی ساز گار تھی۔ انہوں نے ان مسیحی بھیڑوں کی فکر کو اور ہوا دی۔ مسیحی عبادتیں یہود اور یونانی اصنام پرستوں کی روایات کا ملغوبہ بن گئیں۔ چنانچہ اصنام پرستوں کے لئے انہیں اختیار کرنا دشوار نہ تھا۔

۱۳۵ء میں یروشلم کی بربادی کے بعد یہود کے لئے بیت المقدس کے علاقہ میں داخلہ ممنوع تھا لیکن عیسائیوں پر اس کی راہیں کھلی تھیں' یہ وجۂ امتیاز بڑھتے بڑھتے دونوں کے درمیان حدِ فاضل بن گئی۔ یہود کے لئے خنزیر حرام تھا' عیسائیوں نے اسے جائز ٹھہرایا۔ ختنہ یہود کے نزدیک تخصیصی علامت تھی' عیسائیت نے اس سے اجتناب کیا۔ اگر عیسائیت اپنی انفرادیت کے لئے ان اختلافات کو جنم نہ دیتی تو یہود اسے اپنے ہی رنگ ونظر کی شاخ قرار دے کر ذمی کا مقام دے دیتے' لیکن یونان کی تماشہ گاہوں میں' جہاں "فاتحینِ عالم" عیش وعشرت کی پالکیوں میں سوار ایران اور شام کے حملوں سے بھی کترا کر آرام سے گھروں میں بیٹھنا مناسب خیال کر رہے تھے' افلاطون اور ارسطو کے فلسفے' معبدوں اور خداؤں کی بے چارگی کا مذاق اڑا رہے تھے' جہاں ظلم' سفاکی' عریانی' بے حیائی' درندگی اور غرور کے شجر اپنی عمرِ طبعی

کو پہنچ کر خشک ہوتے جا رہے تھے۔ عیسائیت کا نرم و نازک پودا پھلا پھولا اور بار آور ہوا' یونانی اور رومی خدا اس پر جتنے قہقہے برساتے یہ اتنا ہی ابھرتا' اور یوں متمدن یونان اور روم سے ہوتا ہوا یہ مذہب ایک طرف شام اور دوسری طرف افریقہ میں جڑیں پکڑتا گیا۔ تیسری صدی عیسوی تک روم میں تین لاکھ عیسائی تھے جو اپنے عقائد کی ترویج اور اشاعت کے مبلغ بن گئے اور اپنی نکوکاری اور خیراندیشی سے دوسروں کے لئے نشانِ راہ قرار پائے۔

یہودیت اس کے برعکس ایک خاص قوم کا مذہب تھا جو دنیا کی بادشاہت کو اپنے لئے مخصوص کرا چکا تھا۔ یہ قوم دوسری اقوام کو "امی" کہتی۔ اس نے عیسائیت کے علم کو اپنی ہوس کا جامہ پہنایا۔ سود' شراب' آئینہ سازی' جادوگری' طب اور تجارت کو معمول بنایا اور یورپ کے ہر شہر اور قصبے میں محلے آباد کئے ان کی ارادت اور اخوت نے تجارت کو ہوا دی۔ تاجر پیشہ یہودی تجارت کے لئے ہر بستی میں داخل ہوتے' تو اپنے بھائیوں کی خبر گیری کرتے اور یہوواہ کا پیغام پھیلاتے۔ ان کے راہبوں نے اپنی قوم کو تن آسانی کے لئے اعلان کر دیا تھا کہ:

> "ہر یہودی شہریت کے معاملے میں اپنے مقامی قوانین کے تابع ہو گا اور مذہب کے معاملے میں اپنے " مثنا " اور " تورہ " کو ہر عمل میں رہبر جانے گا"۔

چنانچہ یہود نے اپنا مقصد قومی بقا اور دولت کے حصول کو ٹھہرایا اور اس طرح وہ بڑھتی پھیلتی عیسائیت کے مقابلے میں اپنی جمعیت استوار کرنے لگے۔ ان کے لئے ہر ملک کی فضا اجنبی تھی' وہ مقامی زبانوں اور قصباتی عادتوں کو اختیار کرتے ہوئے بھی مقامی نہ ہو سکتے تھے کہ ان کے سامنے ایک ہی منزل تھی۔ یروشلم ــــ ان کے خوابوں کا وطن جہاں انہیں دنیا کی بادشاہت کرنا تھی۔ انہوں نے روم اور یونان کو حتیٰ الامکان عیسائیوں کے وجود سے پاک کرنے کی کوشش کی۔

آج بھی بے شمار عیسائی علماء یہود کو پہلی اور دوسری صدی کے عیسائیوں کے استحصال کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ تاہم اس میں کلام نہیں کہ قومی اعتبار سے یہود نے ایک مزاج پیدا کر لیا تھا' جس نے بے وطنی میں اپنے عقائد کو وطن بنا دیا تھا اور اس کی بقا کے لئے ہر سدِ راہ کا مقابلہ حیلہ سازی اور چالبازی سے کیا۔ ظاہر ہے کہ جس پودے نے دو ہزار سال کے عرصے میں ایشیا' افریقہ' یورپ اور امریکہ کی مٹی قبول نہ کی تھی اور اپنی پرفریب شہریت کے پردے میں اپنے تعصب کے نشتر کو محفوظ رکھا تھا۔ اس نے اپنے ماحول کی رگوں میں زہر گھولنے اور اپنی پرکاری سے معصوم فتنوں کو بپا کرنے کے لئے کیا کچھ نہ کیا ہو گا۔ چنانچہ گزشتہ دو ہزار برس میں ان کی کارگزاری کسی ملک اور قوم کی تاریخ میں نمایاں ظاہر نہیں ہوتی بلکہ اس کا اظہار اس دیمک سے مماثل ہے جو لکڑی اور دیوار کے پیچھے اپنے تخریبی عمل میں مصروف ہوتی ہے۔

فلسطین میں اپنی بربادی کا منظر دیکھ کر یہود کی ایک شاخ بابل جا پہنچی۔ ۵۹۷ ق م میں یہاں سے یہود کے اب وجد غلام بنا کر لے جائے گئے تھے۔ بابل میں یہودی احبار اور علماء " مثنا " کی تکمیل میں سرگرمِ کار تھے۔ آہستہ آہستہ بابل میں یہود کو مکمل خود مختاری حاصل ہو گئی۔ سیاسی طور ان کے مذہبی

رہنما کو شاہی دربار میں اعلیٰ مقام حاصل تھا جو بالالتزام حضرت داؤدؑ کے خاندان کا فرد ہوتا۔ بابل میں اپنی اس حیثیت سے یہود نے فائدہ اٹھایا' انہوں نے دنیا بھر میں آوارہ و منتشر یہود سے خط و کتابت کا سلسلہ استوار کیا اور ان کے شبہات اور استفسارات کے جوابات مرتب کرنا شروع کیے ان جوابات کی حیثیت قطعی تھی اور کسی فرد کو کسی علاقے میں ان سے اختلافات کا حق نہیں تھا یروشلمی تلمود نامکمل تھی۔ بابلی تلمود کو یہود میں مستند صحیفہ کا مقام حاصل ہے اور آج اسی کتاب پر یہودی مذہب کا دارومدار ہے نہ صرف بابلی تلمود بلکہ اس دور کے مرتب کئے گئے تمام جوابات آج بھی قطعی حیثیت رکھتے ہیں' جن سے روگردانی خلافِ مذہب ہے۔

بابل میں یہود کی مرکزیت پانچ سو سال تک بلا روک ٹوک جاری رہی لیکن جب اسلام کے انوار نے حجازِ مقدس سے نکل کر اردن' شام اور لبنان کی سرزمینیں منور کیں تو ان کی حیثیت ماند پڑ گئی اور پھر بابلی یہود اپنا تاریخی مقام بھی برقرار نہ رکھ سکے۔

رومی سلطنت کے عروج کے زمانہ میں قسطنطنیہ کو ایشیا اور یورپ کے سنگم پر واقع ہونے کے باعث بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہاں سے شمال میں روس اور مغرب میں بحیرہ روم کے ساحلی علاقوں کے ساتھ تجارت کا رابطہ قائم ہوتا تھا۔ چین' ایران ایشیا' عراق اور فلسطین کی منڈیوں سے مصالحہ جات' ریشم اور دیگر لوازمات قسطنطنیہ ہی سے ہو کر یورپ کی منڈیوں میں پہنچتے۔ چنانچہ یہود نے تجارت کی اس رگِ جاں پر قبضہ کیا اور یہاں سے ہر اہم منڈی کی تجارت پر اثرانداز ہونے لگے۔ تجارتی قافلوں کے ساتھ روابط بڑھانے کے بعد انہوں نے ایک طرف روس' ایران' آرمینیا' عراق اور مصر اور دوسری طرف ہسپانیہ' برگنڈی' فرانس اور جرمنی میں اپنی چھاؤنیاں قائم کر لیں۔ ساتویں صدی میں اسلام ان ملکوں میں جہاں جہاں بھی پہنچا' اس نے یہودیوں کے عقائد' کاروبار اور سماجی حیثیت سے تعرض نہ کیا' یہاں تک کہ ہسپانیہ میں ان کو فوجی اور فلاحی ملازمتوں پر اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا البتہ جب تک عیسائیوں کا بس چلا' انہوں نے انہیں ہر مقام پر دبانے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ اس جبر و تشدد نے انہیں زیادہ متحد اور منظم کر دیا۔

یروشلم کی تباہی کے بعد یہود نے فلسطین میں جلیلہ کو اپنا دینی مرکز بنا لیا تھا' لیکن عیسائیوں نے اسے مقدس جان کر اس کی یاترا شروع کر دی تو یہود کے لئے یہاں رہنا بھی مشکل ہو گیا۔ چوتھی صدی عیسوی میں روم نے عیسائیت کو اپنا سرکاری مذہب مان لیا اور اس کے ساتھ ہی روم کی آب و ہوا بھی یہود کے لئے زہریلی ہو گئی اس کا اثر قسطنطنیہ پر بھی ہوا اور وہاں کے یونانی حکمران یہود پر ظلم کرنے میں روم والوں پر بھی سبقت لے جانے لگے۔ ۴۲۹ء میں یونان اور روما کے ساتھ فلسطین بھی ان کی دسترس سے دور ہو گیا اور فتوحاتِ اسلام تک ان کے پاس لے دے کے بابل کی ہی سازگار فضا رہ گئی تھی۔

بابلی تلمود جسے یہود نے اپنی آوارگی کے دور میں مکمل کیا۔ ان کے مذہب' تاریخ' طب' عقائد اور روایات ہی کا مرقع نہیں' زراعت' باغات' تجارت' کاروبار' سرمایہ کاری' جائیداد' غلامی' تبادلۂ زر'

ورثہ' چوری' قانونی عمل دخل اور جزا و سزا کے قوانین بھی مرتب کرتی ہے۔ تلمود نے یہود کے کردار کا محاسبہ کیا اور انہیں مختلف ملکوں کے رسوم اور عقائد کے اثرات سے بچالیا۔ ہر جرم کو گناہ سے تعبیر کیا' اور ہر گناہ کے لئے یہوداکے سپرد کر دیا۔ یہ تلمود ہی کا کمال ہے کہ یہود جو خست اور کمینگی میں اپنی مثال آپ ہیں' اپنی قوم کی فلاح و بہبود کے لئے خیرات کرنے میں اتنے فراخ دل ثابت ہوئے کہ جب ان پر دولت کا پانچواں حصہ خیرات کرنے کا حکم نافذ کیا گیا' تو اکثریت نے آدھی دولت تک اپنے ہم مذہبوں میں تقسیم کر دی' اس سلسلے میں حکم تھا: "وہ جو چھپ کر خیرات کرتا ہے' موسیٰؑ سے بھی عظیم تر ہے۔" زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنے کے سلسلے میں لکھا ہے کہ

"عورت کی انتہائی تکمیل ماں بننے میں ہے اور مرد کی باپ بننے میں' ہر یہودی کا فرض ہے کہ بچی کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کے جہیز کی تیاری کرے اور ہر بیٹے کے لئے دولت جمع کرنے لگے تاکہ ان کی شادیوں میں دیر نہ لگے"۔

شادی کے لئے فرض ہے کہ

"ہر شخص پہلے مکان بنائے پھر انگوروں کا باغ لگائے' پھر شادی کرے"۔

بیوی کے انتخاب میں حسن کے بجائے ماں بننے کی صلاحیتوں کو فوقیت دی گئی۔

"بیوی کا انتخاب کرتے ہوئے ایک زینہ نیچے اترو' دوست کے انتخاب میں ایک زینہ اوپر چڑھو"۔

"اپنی ہی حیثیت کی بیوی کا انتخاب قبیلے کے لئے طعن و تشنیع کا باعث ہے" "عورت کا مقام گھر میں ہے" "خبردار! عورت کی آنکھ سے آنسو نہ نکلے خدا ان آنسوؤں کو گنتا ہے"۔ عورت کو یہ حیثیت دے کر تلمود نے یہود کے گھروں کو اتنا آسودہ کر دیا کہ وہ اپنے مذہبی عقائد میں اپنے شوہر سے بازی لے گئی' اپنے مذہب کے لئے ایثار کرتے ہوئے اس نے کبھی سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ چنانچہ یہودیت کے قیام کے لئے یہودی عورت نے وہ کردار ادا کیا جو شاید ہی دنیا میں کسی قوم کی عورت نے ادا کیا ہو۔

یہودی قوم اسلام کی آمد کے موقع پر عیسائیت کی داغ بیل ڈال کر' خود عیسائیت کے ہاتھوں نالاں تھی اور اپنی پرانی تاریخ اور روایات کے مطابق بہر طور زندگی گزار رہی تھی کہ عرب کے ریگ زاروں سے روشنی کا سورج ابھرا۔ جس نے تمام مخلوق کی نگاہ خیرہ کر دیں۔ یہود کو پہلی مرتبہ ایک ٹھوس اور بھرپور مذہبی تحریک کا سامنا ہوا۔ یہ تحریک اور اس کی تمام تر تشکیل ان کے لئے سمِ قاتل کا درجہ رکھتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنا پورا زور روشنی کے اس سورج پر ظلمتوں کے بادل پھیلانے میں صرف کیا۔ یہود کی ان چیرہ دستیوں کی داستان ہم آئندہ باب میں رقم کریں گے۔

جہاں تک عیسائیت کا تعلق ہے' وہ باہمی انتشار و نزاع کا شکار تھے۔ گبن لکھتا ہے

ساتویں صدی کے عیسائی اپنی حماقت سے کفر کے دہانے تک پہنچ چکے تھے' وہ ایسے بتوں کی قسمیں کھاتے' جو مشرقی مندروں کے پجاریوں کو بھی شرمسار کر دیں' انہوں نے خداوند ذوالجلال کے تخت کو شہیدوں' فرشتوں اور ولیوں کے غبار سے ڈھانپ رکھا تھا اور یہی عوام کی عبادات کا مرکز تھے' عرب کی سرزمین میں وہ عیسائی پھول پھل رہے تھے' جنہوں نے کنواری مریم "کو" دیوی کا نام دیا اور اسی کی عزت کا لبادہ پہنا رکھا تھا"۔

عیسائیت اس زمانے میں چار اہم گروہوں میں بٹی ہوئی تھی' اور یہ چاروں گروہ خود کو حق پرست سمجھ کر باقیوں کو کافر گردانتے اور واجب القتل قرار دیتے تھے۔ مصر کے قبطی حضرت عیسیٰؑ کو بیک وقت انسان اور خدا سمجھتے۔ قسطنطنیہ کا فرقہ آپ کو خدا کے بجائے انسان قرار دیتا۔ رومی آپ کو ایک ایسی ذات ٹھہراتے جس میں خدا اور انسان دونوں کی صفات کا مجموعہ جلوہ گر تھا جبکہ النسطوریہ چرچ کی رائے میں آپ کی ذات میں دو جداگانہ فطرتیں تھیں ایک انسانی اور دوسری قدوسی۔

مصری قبطی بازاروں میں نعرے لگاتے!

عیسیٰؑ کا جسم ایک ہے
ابد تک مقدّس'
عیسیٰؑ کی ماں خدا کی طرح ہے
ابد تک مقدّس

بازنطیہ کے عیسائی اسے سنتے تو تلواریں نیام سے نکال لیتے اور وہ خونریزی ہوتی کہ کوئی بیچ بچاؤ کرنے والا نہ ملتا۔ روم کے شہنشاہ ہرکلس نے ایک حکم نامہ جاری کیا "آئندہ حضرت عیسیٰؑ کی ذات پر کسی قسم کا جھگڑا نہ کیا جائے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ آپ کی "ذات" ایک تھی' جس کا "ارادہ" بھی ایک تھا' جو اللہ کے ارادے کا نمائندہ تھا۔ اب سے عیسائی دنیا کا یہی عقیدہ ہو گا' یہ ہے ہمارا اعلان"۔

لیکن جب یہ اعلان سلطنت کے طول و عرض میں گونج رہا تھا مسیحی بھیڑیں ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھیں اور ہر طرف خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں' یہ پس منظر تھا' جب ظلمات کے کناروں سے اسلام کی روشنی نمودار ہو رہی تھی۔

اسلام اور یہودی

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو اقوامِ عالم میں فضیلت دینے کا وعدہ فرمایا تھا' بشرطیکہ وہ اس کے ساتھ اپنی جانوں کا سودا کریں لیکن یہود نے اپنی جانوں کے سودے کو فراموش کر دیا اور صرف اس خدائی وعدے کو یاد رکھا اور پھر نہ صرف یاد رکھا بلکہ اس کو بنیاد بنا کر اپنی قوم میں ساری دنیا کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات کی پرورش کی اور یہ عقیدہ پیدا کر دیا کہ "یہود اور صرف یہود ہی خدا کے برگزیدہ بندے ہیں" باقی تمام انسانیت ہیچ ہے' یہی نہیں' انہوں نے اپنی مرضی کا خدا یہواہ تراشا' جو محض انہی کا تھا۔ انہوں نے اپنی مرضی کے مسیح کے لئے التجا کی اور جب وہ آیا تو اسے ماننے سے انکار کر دیا' اُسے صلیب پر چڑھانے کے لئے بہتان باندھے۔ یہاں تک کے خود حواری اس کا ساتھ چھوڑ گئے' پھر ان سے وہ تعلیمات منسوب ہونے لگیں جو حق و صداقت ہی کے خلاف تھیں اور اس طرح دینِ عیسیٰؑ ' حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات پر قائم ہونے کے بجائے' پال کے خیالات سے پھوٹا' پال جو آپ کی زندگی میں آپ کا دشمن تھا۔ آپ کے پیروؤں کے پیچھے تلوار لے کر پھرتا تھا لیکن آپ کے بعد آپ کے مذہب کا سب سے بڑا علمبردار بن گیا۔ ہم عیسائیت کے باب میں یہ بھی دیکھ آئے ہیں کہ اناجیل کیسے مرتب ہوئیں اور وہ بنیادی مفروضے کہاں سے ابھرے' جن پر عیسائیت کا قلعہ تعمیر ہوا۔ یہ ساری کارگزاری اس یہودی ذہن کی پیداوار تھی' جس نے اپنے وطن' اپنے مذہب' اپنی قوم' یہاں تک کہ اپنے یروشلم تک کو تہس نہس کرا لیا' لیکن اس خیالِ باطل سے باز نہ آیا کہ دنیا پر بادشاہت کا حق اسے اور صرف اسے ہی حاصل ہے اور اس مقصد کی خاطر وہ جو بھی کرے روا ہے۔ اس کا کمال صرف یہی نہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا دباؤ بھی اس پر اثر

اندازنہ ہوسکا، بلکہ شاید یہ بھی ہے کہ اس نے اپنی مجبوریوں کا انتقام اس صفائی سے لیا کہ دوسری قومیں، جن کے مقابلے میں وہ عشرِ عشیر بھی نہ تھا ایک ایک کر کے پست و خوار ہوئیں اور وہ ہر مرحلے، ہر مقام اور ہر ملک میں اپنی ساری طاقت اور یکجہتی کی بدولت اس حیثیت کا مالک بن گیا جس سے دوسروں کی تہذیبیں بھی پامال ہوئیں اور ان کے مذاہب بے جان اور لاحاصل روایات واعتقادات کا پشتارہ بن گئے اور اب تاریخ ابد الآباد تک ماضی کے اس گورستان سے حقائق کی لاشیں نہ نکال سکے گی، جہاں یہود نے اپنی سازشوں، چالبازیوں اور ریشہ دوانیوں سے انسانیت کو بے جان مہرے کی طرح گاڑ دیا اور اس پر اپنے کارنامے کا تعویذ تک نہ لکھا مبادا کوئی یادگار ہی تعمیر ہو جائے۔

ظہورِ اسلام کے زمانے تک یہود، جو اقصائے عالم میں منتشر و آوارہ ہو چکے تھے۔ سود در سود، تجارت اور بردہ فروشی کی بدولت اپنی بستیاں جگہ جگہ آباد کر چکے تھے اور ہر جگہ ان کا ہاتھ مقامی معیشت اور تجارت کی گردن پر تھا۔ وہ اپنے مفادات کے لئے اوروں میں جہالت کو پروان چڑھاتے اور دوسروں کی بے بسی اور بے چارگی کا مذاق اڑا کر اپنی دستار "فضیلت" کا طرّہ بلند کرتے۔ یہ صورتحال تھی جب اللہ تعالیٰ کو بنی نوعِ انسان پر رحم آگیا اور اس نے صحرائے عرب کے اس گوشے میں جہاں حضرت ابراہیمؑ کے نقوشِ قدم درخشاں تھے، لیکن آپ کا تعمیر کردہ بیت اللہ بتوں کا معبد تھا۔ جہاں آج سے چار ہزار برس قبل ایک معصوم بچے کے بلکنے اور ایک بے بس و مجبور ماما کے اضطراب سے رحمت حق جوش میں آئی تھی اور زمزم کے روپ میں ہمیشہ کے لئے جاری ہوگئی تھی۔ وہیں، اسی مقام پر، انسانیت کی بے چارگی اور فریاد کی ایڑیوں کے رگڑنے سے وہ چشمۂ رحمت بھی جاری ہوا جس نے ساری کائنات کی تشنگی کو سیراب فرما دیا۔ بقول ول ڈیورنٹ: جب محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) تشریف لائے تو عرب ایک صحرا تھا جس پر بت پرست قبیلے آپس میں لڑ مر رہے تھے، جب آپ تشریف لے گئے تو وہ ایک قوم بن چکے تھے۔

ہمارا موقّف یہاں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عظمتِ لازوال اور احساناتِ بے پایاں کا جائزہ لینا نہیں کہ فکرِ انسانی اس ضمن میں قاصر و عاجز ہے۔ غالب نے اس حقیقت کو جس حسن و خوبی سے بیان کیا ہے ہم اسی کا سہارا لینے پر مجبور ہیں۔

غالب ثنائے خواجہؐ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

اس باب میں ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کے وسیلے سے یہود کو کس طرح راہِ نجات و عافیت دکھائی اور یہود نے آپؐ سے اور آپؐ کے دین سے کیا رویہ اختیار کیا۔

یہود جب ۷۰ء کی تباہی کے بعد مدینہ منورہ کے نواح اور شاہراہ شام پر آباد ہوئے تو یہ شاہراہ اہل عرب کی تجارت میں رگِ جاں کی حیثیت رکھتی تھی اور وہ مقامی بدوؤں اور قریش عرب سے اپنے رشتے کا اکثر اظہار کرتے جو اولاد ابراہیمؑ ہونے کے سبب مشترک تھا۔ یہود حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہؑ کے صاحبزادے حضرت اسحٰقؑ کی اولاد اور قریش حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ہاجرہؑ کی اولاد حضرت اسماعیلؑ کے

سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنی برتری قائم کرنے کیلئے یہود نے حضرت اسماعیلؑ کی ۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ قربانی کے واقعہ کو تو حضرت اسحٰقؑ سے منسوب کر لیا لیکن تاریخی طور پر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے تعمیر کردہ بیت اللہ کو قطعاً محترم نہ جانا اور ان کا سلوک حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ وہی رہا جو بقول ان کے حضرت سارہؑ کا تھا کہ ان کے ایماء پر حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو بے آب و گیاہ ریگستان میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا تھا۔ ان کے عقیدے کے مطابق حضرت ہاجرہؑ حضرات ابراہیمؑ کی لونڈی تھیں لیکن ہم ان روایات پر اس لئے اعتبار نہیں کر سکتے کہ انہوں نے اپنی الہامی کتابوں میں اس قدر اضافے کر دیئے تھے کہ اصل کی تلاش بھی ممکن نہیں۔ حالانکہ مسلۂ وراثت کی رو سے اس زمانے کے رواج میں لونڈی اور اس کی اولاد وراثت میں کوئی حق نہ پاتی تھی جو خود اس دلیل کا جواب ہے۔ خود حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ان کی کتابوں میں جو درج ہے وہ اتنا شرمناک ہے کہ اس کا تصوّر بھی اس برگزیدہ نبی کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ قرآن پاک نے اس برگزیدہ نبی کو مینارۂ نور کے طور پر واضح کر کے بلند کیا اور ان تہمتوں سے صاف کیا جو یہود نے از خود ان پر چسپاں کرنے کی کوشش کی تھی۔ واقعہ یہ تھا کہ یہود تورات کی ان آیات کی رو سے، جو انہوں نے حذف کر دی تھیں جانتے تھے کہ اولاد اسماعیلؑ سے نبیؐ آخرالزماں کا ظہور ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے پیش بندی کے طور پر حضرت ہاجرہؑ پر بہتان باندھا اور حضرت اسحٰقؑ کی فضیلت قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس سب کے باوجود قریش کو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد اور حضرت اسماعیلؑ کے حضرت ابراہیمؑ کا بیٹا ہونے کے تعلق سے منکر نہیں تھے، چنانچہ قریش سے وہ ایک خاص تعلق کے حامل تھے۔ اس کے علاوہ جس مسیح کے ظہور کا وقت اب آن پہنچا تھا۔ اس کی آمد کی خبر بھی انہوں نے اپنے گرد و پیش میں پہنچا رکھی تھی اُن کے ستارہ شناس اور احبار حضورؐ کی ولادت کے زمانے میں بالخصوص منتظر تھے کہ اس ذات اطہرؐ کا ظہور ہونے والا ہے۔ حوالوں کے لئے دیکھئے۔

تورات...... استثناء باب ۱۸، فقرہ ۱۵ تا ۱۹ اور

اناجیل...... متی...... باب ۲۱، آیت ۴۳ تا ۴۶

یوحنا...... باب ایک، آیت ۱۹ تا ۲۱ باب ۱۴، آیت ۱۵ تا ۳۰

باب ۱۵، آیات ۲۵، ۲۶، باب ۱۶ آیت ۷ تا ۱۵

مقدّس کتابوں کے ان حوالوں کے باوجود یہود اور نصاریٰ دونوں نے حضورؐ کے پیغام پر توجہ نہ دی اور اپنی مرضی کے مسیح کی طلب کرتے رہے۔

حضورؐ کی بعثت کی اولین تائید مکہ کے مشہور راہب ورقہ بن نوفل نے کی تھی۔ اس نے اقرار کیا تھا کہ حضورؐ ہی وہ نبی ہیں جن کی آمد کا انتظار یہود اور نصاریٰ دونوں کو تھا لیکن اس کے باوجود وہ خود بھی ایمان نہ لایا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے یہود سے بار بار خطاب کر کے انہیں اپنے احسانات اور عہد نامہ کی شرائط یاد دلائی ہیں اور اتباع رسولؐ مقبول کرنے کا حکم دیا ہے۔

ترجمہ: "(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی امی کی پیروی اختیار کریں

جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے"۔ (سورۃ الاعراف آیت ۱۵۷)

لیکن جن یہود نے خود اپنی کتابوں سے پیغام الٰہی مسخ کرتے ہوئے شرم نہ کی اور خدا کا خوف نہ کیا وہ اس دعوت کو کیسے قبول کر لیتے۔ ان کی ذہنیت تو اس حد تک پست ہو چکی تھی کہ وہ عام انسانی قدروں پر بھی قائم نہ رہے تھے قرآن حکیم ان کے بارے میں واضح طور پر کہتا ہے کہ ان کا ضمیر دوسروں کے ساتھ عیاری کرتے ہوئے بھی نہیں شرماتا اور ان کے بقول......

ترجمہ: "امیوں (غیر یہودی لوگوں) کے معاملہ میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے"۔ (سورۃ آل عمران آیت ۷۵)

سورۂ اعراف کی آیات میں 'امی' کا لقب ارشاد فرما کر اللہ تعالیٰ نے یہود کو خبردار کیا کہ "تمہاری تقدیر اب اسی امی کے ساتھ وابستہ ہے اگر تم نے اس کا اتباع کیا تو میری رحمت سے حصہ پاؤ گے ورنہ وہی غضب تمہارا حق ہے جس میں تم گرفتار ہو"۔

یہود کو ان کا عہد یاد دلا کر اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ میں ارشاد فرماتا ہے۔

ترجمہ: "اے بنی اسرائیل! ذرا خیال کرو میری اس نعمت کا جو میں نے تم کو عطا کی تھی میرے ساتھ تمہارا جو عہد تھا' اسے تم پورا کرو' تو میرا جو عہد تمہارے ساتھ تھا اسے میں پورا کروں اور مجھ ہی سے تم ڈرو۔" (سورۃ البقرۃ آیت ۴۰)

قرآن پاک میں مختلف انداز سے کبھی لطف و کرم اور نعامات یاد دلا کر' کبھی خوف سے ڈرا کر' کبھی محبت کا اظہار کر کے' کبھی ان کی بدعملیوں پر تنبیہہ کر کے' غرض ہر طریقے سے انہیں خبردار کیا۔ حتیٰ کہ انہیں وہ تنبیہہ یاد دلائی جو یہود یہ سے اولین انخلاء کے وقت آٹھویں صدی قبل مسیح میں فرمائی تھی:

ترجمہ: اور یاد کرو جبکہ تمہارے رب نے اعلان کر دیا کہ "وہ قیامت تک برابر ایسے لوگ بنی اسرائیل پر مسلّط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب دیں گے۔ یقیناً تمہارا رب سزا دینے میں تیز دست ہے اور یقیناً وہ درگزر اور رحم سے بھی کام لینے والا ہے۔ (سورۃ الاعراف آیت ۱۶۷)

لیکن یہود نے ان احکامات باری تعالیٰ سے بھی اسی سرد مہری کا سلوک کیا' جو انہوں نے اپنی کتب مقدسہ کے احکامات سے روا رکھا تھا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی تاریخ کو بالالتزام امت رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے عبرت اور آگہی کے لئے ظاہر فرمایا۔ سورۂ یوسفؑ میں پوری وضاحت سے ارشاد فرمایا کہ یہ قوم سیرت یوسفؑ کے حامل حق پرستوں کے ساتھ بھی وہی کچھ کرنے والی ہے جو اس نے اپنے اس پیغمبر بھائی کے ساتھ کیا اور اسلام کے احسانات کا بدلہ بھی اسی جہالت اور تنگ نظری سے ادا کرنے والی ہے جو اس نے یوسفؑ کی شفقت و عنایات کے جواب میں ظاہر کیں۔ اس معاندانہ اور منافقانہ عمل کے ساتھ اس برتری پر ایمان جس کو دو ہزار سال کی ذلتیں بھی نہ مٹا سکی تھیں۔ مل جل کر ایک ایسے کردار میں ڈھل چکا تھا جس نے حضورؐ کے دورِ رسالت میں بھی طرح طرح کے

روڑے اٹکائے اور بعد میں بھی اسلام کو مٹانے کی ناپاک کوششوں اور اپنے اعتقادات و خیالات سے ملوث کرنے کی سازشیں جاری رکھیں۔ اس ذہنیت کا انکشاف قرآن حکیم میں سورۂ بنی اسرائیل میں یوں کیا گیا ہے۔

"ہم نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کو اس بات پر متنبہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فسادِ عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔ آخر کار جب ان میں سے پہلی سرکشی کا موقع پیش آیا تو اے بنی اسرائیل ہم نے تمہارے مقابلے پر ایسے بندے اٹھائے جو نہایت زور آور تھے اور وہ تمہارے ملک میں گھس کر ہر طرف پھیل گئے۔ یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہو کر ہی رہنا تھا۔ اس کے بعد ہم نے تمہیں ان پر غلبے کا موقع دیا اور تمہیں مال اور اولاد سے امداد دی اور تمہاری تعداد پہلے سے بڑھا دی۔ دیکھو تم نے بھلائی کی تو وہ تمہارے اپنے ہی لئے بھلائی تھی اور برائی کی تو وہ تمہاری اپنی ذات کے لئے برائی ثابت ہوئی۔ پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کیا تا کہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد (بیت المقدس) میں گھس جائیں جس طرح پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر ان کا ہاتھ پڑے اسے تباہ کر کے رکھ دیں۔ ہو سکتا ہے کہ اب تمہارا رب تم پر رحم کرے، لیکن اگر تم نے پھر اپنی سابق روش کا اعادہ کیا تو ہم بھی پھر اپنی سزا کا اعادہ کریں گے اور کافر نعمت لوگوں کے لئے ہم نے جہنم کا قید خانہ بنا رکھا ہے"۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۴ تا ۸)

حضورؐ کو یہود سے پہلا سابقہ ہجرت کے بعد پڑا۔ مدینہ کے نواح میں یہودیوں کی بستیاں قلعوں کی صورت میں آباد تھیں۔ تجارت، سود، طب اور اپنی فطری شرانگیزی نے انہیں یثرب (مدینہ) کی زندگی میں امتیازی حیثیت دے دی تھی وہ مقامی لوگوں کو آپس میں لڑاتے ان کے اختلافات کو ہوا دیتے اور اس باہمی جنگ و جدال سے اپنے ہاتھ رنگتے جب انوارِ اسلام نے اہلِ یثرب کے قلوب کو درخشاں کیا اور ان کی دیرینہ رنجشیں ختم ہو کر انہیں ایک نئی برادری اور محبت کے رشتے میں متحد کرنے لگیں تو یہود کو اپنا مستقبل ایک بار پھر ڈوبتا نظر آنے لگا۔

اوس اور خزرج قبائل جو اسلام قبول کرنے سے صرف دو برس قبل بعاث میں ایک دوسرے کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے عہد کر رہے تھے اب ایک دوسرے کی خاطر جان ہتھیلی پر لئے پھرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس تعلقِ باہمی کو اپنی توفیقِ خاص کا انعام ٹھہراتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے مومنوں کے ذریعے تمہاری تائید کی اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے۔ تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے، یقیناً وہ بڑا زبردست اور دانا ہے"۔

مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی اکثریت اور مقبولیت سے خوفزدہ ہو کر جب یہود نے پر پرزے نکالنے شروع کئے تو حضورؐ نے انہیں ۱ھ میں ایک معاہدہ کا پابند فرما دیا جس کی رو سے:

۱۔ یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان صلح رہے گی۔

۲ ۔ دونوں ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے۔
۳ ۔ اگر دونوں فریقوں میں سے کسی ایک پر بیرونی قوت حملہ کرے تو دونوں مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔
۴ ۔ اگر دشمن سے جنگ چھڑ جائے تو یہودی بھی مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کے اخراجات برداشت کریں گے۔
۵ ۔ یہودیوں کی دوست قوموں کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو یہودیوں کے ہیں۔
۶ ۔ مدینہ منورہ کے اندر کشت و خون سب قوموں پر حرام ہو گا۔
۷ ۔ اگر دونوں قوموں کے درمیان کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے تو رسول اللہؐ کا فیصلہ دونوں کو تسلیم کرنا ہو گا۔

رفتہ رفتہ اس معاہدے پر مدینے کے یہود کے علاوہ بنو نضیر' بنو قریظہ اور بنو قینقاع نے بھی اپنی مہریں ثبت کر دیں اور اس طرح یہود مہاجرین اور انصار کی جمعیت سے ایک محفوظ معاشرہ کا قیام عمل میں آیا اور دارالہجرت 'یثرب' مدینۃ الاسلام کی شکل اختیار کر گیا۔ ۲ھ میں غزوۂ بدر نے اسلام کو "ریاست" بنا دیا۔ اب تک یہود کی توقع تھی کہ قریش کی جمعیت سرور دینؐ اور آپؐ کے دین کو (نعوذ باللہ) ختم کر دے گی۔ لیکن جب نتیجہ اس کے برعکس نکلا تو ان کی آتش حسد اور نفرتِ طبعی نے جوش مارا۔ انہیں نظر آنے لگا کہ اسلام ایک مذہب نہیں' ایک طاقت بھی ہے۔ چنانچہ ان کی شرانگیزیاں ایک دفعہ پھر تیز ہو گئیں اور انہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کو حسبِ معمول اپنی عظمت کی دلیل بنا لیا۔

ان کے سردار کعب بن اشرف نے جب فتح بدر کی خبر سنی تو چیخ اٹھا۔

"آج زمین کا پیٹ ہمارے لئے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے"۔ وہ خود مکہ گیا اور وہاں ہیجان انگیز مرثیے پڑھ کر قریش کو جوش دلانے اور انہیں انتقام پر اکسانے لگا۔ ایک مرثیہ کے چند بند ملاحظہ ہوں۔

بدر کی چکی نے تمہارے جوانوں کا خون پیس ڈالا۔
بدر کے واقعات پر چیخو! آنسو بہاؤ!!
تمہارے بہترین بہادروں کی گردنیں کٹ کر زمین پر گریں
حیران نہ ہو کہ تمہارے شہزادوں کی لاشیں بدر میں پڑی رہ گئیں
کیسے کیسے حسین' شجیع اور خاندانی جوان تھے وہ
وہ جو بھوکے' بے گھر لوگوں کی پناہ تھے۔ کٹ مرے وہ کھلے خزانے خیرات کرتے۔

جب ستاروں سے بارش نہ برستی۔
وہی تو تھے جو دوسروں کا بوجھ اٹھاتے تھے وہ راج دلارے تھے۔ جو صرف اپنا حق لیا کرتے تھے۔
بعض لوگ جن کے غصے پر میرا جی خوش ہوتا ہے' کہتے ہیں۔
کعب بن اشرف تو بالکل مایوس ہو گیا
وہ سچے ہیں۔
اے کاش! جب وہ قتل ہوئے تو زمین پھٹ جاتی اور اپنے بچوں کو نگل لیتی۔
اور وہ جو اس خبر کو پھیلانے آئے تھے 'نیزوں پر چڑھائے جاتے' یا اندھے' بہرے اور گونگے بن کر زندہ رہتے۔

اس کے علاوہ ان کے قبیلہ قینقاع کے لوگوں نے معاہدے میں خیانت کر کے مسلمان خواتین کو چھیڑنا شروع کیا۔ نبی اکرمؐ نے اس حرکت پر جب ان کے سرداروں کی توجہ دلائی تو وہ الٹا بولے؟ "خبردار ہمیں قریش نہ سمجھنا! ہم لڑنے مرنے والے لوگ ہیں اور لڑنا جانتے ہیں۔ ہمارے مقابلے میں آؤ گے تو پتہ چلے گا' مرد کیسے ہوتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی اور مجرمانہ روش پر فرمایا

ترجمہ : " (خصوصاً) ان میں سے وہ لوگ جن کے ساتھ تو نے معاہدہ کیا پھر وہ ہر موقع پر اس کو توڑتے ہیں اور ذرا خوفِ خدا نہیں کرتے' پس اگر یہ لوگ تمہیں لڑائی میں مل جائیں تو ان کی ایسی خبر لو کہ ان کے بعد جو دوسرے لوگ یہی روش اختیار کرنے والے ہوں ان کے حواس باختہ ہو جائیں۔ " (سورۃ الانفال آیت ۵۶' ۵۷)

یہود اور مدینہ کے مسلمانوں کے درمیان سلسلہ کے عہدنامہ کی اصلیت سمجھنے کے لئے ہمیں ایک بار پھر یہود کی ذہنیت پر غور کرنا ہو گا۔ یہود نے اسلام کو ابتداء میں ایک نئے مذہب کو طور پر سمجھا ہی نہیں' بلکہ وہ اسے اپنے انبیاء اور الہامی کتابوں کی روشنی میں اسی دین کی ایک کڑی سمجھتے رہے جسے ابراہیمؑ' اسحاقؑ اور موسیٰؑ لے کر آئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ قریش مکہ اور دیگر عرب قبائل میں اس دین کی مقبولیت سے ان کی فضیلت مزید اجاگر ہو گی اور وہ اپنے مذہب کی مرکزیت کے سبب اس شاخ کو اپنے زیرِ اثر لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ غرض انہوں نے اس معاملے کو سمجھنے میں وہی ٹھوکر پھر کھائی جو عیسائیت کی ترویج کے وقت انہیں لگی تھی۔ چونکہ وہ اپنی ذاتی عظمت (جو پیغمبرزادگی اور یہواہ کے عہد کا حاصل تھی) برقرار رکھنے کے لئے اپنے دین کو مزید پھیلانا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے ان کی خواہش تھی کہ دوسرے درجے کے ایسے مذاہب فروغ پائیں جن میں انہیں مرکزیت حاصل ہو۔ اسی فلسفے کے تحت انہوں نے عیسائیت کو اپنا مخصوص رنگ دے کر عام کرنا چاہا اور جب وہ ان کے ہاتھوں سے نکل کر ایک نئے مذہب کی حیثیت سے قریہ قریہ پھیل چکا اور اسے سلطنتِ روما کی پشت پناہی بھی حاصل ہو گئی تو ان کی آنکھیں کھلیں۔

حضورؐ نے جب اسلام کے بنیادی ارکان واضح کئے تو یہ سمجھ بیٹھے کہ اب انہیں دوسرے درجے کا

مذہب اور قوم ضرور حاصل ہوگی جو ان کے زیر سایہ چل کر کم از کم یہودیہ کو دوبارہ زیر کرنے کے لئے ان کا ساتھ دے گی اور یوں وہ اپنے منصوبے پالیں گے۔ پھر مدینہ منورہ میں حضورؐ کی تشریف آوری کے سترہ ماہ بعد تک مسلمان بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے تو یہود نے یہ چرچا عام کر دیا کہ یہ نبیؐ جو خود کو نبیؐ آخر الزماں کہتا ہے' ہمارے ہی قبلہ کو سجدہ کرتا ہے' پس آخر کار یہ ہمارا ہی دین اختیار کرے گا اور اپنی جمعیت کے ساتھ ہماری تقلید کرے گا۔ اس لئے انہوں نے معاہدے کی شرائط قبول کرنے میں دیر نہ کی۔

لیکن جب تبدیلیٔ قبلہ کی آیت نازل ہوئی تو انہیں احساس ہوا کہ اسلام اپنی مرکزیت پا کر ان سے بالکل ممیز ہو گیا ہے اور اب اس کی جداگانہ حیثیت واضح ہو گئی ہے۔ اب انہوں نے نومسلموں کو دوسرے طریقوں سے بہکانا شروع کیا کہ حضورؐ نے (نعوذ باللہ) تمام نبیوںؑ کے قبلہ کو چھوڑ کر اللہ سے بغاوت کی ہے۔ کوئی سچا نبی اپنے پیش رووں کے قبلہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سیاست کی یوں تردید فرمائی کہ یہ قبلہ نیا نہیں' یہ تو ابراہیمؑ کے وقت سے مقرر ہے اور ابراہیمؑ پیشوا ہیں یہود و نصاریٰ دونوں کے پس ان کا مقرر کیا ہوا قبلہ دونوں کے لئے باعثِ احترام ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے۔:

ترجمہ: "اور جس سمت قبلے پر آپ رہ چکے ہیں وہ تو اس لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون رسولؐ کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے ہٹتا ہے"۔

گویا قبلہ تعین تھا ہی یہود سے امت محمدیؐ کو جدا کرنے کے لئے۔ حکمت اس تفاوت میں یہ بھی تھی کہ اگر یہود و مسلمان دونوں کا قبلہ ایک ہی رہتا تو یہودی انہیں ہمیشہ اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے اور مطعون کرتے کہ تم وہ ہو جنہیں اپنا قبلہ تک نصیب نہ ہوا' یا جو ہمارے قبلے کو سجدہ کرتے ہو کہ ہم نے اسے تم سے کئی ہزار برس قبل اپنایا تھا۔ اس ذہنیت کا علاج یہی تھا کہ مسلمانوں کو ان فتنہ پروروں کی زد سے محفوظ کیا جائے۔ اس پس منظر میں یہود و نصاریٰ کی صدیوں پرانی چپقلش دیکھئے کہ چونکہ حضرت عیسیٰؑ کا وطن مالوف جلیلیہ ہے جو یہودیہ کے علاقے میں ہے اس لئے اس کی تقدیس نے انہیں گزشتہ دو ہزار برس سے یہود کا پابند کر رکھا ہے اور اسی پابندی کے مارے وہ کبھی صلیبی جنگیں لڑتے پھرتے ہیں اور کبھی ان کے لئے "اسرائیل" تراش کر ان کے قائم رہنے کی سبیلیں کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی مسلمانوں کا علیحدہ قبلہ ان کے لئے ایک ضروری اقدام تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ فتح مکہ تک یہود مسلسل اسلام دشمنی پر کمربستہ رہے۔ قریش و کفار مکہ کو دامے' درمے' سخنے مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سرزمینِ عرب ان سے پاک فرما دی۔

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ تبدیلیٔ قبلہ کی وجہ سے وہ اپنے مذہبی فرائض سے مجبور ہوئے لیکن ان یہود

کی طرزِ زندگی پر اگر غور کیا جائے جو ۷۰ ء میں ذلیل و خوار ہو کر یہودیہ سے نکالے گئے تھے تو پتہ چلے گا کہ پانچ سو برس میں وہ پھر اس قدر رسوخ حاصل کر چکے تھے کہ ایک طرف قریش مکہ کو تین سو میل کے فاصلے پر بیٹھ کر انگلیوں پر نچاتے اور اپنے مفادات کے لئے برتتے' دوسری طرف سارے عرب کی معیشت و تجارت ان کے قرضوں اور سود در سود کے نظام کی رہین منت تھی۔ طب اور جادوگری ان کے وجود سے قائم تھی' یہاں تک کہ عرب کی جن عورتوں کی اولاد نہ ہوتی' وہ ان سے رجوع کرتیں اور نذر مانتیں کہ اگر ہمارے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو ہم اسے یہودی کر دیں گی۔ اس طرح کئی بچے بنو نضیر میں رہتے تھے۔ اس روایت کی تصدیق حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے بھی فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلام کے فروغ کے ساتھ ساتھ یہود کی یہ طاقت اور سرمایہ داری سلامت نہ رہ سکتی تھی اور جو مقام انہوں نے پانچ سو برس میں حاصل کیا تھا وہ بالکل محدود ہو کر رہ گیا۔ اسلام اور حضورؐ کے خلاف ان کی حرکات اس وجہ سے بھی کارفرما تھیں۔

ان تمام وجوہات کے علاوہ مہاجرین اور انصار کی باہمی محبت بھی یہود کے لئے تکلیف کا باعث تھی۔ انصار میں سے وہ جو یہود کے مقروض تھے اور اس اقتصادی جکڑ بند کے باعث ان کا سامنا نہ کر سکتے تھے' مہاجرین کی امداد پا کر اس عذاب سے نجات حاصل کر گئے اور پھر جب دونوں نے مل کر تجارت کو سنت نبویؐ کی حیثیت سے اپنایا تو دیکھتے ہی دیکھتے یہودی تسلط عملی طور پر برائے نام ہی رہ گیا۔ چنانچہ تاجرانہ رقابت نے بھی انہیں مسلمانوں کے خلاف اکسایا اور وہ سینے کی آگ لے کر کفارِ مکہ کو بھڑکانے نکل کھڑے ہوئے۔

بنی قینقاع' بنو نضیر اور بنو قریظہ .یہودیوں کے تین مشہور قبیلے تھے جو اپنی اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے اور بہانے بہانے سے مسلمانوں کو تنگ کرتے تھے۔ بنو قینقاع کے ایک یہودی نے ایک عرب عورت کو چھیڑا' ایک مسلمان نے اس کی طرف داری کی اور یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے انتقاماً اسے شہید کر دیا۔ حضورؐ نے شہید کا خون بہا مانگا یہودی آمادۂ فساد تھے قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضورؐ نے پندرہ دن محاصرہ کر کے انہیں سپرانداز ہونے پر مجبور فرمایا اور جلاوطن کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ۲ھ میں وہ اپنی جائیداد' باغات اور زمینیں چھوڑ کر شام کے علاقے میں چلے گئے۔

بنو نضیر نے بھی معاہدۂ مدینہ کی خلاف ورزی کی اور کفارِ مکہ کو اکسا کر جنگِ احد پر آمادہ کیا۔ معاہدہ کی رو سے انہیں جنگ کی صورت میں مسلمانوں کا ساتھ دینا تھا لیکن وہ نہ صرف اس موقعہ پر کنی کاٹ گئے بلکہ الٹا مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ حضورؐ نے ان سے خون بہا طلب کیا اور اس مقصد کے لئے بنو نضیر کی بستی میں تشریف لے گئے۔ ایک موقعہ پر آپ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ ایک دیوار کے سایہ میں تشریف فرما تھے کہ یہود نے دیوار گرا کر آپؐ کو شہید کرنے کی سازش کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو یہود کے اس ناپاک ارادے سے خبردار فرمایا اور آپ وہاں سے اٹھ کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

اس واقعہ کے بعد حضورؐ نے انہیں لکھا کہ یا تو معاہدہ کی تجدید کریں اور اس پر کاربند ہونے کا عہد کریں ورنہ مدینہ منوّرہ سے نکل جائیں۔ یہود نے اس کا کوئی جواب نہ دیا چنانچہ آپؐ نے ان کے خلاف لشکر کشی فرمائی۔ بنو نضیر کے یہود قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے اور قریشِ مکہ کی کمک کا انتظار کرنے لگے لیکن جب دو ہفتے گزرنے تک قریش کے دو ہزار سواروں کی کمک نہ پہنچی تو اس شرط پر ہتھیار ڈال دینے پر آمادہ ہوئے کہ انہیں قتل کرنے کے بجائے جلاوطنی کی سزا دی جائے۔ حضورؐ نے اس شرط کو نہ صرف قبول فرمایا بلکہ انہیں اجازت دی کہ جتنا مال اسباب اونٹوں پر لاد کر لے جاسکتے ہیں، لے جائیں۔ چنانچہ ان میں سے اکثر مدینہ سے نوے میل شمال میں خیبر میں جا کر آباد ہوئے اب یہود کا ایک قبیلہ بنو قریظہ رہ گیا تھا جو مدینہ منوّرہ کے نواح میں آباد تھا اور اپنے دیگر قبائل کا انجام دیکھ کر موقع کی تلاش میں تھا۔

یہود خیبر اور بنی نضیر کے ان یہود نے جو خیبر میں جا آباد ہوئے تھے، کفارِ مکّہ کو تیار کیا کہ ایک بڑی فوج کے ساتھ مدینۂ منوّرہ پر حملہ کریں تاکہ مسلمانوں کی طاقت کا خاتمہ ہو۔ تین برس کی تیاری کے بعد ۵ھ میں یہ یہود دس ہزار کی مسلح فوج لے کر مدینہ پر چڑھ دوڑے، حضورؐ نے شہر کے اس حصے کے گرد خندق کھدوادی جو غیر محفوظ تھا۔ منافقین اس موقعہ پر بہانے بہانے کھسکنے شروع ہوئے۔ بنو قریظہ کا عمل ظاہر تھا اس لئے حضورؐ نے دو سو جانباز ان پر نظر رکھنے کے لئے مقرّر فرمائے۔ بنو نضیر کے سرداروں نے بنو قریظہ کے سردار کو ساتھ ملا کر کہا کہ "یہی ایک موقعہ ہے کہ مسلمانوں کی جمعیت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا جائے۔ آج سارا عرب ہمارے ساتھ ہے" اس فوج نے بیس روز تک مدینۂ منوّرہ کا محاصرہ کئے رکھا ایک دن کفّار نے مسلمانوں پر پتھروں کی بارش کی۔ مسلمان ان کا جواب دینے میں مصروف تھے کہ یہود بنو قریظہ نے صورتحال سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور اس قطعہ پر چھاپہ مارا جہاں خواتین جمع تھیں لیکن مسلمان عورتوں نے بڑی بہادری سے انہیں مار بھگایا اس کے بعد کسی کو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی پھر کچھ اختلافات کی بنیاد پر یہود اور قریش ایک دوسرے سے بدظن ہو گئے ایسے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی امداد فرمائی اور ایک رات ایسا سرد طوفان اور آندھی چلی، جس سے دشمنوں کے خیمے الٹ گئے اور یوں حواس باختہ قریشِ مکہ بے نیل و مرام محاصرہ اٹھا کر واپس چلے گئے۔ قریش کے جانے کے فوراً بعد بنو قریظہ کو وعدہ خلافی اور غدّاری کی سزا دینے کے لئے حضورؐ نے حملے کا حکم دے دیا۔ پندرہ دن کے محاصرے کے بعد یہود نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ ان کی سزا کا فیصلہ حضرت سعدؓ بن معاذ کریں، جن کے ساتھ ان کے تاجرانہ تعلقات بھی تھے اور جو قبیلہ اوس کے سردار ہونے کے سبب ان کے نزدیک بہت محترم تھے۔ یہود کا خیال تھا کہ دیرینہ مراسم کی بنا پر سعدؓ ان کے ساتھ حضورؐ کی بہ نسبت زیادہ نرمی سے پیش آئیں گے لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ سعدؓ غزوۂ خندق میں شدید زخمی ہو چکے تھے اور انہیں یہود کی غداری کا سخت ملال تھا اس کے باوجود حضرت سعدؓ نے پوری بردباری کے ساتھ یہودؓ سے پوچھا کہ "فیصلہ تمہاری کتاب کے مطابق کیا جائے یا ہماری کتاب (قرآن) کے مطابق"۔

انہوں نے اصرار کیا کہ "ہماری کتاب کے بموجب فیصلہ صادر فرمایئے"۔
چونکہ تورات کے حصہ استثناء میں حکم "گرفتار شدہ دشمن کو قتل کر دینے" کا ہے۔ اس لیئے حضرت سعدؓ نے فیصلہ دیا کہ یہود کے لڑنے کے قابل تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے"۔ حضرت سعدؓ اس فیصلے کے دوسرے دن ہی شہید ہو گئے لیکن آپ فیصلے کے مطابق تقریباً چھ سو یہود کو قتل کر دیا گیا اور اس طرح بنو قریظہ کا قضیہ بھی پاک ہو گیا۔
اب مدینہ منورہ کے گرد و نواح میں کوئی یہودی بستی باقی نہ رہی لیکن خیبر کے یہود غزوۂ خندق اور اس کے بعد کے واقعات سے آگ بگولا ہو رہے تھے۔ ان کے سامنے ایک ہی چارۂ کار تھا کہ اپنی دولت اور طاقت کا لالچ دے کر قریش مکہ کو ایک بار پھر حضورؐ کے خلاف اکسائیں اور فیصلہ کن جنگ لڑ کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کریں۔ سرکارِ دو جہاں ان کی نیت سے بے خبر نہ تھے۔ چنانچہ دونوں کے گٹھ جوڑ کو روکنے کے لئے قریش سے صلح حدیبیہ فرمائی۔ صلح نامہ کی رو سے:

۱۔ دس سال تک قریش مسلمانوں سے جنگ نہیں لڑیں گے
۲۔ مسلمان اس سال عمرہ کیئے بغیر واپس جائیں گے اور اگلے سال تین دن کے لئے مکہ میں عمرہ اور زیارتِ کعبہ کے لئے آئیں گے
۳۔ مسلمان اپنے ساتھ تیر اور نیزے نہیں لائیں گے' ان کے پاس صرف تلواریں ہوں گی جو نیاموں میں بند ہوں گی' اور
۴۔ جو مسلمان قریش کے ہتھے چڑھ جائے گا' اسے واپس نہیں کیا جائے گا لیکن قریش کا جو آدمی مسلمانوں کے قبضے میں آئے گا' اسے واپس کرنا ہو گا۔

یہ شرائط ایسی تھیں' جو حضورؐ کے جانبازوں کے لئے ناقابلِ قبول تھیں' لیکن حضورؐ کے ایماء پر وہ خاموش رہے۔ اس صلح نامہ میں بڑی حکمتیں پوشیدہ تھیں جو عام فہم میں نہیں آ سکتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے "فتح مبین" کا نام دیا اس صلح نامہ میں قریش نے مسلمانوں کو ایک مستقل قوم کی حیثیت سے پہلی بار تسلیم کیا تھا اس طرح یہود کی سازشوں سے تحریری طور پر الگ ہو گئے تھے۔ چنانچہ حضورؐ نے قریش کی جانب سے اطمینان کر کے یہود کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی۔
صُلحِ حدیبیہ سے واپسی پر حضورؐ نے مدینہ منورہ میں بیس دن قیام فرمایا اور پھر اپنے صحابہؓ کے ساتھ خیبر کی جانب روانہ ہوئے جنہوں نے صلح حدیبیہ میں حصہ لیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جیش اسلام کے ہاتھوں میں پرچم تھے' ایک پرچم تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اوڑھنی کا بنایا گیا تھا' جسے حضرت علیؓ اٹھائے ہوئے تھے۔ جاں نثارانِ اسلام یہ ترانہ گاتے ہوئے بڑھے۔

"اے اللہ' تیرے دین کے بغیر' ہمیں ہدایت نہ ملتی ہماری جانیں تیرے نام پر قربان' ہماری خطائیں معاف فرما دے۔ ہمیں تسکینِ قلب عطا فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ۔ ظالموں نے فتنے برپا کر دیئے ہیں۔ ہم ان سے ڈرنے والے نہیں۔ اے ا

اللہ! ہمیں اپنی بخشش عطا فرما۔ "

یہود خیبر اس فوج کے پہنچنے سے پہلے خبردار ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے قلعے محفوظ کئے اور جنگ کی تیاری مکمل کی۔ خیبر میں ان کے سات قلعے تھے۔ پہلا قلعہ ناعم جب فتح ہو گیا تو سب دوسرے مضبوط قلعے قموص میں جمع ہو گئے۔ اس وقت حضورؐ نے حضرت علیؓ کو ہراول دستے کا علم دے کر ان کی کامیابی کے لئے دعا فرمائی۔ حضرت علیؓ نے قموص کے یہودی سورما مرحب کو قتل کر دیا تو یہودی گروہ میں کھلبلی مچ گئی اور اس طرح یہ مہم بھی کامیاب ہو گئی۔ قموص کی فتح کے ساتھ ہی یہودیوں کی کمر ٹوٹ گئی اور یکے بعد دیگرے باقی یہودی قلعہ جات بھی فتح ہو گئے۔

اس موقع پر ایک یہودن زینب بنت الحرث نے حضورؐ کی دعوت کی۔ جسے آپؐ نے قبول فرمایا۔ ابن اسحاق کے بقول: "اس نے ایک دنبہ ذبح کیا اور اسے بھوننے سے پہلے حضورؐ سے پوچھا کہ آپؐ کونسا حصہ پسند فرمائیں گے"۔ آپؐ نے فرمایا مجھے بازو کا گوشت زیادہ مرغوب ہے"۔ چنانچہ اس نے سارے دنبے پر زہر چھڑکا اور بازو کو خصوصاً زہر آلود کیا۔

آپؐ نے ایک لقمہ دہن مبارک میں لیا' لیکن اسے نگلا نہ تھا کہ فرمایا! "یہ ہڈی مجھ سے کہتی ہے کہ اسے زہر آلود کیا گیا ہے" چنانچہ آپؐ نے اسے اگل دیا۔ حضرت بشرؓ بن البراء نے آپؐ کے ساتھ ایک نوالہ لیا تھا لیکن وہ اسے نگل گئے اور شہید ہو گئے۔

اپنی آخری علالت میں حضورؐ نے فرمایا کہ میرے پاس ام بشرؓ آئی تھی اور میںؐ نے ان سے کہا!

"اے ام بشرا مجھے اس گوشت کی وجہ سے' جو میں نے خیبر میں چبایا تھا شدید درد لاحق ہے۔ اسی گوشت سے تیرا بھائی شہید ہوا تھا" ۔

چنانچہ اس روایت کے مطابق حضورؐ کا وصال اس زہر سے ہوا' جو اس یہودن نے آپؐ کو خیبر میں ایک دعوت کے موقع پر دیا تھا (واللہ اعلم بالصواب)

خیبر کی ان شکستوں کے بعد یہودی بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور آدھی بٹائی پر مسلمانوں کے لئے کھیتی باڑی کر کے خیبر ہی میں مقیم رہنے کی درخواست کی' جو منظور کر لی گئی۔ اس جنگ نے مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی اور یہود کی طاقت اقتدار اور سازشوں کا خاتمہ کر دیا۔ چنانچہ سرزمینِ حجاز میں وہ دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔ اب ان میں مسلمانوں کے سامنے آ کر لڑنے یا اسلام کی صداقت کو للکارنے کی سکت باقی نہ رہی۔ تجارت میں بھی وہ اہلِ مدینہ کے سامنے گرد ہو کر رہ گئے۔ یہاں تک کہ رسولؐ اللہ کے وصال کے بعد جب مہاجرین اور انصار کے مابین جانشینی کے مسئلہ نے سنگین صورتحال پیدا کر لی تو بھی تاریخ میں یہود کے کسی ردِ عمل کا کوئی ذکر نہیں۔ البتہ شام کے عرب قبائل جنہوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا اور رومی سلطنت کے صوبیدار کی حیثیت کے باوجود "بادشاہ" کا لقب اختیار کئے ہوئے تھے مشرکینِ عرب کی طرح اسلام کے دشمن بن کر اٹھے۔

۶ھ میں جب رسولؐ پاک نے قیصرِ روم کو دعوتِ اسلام کا خط تحریر فرمایا تو آپؐ کے قاصد حضرت

وحیہ کلبیؓ کو واپسی پر انہی شامی عربوں نے لوٹ لیا تھا۔ اسی طرح بصریٰ کے حاکم عمر بن شرجیل نے حضورؐ کے قاصد حضرت حارثؓ بن عمیر کو شہید کرا دیا۔ حضورؐ نے ۸ھ میں ان کی سرزنش کے لئے لشکر کشی فرمائی اور موتہ کے مقام پر انہیں نابود فرمایا۔

۹ھ میں رومیوں نے مدینہ منورہ پر حملے کی تیاریاں کی۔ حضورؐ نے جواباً پیش قدمی فرما کر تبوک میں اپنی فوج کی رہبری فرمائی تو رومیوں کو جنگ کا حوصلہ نہ ہوا۔ ۱۱ھ میں حضورؐ نے حضرت اسامہ بنؓ زید کو شام پر حملہ کرنے کے لئے فوج کا سردار بنا کر بھیجا' لیکن ان کی روانگی سے پہلے ہی حضورؐ کا وصال ہو گیا۔

اس موقع پر نبوت کے تین جھوٹے دعویدار کھڑے ہو گئے۔ یمن میں اسود عنسی ' یمامہ میں مسیلمہ کذاب ' اور بخد میں طلیحہ ۔ اسود عنسی کا خاتمہ تو جلد ہی گیا لیکن مسیلمہ اور طلیحہ کا فتنہ بڑھتا رہا۔ مسیلمہ کے قبیلے کی تعداد چالیس ہزار سے متجاوز تھی طلیحہ کا اثر بڑھتا دیکھ کر مدینہ منورہ کے نواح کے باغی قبائل اس سے ملنے شروع ہو گئے۔ امیر المومنین حضرت ابو بکرؓ صدیق نے نامساعد حالات کے باوجود ان کی سرکوبی فرما کر انہیں کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ ان تمام بغاوتوں اور مفسدہ پردازیوں کی پشت پر بھی یہود کی شیطنت کا کوئی اندازہ عیاں نہیں' تاہم یہود کی ذہنیت کے پیش نظر اس صورتحال میں کہ وہ فوجی کارروائی سے قاصر اور مالی اعتبار سے شکست خوردہ تھے' ان کی موجودگی کا احساس بار بار ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا ایسا کرم حضورؐ اور ان کے غلاموں کا مقدر تھا کہ وہ جدھر کا رخ کرتے تائیدِ ایزدی ان پر سایہ فگن ہوتی اور فتح و نصرت ان کے قدم چومتی۔ عہدِ فاروقی میں جب مسلمان مجاہدین شام کی طرف جاتے تو راستہ میں خیبر بھی ایک پڑاؤ تھا۔ یہودی ان موقعوں پر مجاہدین پر پانی بند کر دیتے اور ان کے خیمے جلا دیتے۔ بالآخر حضرت فاروقؓ اعظم نے ان کو خیبر سے باہر نکال دیا اور شام کا راستہ محفوظ ہو گیا' یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ۶۳۵ء میں دمشق' ۶۳۶ء میں انطاکیہ ۶۳۸ء میں یروشلم اور ۶۴۰ء میں سارا ملک شام مسلمانوں کے زیرِ نگیں تھا۔ ۶۴۱ء تک ایران اور مصر پر بھی اسلامی پرچم لہرانے لگے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے دور میں بھی یہودی سر نہ اٹھا سکے۔ مشہور مصری مورخ محمد حسین ہیکل نے اپنی تصنیف "عمر فاروقؓ اعظم" میں عباس محمود العقاد کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کی سازش کعب الاحبار نامی یہودی کے ہاتھوں طے ہوئی تھی۔

عہدِ عثمانی میں وہ مسلمان جو اللہ کی رضاجوئی اور حضورؐ کی محبت پر اپنی جان و مال کو نثار کرنا ہی حیات سمجھتے تھے' باہمی خلفشار کا شکار کیسے ہوئے؟ مہاجر و انصار' قریش بدو' بنو ہاشم اور بنو امیہ یعنی حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان نفاق کے بیج کس نے بوئے' کس نے پھوٹ ڈالی۔ اس تمام کی پشت پر ایک ہی نام ابھرتا ہے یعنی عبد بن سبا' ایک یہودی جس نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کیا۔ ۳۲ھ میں اس یہودی نے حضرت علیؓ کی نام نہاد حمایت میں ایک فتنے کا بیج بویا۔ اس کا کہنا تھا کہ حضورؐ عنقریب دوبارہ ظہور فرمائیں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ' آپ کے حقیقی جانشین ہیں۔ حضرت عثمانؓ غاصب ہیں اور ان

کے مقرر کردہ گورنر کافر ہیں' یہ آگ لگا کر وہ بصرہ میں نہ ٹھہر سکا' وہاں سے بھاگا تو اس نے کوفہ میں شعلہ بھڑکایا' وہاں سے نکالا گیا تو مصر پہنچا' جہاں آخر کار کچھ لوگ اس کے ساتھ ہوئے عراق کے باغیوں کی کمک بھی انہیں مہیا ہوئی اور یہ سب مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کرنے لگے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ "خلافت سے استعفیٰ ناممکن ہے۔" جس پر اس گروہ نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور آپ کو گھر کے اندر داخل ہو کر شہید کر دیا۔

اس دردناک واقعہ نے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ عبدبن سبا کی عیاری ایک طرف حضرت عثمان غنی کی شہادت کا سبب بنی تو دوسری طرف حضرت علی المرتضیٰ کے مختصر دورِ حکومت کو باہمی جنگ و جدال کا گڑھ بنا گئی۔ یہی لوگ حضرت علیؓ سے منافقت کر کے فتنہ انگیز ہوئے اور انہی کے ایک نمائندے نے مولائے کائنات کو مسجدِ کوفہ میں شہید کیا اور انہی واقعات کی بنیاد پر اسلامی جمہوریت کی جگہ شہنشاہیت کی ایسی عمارت تعمیر کی جسے نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسینؓ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لہو سے بھی منہدم نہ کر سکے۔ عبدبن سبا ۴۰ھ میں قتل ہوا مرنے سے پہلے اس نے کہا کہ "میری روح آسمان کو چھو کر لوٹے گی' وہ بادلوں میں نظر آئے گی' ان کی گرج میں سنائی دے گی اور بجلیاں اس کا راستہ صاف کریں گی۔"

اگرچہ اس منافق کے یہ جملے محض لفاظی ہیں' لیکن اس میں کلام نہیں کہ اس نے اسلام کی اصل روح نکال کر ہوس واقتدار مسلمانوں کی نگاہوں کا مرکز بنا دیا۔" اور وہ مبارک ہاتھ جو اسلام کی بنیادوں پر ذوق وشوق' جذب و مستی اور عشق و ایمان کی ایسی عمارت تعمیر کر رہے تھے' جس میں ابدالاباد تک رخنہ نہ آتا' ایک یہودی فتنہ گر کی شرارت اور مفسدہ پردازی سے باہمی خلفشار میں مبتلا ہو گئے۔ اسلام فرقہ بندیوں میں جکڑا گیا' بھائی سے بھائی جدا ہو گیا' اللہ کی بندگی اور رسولؐ کی محبت پر حبِ دنیا غالب آ گئی اور بالآخر مسند رسول پر وہ لوگ آ بیٹھے جن کی شان و شکوہ' ہوس واقتدار اور جاہ پرستی و عیاشی آج بھی زبان زد خلائق ہے۔ دین کھوکھلا ہو گیا اور عمل برائے نام رہ گیا۔ مسلمانوں کی یہ صورتحال عیار یہودیوں کا مقصودِ حیات تھی جس کا انہوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

شریعتِ اسلامیہ اور یہودی

نبی امی حضرت رحمتہ اللعالمین، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انبیائے بنی اسرائیل اور تورات کی تصدیق فرمائی اور اسلام کو دین موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی معراج قرار دیا اس تعلیم کو کفار مکہ اور صحرا نشینانِ عرب کے علاوہ عراق و عجم اور مصر نے بھی قبول کیا، لیکن یہودیت اپنے انبیاء سے منحرف ہو کر بھی اس سے روگرداں رہی۔ حضورؐ پیدا ہوئے تو یتیم تھے، آنکھ کھولی تو ماں کے سائے سے محروم ہو گئے۔ بہن بھائیوں کا ساتھ پہلے نہ تھا۔ یکا و تنہا، آپؐ نے مکہ کے بتوں کو جھٹلایا، عرب کے عقائد کو بے بنیاد ثابت فرمایا۔ قدیم روایات کو فاسد ٹھہرایا اور اپنے صدق، امانت داری، نکوکاری، حسن اخلاق اور حسن کردار سے اپنے بدترین دشمنوں کو مطیع فرمایا۔

یہ معجزہ تاریخِ انسانیت میں خود بے مثل ہے لیکن جن یہود کے دین کی آپؐ نے تصدیق فرمائی، ان کی ذہنیت یہ تھی کہ ایک یہودن نے آپؐ کو زہر دینے کی کوشش کی۔ بنو نضیر نے آپؐ کو بمع صحابہ کبار پتھر گرا کر ہلاک کرنا چاہا۔ ایک یہودی راہب حضرت امیرالمومنین عمر فاروقؓ کی شہادت کی سازش کرتا ہے دوسرا یہودی امیرالمومنین حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف آگ بھڑکاتا ہے اور امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰؓ کی نام نہاد حمایت کا وہ فتنہ کھڑا کرتا ہے جس کے شعلے آج بھی ملتِ اسلامیہ کو کھائے جا رہے ہیں۔ اس فتنے کا حاصل حضرت عثمانؓ کی شہادت بھی ہے اور حضرت علیؓ کی شہادت بھی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا تصور لے کر آگے بڑھنے والے مسلمان، اس یہودی تصور پر جان چھڑکنے لگے۔ جن بزرگانِ عظام کے نزدیک مقامِ خلافت ٹوٹے ہوئے نعلین سے بھی کمتر تھا، انہی سے خلافت کی محبت کو اس

طرح منسوب کیا کہ تیرہ سو برس گزرنے کے باوجود باہمی نزاع وانتشار اسی ایک مسئلے سے پھوٹ رہے ہیں' آج تک ہم اس حقیقت پر غور نہ کر سکے کہ جن ذاتوں نے خشک روٹی کھا کر' ستو پھانک کر دامنوں کو پیوند لگا کر' کھجوروں کے نوکیلے پتوں کے بستر پر لیٹ کر' رضائے الٰہی کے لئے ساری ساری رات رو کر اور میدانِ کارزار میں اپنی جانوں سے کھیل کر اپنی زیست کا حق ادا کیا تھا' ان کے لئے مسندِ خلافت کانٹوں کی سیج سے بڑھ کر کیا ہوگی اور ہم اپنے نفس کے غلبے اور غیر مسلموں کے تخیلات سے متاثر ہو کر کسی ایک کی حمایت یا کسی ایک کی (نعوذ باللہ) مذمت میں اپنی ناچیز زبان کیونکر کھول سکتے ہیں کہ اس سے نہ صرف اسلام کے بنیادی تصورات مجروح ہوتے ہیں بلکہ ان عظیم بزرگان کرام کے دامنوں پر بھی چھینٹے اڑاتے ہیں' جن کی عظمت خود ہماری عظمت کی دلیل' اور ہمارے مذہب' تاریخ اور روایات کی سربلندی کا سبب ہے۔

اس بحث کی تفصیل میں جانے سے پیشتر ہمیں ایک بار پھر تورات اور انجیل کی اصلیت کی جانب پلٹنا ہو گا۔ جن کے الہامی ہونے کے بارے میں ہمیں کوئی روایت یا دلیل ہاتھ نہیں آتی اور جن میں اکثر مواقع پر یہود نے اپنی قلمکاروں کے سہارے دیگر مذاہب اور یہودی اقوام کے لئے نفرت کے بیج بھرے تھے' پھر انہوں نے قرآن مجید کو اپنا ہدف بنایا اور ان شبہات کو ہوا دی کہ قرآن مجید نامکمل ہے (نعوذ باللہ) حالانکہ قرآن پاک واضح طور پر حضورؐ کے زمانے میں مرتب ہو چکا تھا اور حضورؐ ہی کے ایماء سے اس کی تمام سورتوں کو نام دیئے جا چکے تھے۔ "بخاری" میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

> "ہر سال قرآن مجید ایک مرتبہ رمضان المبارک میں حضورؐ کے سامنے پڑھا جاتا۔ آخری ماہِ صیام میں آپ نے بیس روز اعتکاف فرمایا اور قرآن مجید دو بار آپؐ کے سامنے دہرایا گیا۔ یہ آیاتِ الٰہی نہ صرف بہت سے صحابہؓ کے پاس متفرق طور پر جمع تھیں بلکہ ہزاروں صحابہؓ اور صحابیاتؓ کو پورا قرآن مجید حفظ تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت زیدؓ بن ثابت سے ان آیات کو مسلسل لکھوا کر ایک جلد میں محفوظ کر لیا تھا۔ حضرت زیدؓ کاتب وحی بھی تھے اور خود حافظ قرآن بھی۔"

"بخاری" میں حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ اور علی المرتضٰیؓ کے فرزند حضرت محمد بن حنفیہ سے روایت ہے کہ

> "قرآن حکیم مکمل صورت میں وہی ہے جو حضورؐ پر نازل ہوا"

حضرت صدیق اکبرؓ کے دور میں قرآن پاک کی حفظ و قرات پر زور دیا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں قاریوں اور معلموں کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی خلافت کے دوسرے سال ۲۵ ھ میں مکمل نسخہ سے نقلیں کروا کر بلاد اسلامیہ میں شائع کروائیں۔ حارث محاسی کے

بقول!

"لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ قرآن کو حضرت عثمانؓ نے جمع کروادیا، مگر دراصل یہ بات ٹھیک نہیں۔ حضرت عثمانؓ نے تو صرف یہ کیا کہ اپنے اور اپنے پاس موجود ہونے والے مہاجرین اور انصار کی باہمی اتفاق رائے سے عام لوگوں کو ایک ہی قرات پر آمادہ کیا، کیونکہ ان کو اہلِ عراق اور اہلِ شام کی قراتوں کے حروف میں باہم اختلاف کے خوف سے فتنہ پھوٹنے کا اندیشہ ہو گیا تھا اور نہ حضرت عثمانؓ کے اس عمل سے پیشتر جتنے مصاحف تھے وہ تمام ایسی قرات کی صورتوں سے مطابق تھے جن پر حروف سبعہ کا اطلاق ہوتا تھا اور یہ بات کہ قرآن جملتہ سب سے پہلے کس نے جمع کیا تھا۔ وہ ابو بکر صدیقؓ ہی تھے"۔

اور حضرت علی المرتضٰیؓ کا قول کہ "اگر میں حکمران ہوتا تو مصاحف کے ساتھ وہی عمل کرتا جو عثمانؓ نے کیا"۔

اندازہ لگایئے کہ مسلمانوں کے عقیدے اور مذہب کی جڑ قرآن مجید کے بارے میں کیا کیا شکوک نہ ابھارے گئے۔ تا کہ اس حقیقت کا جواز تراشا جائے جو انجیل اور تورات کے غیر الہامی اور خود نوشتہ ہونے کے سبب واضح ہوئی: قرآن حکیم کا الہامی اور مکمل ہونا اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور ہر مسلمان اس ایمان پر قائم ہے کہ قیامت تک جو آخری چیز دنیا میں قائم رہے گی وہ قرآن پاک ہو گا، جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے اور جس میں گزشتہ چودہ صدیوں میں ایک لفظ کا ردوبدل نہ ہوا اور نہ ہی آئندہ ہو گا جب تک کہ خدا کو منظور ہو گا۔ لیکن اس کے باوجود یہود کی محنت اور پروپیگنڈہ ہے کہ جاری ہے، اس لئے بھی کہ اس کی آیات ان کے لئے سراسر پریشانی کا باعث ہیں، اس لئے بھی کہ نبی الامیؐ پر اس عظیم کتاب کا درود جسے انہوں نے کاتبانِ وحی سے تحریر کروایا۔ وقفے وقفے سے اس کے الہامی ہونے کی مزید وضاحت کرتا ہے اور اس لئے بھی کہ مسلمان عراق و شام اور بابل میں جب یہود پر حکمران ہوئے تو ان کی کتب اور اعتقادات کی بحثوں اور دلیلوں کے جواب میں قرآن حکیم سے آیات پیش کرتے جن کا جواب ان کے پاس سوائے شرمندگی کے کچھ نہ ہوتا۔

اہلِ کتاب ہونے کے سبب مسلمان حکمران جہاں جہاں بھی پہنچے، انہوں نے یہود کے لئے امتیازی سلوک روا رکھا، اس لئے یہ نقل مکانی کر کے وہاں سے روانہ بھی نہ ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ اسلام اور قرآن حکیم کی یہود کے بارے شہادتوں کا جواب دینے کے لئے انہوں نے قرآن حکیم پر ہر دور میں اوچھے حملے جاری رکھے۔ یہ حملے وہ براہِ راست قرآن پاک کے متن کے بارے میں تو نہیں کر سکتے تھے اس لئے کہ وہ مسلمان حکمران کے لئے قطعی ناقابلِ قبول ہوتے چنانچہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے دور میں ترتیب میں پائے جانے والے پہلے نسخہ کو ہدف بنایا۔ پھر اس اختلاف کو ہوا دینے کے لئے جو انہوں نے خود امت میں حضرت علیؓ کی نام نہاد حمایت کے سلسلے میں پھیلایا تھا۔ یہ کہنا شروع کیا کہ وہ آیات جو حضرت علیؓ

کے حق میں نازل ہوئی تھیں، انہیں نعوذ باللہ قرآن حکیم سے خارج کر دیا گیا ہے پھر جھوٹی روایات اور احادیث کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا، جو وقتاً فوقتاً مسلمانوں کا اعتقاد کمزور کرنے کے لئے اور ان کی نفسانی خواہش کو تقویت بخشنے کے لئے موقع مناسبت دیکھ کر پیش کی جاتیں۔ طرف داران اہل بیت رضوان علیہم اجمعین نے بنی امیہ کے ساتھ خلفائے ثلاثہ کو بھی موردِ الزام ٹھہرایا۔ حضرت عثمانؓ نے توریت اور انجیل کی تحریفات کے پیشِ نظر قرآن حکیم کو محفوظ فرمایا، گویا ابد الآباد تک آنے والے مسلمانوں پر احسان کیا، لیکن اس کے باوجود ان کی یہ خوبی خرابی سے تعبیر کی گئی اور آج تک مسلمانوں کا ایک گروہ قرآن حکیم کے (نعوذ باللہ) نامکمل ہونے پر یقین رکھتا ہے۔

یہود کے ان ناپاک اعتراضات کو ہماری فرقہ پرستی نے اس حقیقت کے باوجود قبول کیا کہ حضرت علیؓ اور بے شمار دوسرے صحابہ کبارؓ اور حفاظ قرآن مجید نے قرآن پاک کی ترتیب کے دوران لب کشائی نہ کی اور خود حضرت علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت عثمانؓ کے دور میں ترتیب پانے والے قرآن پاک کو جاری رکھا، جو من و عن ان کے بعد سے آج تک جاری ہے۔ ایسی بات نکال کر گویا خود اپنے چہرے پر خاک مل رہے ہیں۔ شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری جو خود پختہ شیعہ اور خلفائے ثلثہ کے شدید مخالف ہیں۔ کلام مجید کے بارے میں لکھتے ہیں

ما نسب الی شیعتہ الامامیہ التفسیر فی القران لیس من ما قال بہ جمھور الامامیتہ انما قال بہ شر زفعتہ قلیلتہ لا اعتراً بھم فیما بینھم (مصائب النوائب)

ترجمہ: شیعہ امامیہ کی طرف یہ بات جو منسوب کی گئی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن حکیم میں تغیر ہوا ہے، جمہور امامیہ اس کے قائل نہیں۔ اس کا قائل صرف ایک چھوٹا سا گروہ ہے جو امامیہ کے نزدیک بھی کسی شمار میں نہیں"۔

یہ اقوال و مباحث اپنی جگہ، ہم سب کے عقائد و ایقان سے قطع نظر قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی جانب سے اٹل اور ابد الآباد تک قائم رہنے کے لئے ہے کہ خود ارشاد ربانی ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید

اور ہر مسلمان کو اسلام کے دائرے میں داخل ہونے سے قبل جس یقین اور ایمان کا اظہار کرنا ہوتا ہے اس میں یہ بھی شامل ہے کہ

ذالک الکتاب لا ریب فیہ

جب یہود نے یہ محسوس کیا کہ ان کے ان اعلانات پر عام مسلمان کسی قسم کے ردِ عمل کا اظہار ہی نہیں کرتے تو انہوں نے اسلام کے قلعے پر سہ گونہ حملے شروع کئے۔

۱۔ قرآن حکیم کی تفسیرات میں اسرائیلیت کا نفوذ تاکہ اگر متن قرآن مجید میں تحریف نہیں ہو سکتی

تومعانی کو گڈمڈ کر کے یہود کے اعتقادات کے مطابق ڈھال لیا جائے۔

۲۔ احادیثِ نبویؐ میں من گھڑت حکایات کو رائج کرنا' تاکہ حق و باطل کی تمیز مٹ جائے اور مسلمان غلط باتیں بھی حضورؐ سے منسوب کرنے لگیں۔ یہاں تک کہ صحیح احادیث پر سے بھی اعتماد اٹھ جائے اور اس طرح اصلاح معاشرہ کا ایک اہم دروازہ بند ہو سکے۔

۳۔ فکر و فلسفہ کے وہ عقلی تصورات رائج کیے جائیں جو اسلام کی سرفروشی اور مستی کے جذبے کو گھن کی طرح چاٹ جائیں اور مسلمان اپنے الہامی اعتقادات کے لئے بھی دلیلوں کی تلاش میں سرگرداں ہو جائیں۔

ایمان اور عقیدے کی بنیادوں پر ان تین حملوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے روزمرہ کے معمولات میں اس پاک بازی' سادگی' حق پرستی اور نماز اور روزے کی پابندی کا مذاق اڑانا شروع کیا' داڑھی اور سنت نبویؐ کی دیگر نشانیوں کو طعنِ طبع کا ہدف بنایا تاکہ مسلمان اسلام کے نزدیک ہو جائیں تو اپنے معاشرے کے خوف سے خود کو اپنی نظروں میں کمزور محسوس کریں اور قرآن و سنت نے جس اتقا (عنداللہ اتقاکم) یعنی تقویٰ کو مسلمانوں کا معیارِ عظمت و قربِ الٰہی ٹھہرایا تھا' اس کو پس و پشت ڈال کر یہود نے آل رسولؐ اور اولاد علیؓ کا وہ تصورِ عظمت ابھارا' جو دورِ جاہلیت کی پیداوار ہی نہیں' خاصۂ یہود بھی تھا کہ قرآنی تعلیمات کے برخلاف جو انسانی شرف و فضیلت کا معیار اور اخلاق و کردار کی تشکیل پر زور دیتا ہے حسب و نسب کی فضیلت کا شوشہ چھوڑ کر اس مذہب میں رخنہ قائم کیا جائے جو کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں دیتا۔

قرآن حکیم میں تورات کو یہود کی اپنی تصنیف اور اس الہامی کتاب کی ناپید ہونے کی خبر دی گئی جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی۔ گویا یہود اس رشد و ہدایت سے محروم ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم اور بنی نوع انسان پر بوسیلۂ حضرت موسیٰؑ مخصوص فرمائی تھی' ہرچند کہ وہ موسیٰؑ کی تعلیمات پر چلنے کا اعلان کرتے ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم اور بنی نوع انسان پر بوسیلہ حضرت موسیٰؑ مخصوص فرمائی تھی' ہر چند کہ وہ موسیٰؑ کی تعلیمات پر چلنے کا اعلان کرتے ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انہیں "اہلِ کتاب" قرار دے کر دوسری اقوام کی نسبت اسلام سے قریب تر گردانا چنانچہ مسلمان جن سرزمینوں کو فتح کرتے گئے وہاں آباد یہود کو باقی اقوام سے بہتر سمجھتے رہے اور نصِ قرآن میں بنی اسرائیل کے حوالوں کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کتابوں کا زہریلا اثر ہماری تفاسیر میں بھی سرایت کر گیا اور بعض مشہور مفسرین تک ان کی روایات کو بجنسہٖ نقل کر کے لے آئے اور پھر اس کا سلسلہ صحابہ کرامؓ یا خود رسولؐ اللہ تک جا ملا یا یہ روایات اس کثرت سے داخل ہوئیں ان کی تعداد حضرت ابوہریرہؓ کی احادیث سے بھی بڑھ گئی۔ ابوالامداد ابراہیم "بجهتة الفكر" میں لکھتے ہیں۔

مثال الصحابی وعثمان وعلی ومثال من اخذ عنها عبد الله بن سلام وقيل عبد الله عمرو بن عاص فانه لما فتح الشام اخذ حمل بصير من كتب اهل الكتاب وكان يحدث منها.

ترجمہ ...... اور ان صحابہ میں جنہوں نے اسرائیلیات سے اخذ نہیں کیا ابو بکر، عمر، عثمان اور علی ہیں اور جنہوں نے اخذ کیا عبد اللہ بن سلام ہیں اور کہا جاتا ہے کہ عبد اللہ عمرو بن عاص ہیں انہوں نے جب ملک شام فتح کیا ایک بار شتر اہل کتاب کا لیا اور ان سے روایت کرنے لگے۔

چنانچہ لوگ اسرائیلیات کو بھی احادیث نبوی سمجھنے لگے۔ ابتدائی تفاسیر میں ان کو کثرت سے نقل کیا، مقاتل بن سلیمان، سدی و کلبی وغیرہ نے ان کا سہارا لیا۔ بعد میں محققین اسلام نے ان کی قلعی کھولی، علامہ ذہبی "میزان الاعتدال" میں مقاتل بن سلیمان کے بارے میں کہتے ہیں۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ مقاتل یہود و نصاریٰ سے جو کچھ، علم القرآن سے ان کی کتابوں کے بارے ہوتا اخذ کرتا تھا اور جھوٹی حدیثیں بیان کرتا تھا۔"

علامہ ذہبیؒ، ابن حجرؒ اور سیوطیؒ نے اسرائیلیات کو داخل احادیث و تفاسیر کرنے والوں کو "کاذب" کہا ہے جو حقیقت بھی تھی اور احادیث اور تفاسیر کو ان کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے تنبیہ بھی۔

اسرائیلیات نے تفسیر قرآن مجید کے علاوہ ایسی بے شمار حدیثیں حضورؐ سے منسوب کیں، جو قرآن حکیم اور اسوۂ رسول مقبول سے کسی طرح ثابت نہ ہوتی تھیں۔ انہوں نے مثنا اور تلمود کو ۵۰۰ء میں مکمل کر لیا تھا۔ اب اپنی ان روایات کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے انہیں محض اپنی تر دماغی اور عیاری کی ضرورت تھی اور یہ جنس ان کے ہاں بقدر وافر موجود تھی۔ اقوال النبیؐ کو جمع کرنے کے لئے جو عرق ریزی اور محنت امام بخاریؒ اور مسلمؒ کو کرنا پڑی ان کا اندازہ ان اسناد اور تاریخ رجال سے ہوتا ہے جو راویان احادیث کو ثقہ یا غیر ثقہ ثابت کرنے کے لئے مرتب کرنا پڑا تھا۔ امام بخاریؒ کو اپنی "صحیح" مرتب کرنے کے لئے چھ لاکھ احادیث کی چھان بین کرنا پڑی اور بالآخر سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) احادیث ان کے معیار کے مطابق صحیح ثابت ہوئیں۔ علمائے اسلام ان احادیث میں سے بعض کی صحت کے بارے میں اب بھی شبہات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان حدیثوں میں سے جنہیں امام بخاریؒ نے غیر ثقہ اور غیر مصدقہ قرار دیا، بعض ایسی بھی تھیں، جنہیں بنو امیہ اور بنو عباس کو تقویت دینے کے لئے کھڑا کیا تھا۔ ۷۷۲ء میں ایک شخص ابن ابی الاوج کو کوفہ میں سزائے موت دی گئی۔ اس نے اقرار کیا تھا کہ اس نے چار ہزار حدیثیں خود تراشی ہیں۔ یہ شخص یہودی النسل تھا یا نہیں، تاریخ رہبری نہیں کرتی لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہود نے حدیثیں جمع کرنے کی کوششوں کا مذاق اڑایا اور ایسی لایعنی، دور از کار اور شرمناک باتوں کو حضورؐ اور صحابہؓ سے منسوب کیا کہ انسانیت انگشت بدنداں رہ جائے۔ بعض احادیث انجیل اور تورات کے ان قصوں پر مبنی تھیں جو یہود و نصاریٰ کے ایمان میں داخل تھیں اور انہیں حضورؐ سے نسبت دے کر حدیث بنانے کی کوشش کی گئی۔ شاید اس لئے کہ اگر یہ احادیث کی حیثیت سے معتبر تسلیم کر لی جائیں تو یہود مسلمانوں کو طعن کر سکیں اور تمام احادیث کو مشتبہ قرار دے کر اس اہم ستون کو گرانے

میں کامیاب ہو سکیں۔

وقت کی کٹھالی سے گزرتے وقت یہودی دین میں یونانی ' رومی ' مصری ' بابلی اور ایرانی مذاہب ' اصنام پرستوں اور فلسفیوں کے تصورات شامل ہو گئے تھے ' چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگنے کے منطق واستدلال کے بکھیڑے میں الجھایا تاکہ وہ ایمان اور تیقن کے اس جذبے سے محروم ہو جائیں ' جس نے صحرانشینوں کو یکتا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے بے غرض ' بے لوث اور دیوانہ حق وصداقت بنا کر شمعِ رسالت پر پروانہ وار جلنے کا شعور عطا فرمایا تھا۔ اس دلیل بازی اور منطق کج بحثی نے یہود کو اللہ تعالیٰ سے اپنے وعدے کو نئے معنی پہنانے کی ترغیب دلائی تھی۔ چنانچہ کئی مسلم مفکرین اس جال میں پھنسے تو ایسے گرے کہ دوبارہ نہ اٹھ سکے۔ اس مقصد کیلئے یہودی فکر نے یونانی مفکرین کی تحریروں کو غلط سلط عربی زبان میں ڈھال کر مسلمان مفکرین کے ہاتھوں میں تھما دیا اور وہ ارسطو کی منطق اور افلاطون کے استدلال کے آئینوں میں اس دین کو پرکھنے لگے جو شبنم کی بوندوں کی طرح دل کے پھول کی تراوٹ کا سبب تھا۔ ذہنی بوالعجبی کی اس کسوٹی نے نہ صرف اسلام کی روح ہی سے آنکھیں چرائیں بلکہ ایسی باتوں کو بھی اپنا موضوع بنایا جن کا نہ حضورؐ سے کوئی واسطہ تھا نہ ان کی تعلیمات سے۔ قرآن پاک کی حرمت وعظمت کے بجائے اس کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے پر بحثیں شروع ہوئیں اور پھر ان کا وہ زور بڑھا کہ الاما' بڑے بڑے آئمہ ان کی زد میں آئے اور اپنوں اور بیگانوں ہر دو کی تضحیک کا نشانہ بنے ' اپنے اپنے نکتۂ نظر کی وضاحت کرنے کے لئے ہر گروہ تحقیق اور تخیل کے مختلف مراحل سے گزرتے وقت اسلام کی صراط مستقیم سے دور ہوتا گیا یہاں تک کہ ایک فرقہ معتزلہ نے جنم لیا' جس نے قرآن حکیم کے ازلی ہونے سے انکار کر دیا۔

ذالک الکتاب لا ریب فیہ

غرض اس طرح مختلف فرقوں اور مکاتیبِ فکر وجود میں آتے گئے۔ جنھوں نے قرآن حکیم کی آیات کا باقاعدہ محاسبہ کرنا شروع کیا۔ منطقی استدلال کی روشنی میں اور جہاں کہیں کوئی آیت یا حدیث استدلال کی راہ میں آتی ' اس میں اپنی جانب سے معانی ' اپنی عقل ' فہم اور عقیدے کے مطابق شامل کر دیئے جاتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو فکری تخیل میں اجاگر کیا گیا اور اللہ کا چہرہ ' ہاتھ ' تخت ' غضب ' نفرت ' محبت ' غرض ہر چیز فکری معانی میں اجاگر کی گئی۔ بعض نے تو تقدیر کے ازلی ہونے پر ہی شک کا اظہار کر دیا اور علمِ الٰہی کی اس قدرت پر بھی کہ آنے والے تمام واقعات علمِ الٰہی میں ہوتے ہیں۔

فلسفہ معتزلہ ' خلیفہ منصور ' ہارون الرشید اور مامون الرشید کے ادوار میں خوب پھیلا۔ یہاں تک کہ مامون نے ان کے افکار کو اپنا سرکاری عقیدہ اور مذہب قرار دیا اور یہ حکم نافذ کیا کہ تمام مسلمان اقرار کریں ' کہ قرآن حکیم زمانے کی پیداوار ہے اور کوئی قاضی یا گواہ اس وقت تک اپنا فرض انجام نہیں دے سکتا تھا جب تک وہ اس مفروضے پر ایمان لانے کا اعلان نہ کرتا۔ اس کے جانشینوں ' معتصم باللہ اور الواثق

نے بھی اس روش کو قائم رکھا۔

امام حنبلؒ نے قرآن حکیم کی روشنی میں اس فکر کے سقم نمایاں فرمائے تو انہیں کوڑے لگوائے گئے اور جیل میں صعوبتیں اور تکلیفیں دی گئیں۔ جس نے ساری دنیائے اسلام میں تہلکہ مچا دیا اور بالآخر معتزلی فکر و فلسفہ کے خلاف ایک سیلاب برپا ہو گیا اور جب امام حنبلؒ عباسی بادشاہوں کی ان صعوبتوں کے نتیجے میں فوت ہوئے تو بغداد شہر کے تمام مرد و زن روتے ہوئے اپنے گھروں سے باہر نکل کھڑے ہوئے اور معتزلہ فکر و فلسفہ کا زور ٹوٹ گیا۔

یہودی فکر فلّو' یونانی فلاسفروں' عیسائی ناسٹکوں' مزدکی لادینوں' ایرانی گبروں اور آتش پرستوں کے ملغوبے سے مغربی فلسفیوں نے قرآن حکیم پر ایسے ایسے فاسد حملے کئے کہ اسلام متاد کھائی دینے لگا۔ اس درد آشوب دور میں اللہ تعالیٰ المتوکل کے دربار میں ترکوں کو بھیجا' جن کے سینے نور اسلام سے پہلی بار منور ہوئے تھے۔ انہوں نے عالم اسلام میں کفر و بد تمیزی کا یہ ہنگامہ دیکھا تو برانگیختہ ہو گئے اور ان افکار کو اسلام ماننے سے انکار کر دیا۔ یہود و نصاریٰ کی مفسد پردازیوں کے باعث ان دونوں مذاہب کے پیروکاروں کا محاسبہ کیا اور حکم دیا کہ ہر دو مذہب کے پیروکار خاص رنگ کا لباس پہنیں تاکہ پہچانے جا سکیں' وہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں گے اور خچر اور گدھے سواریوں کے طور پر استعمال کریں گے ان کے گھروں اور دروازوں پر ان کے مذہبی نشانات لگائے جانے کا حکم بھی جاری کیا گیا اور نئے گرجوں اور کنسیاؤں کی تعمیر پر قید عائد کر دی گئی۔ یہود و نصاریٰ کے بچوں کا مسلمان بچوں کے مکتبوں میں داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔

اس تمام کتربیونت کے باوجود موصل' دمشق' بغداد اور قرطبہ ہر قسم کے خیالات کا مسکن رہے۔ کندی اور فارابی کے ساتھ ایک یہودی فلسفی یہوداہ حلیوی کا نام ایک اور مثلث کی تشکیل کرتے ہیں۔ بو علی سینا اور ابن رشد کے افکار نے وقت کو ایک نئی جہت دکھائی' یہاں تک کہ وہ یہود جو اسلام کی جڑیں کھوکھلی کر رہے تھے' خود استدلال اور روشنی کے ان چراغوں میں بے آب ہو گئے۔ ہسپانیہ کے یہود نے تو بو علی سینا کے فکر کو مطمح نظر بنا کر اپنے دین میں ترامیم بھی کیں اور اس طرح مامونیہ فرقہ پھوٹا۔ لاطینی عیسائیت میں بھی ابن سینا کے خیالات در آئے بیکن اسے "ارسطو کے بعد فلسفے میں سب سے بڑی شخصیت" قرار دیتا ہے تاہم یہ باتیں ہمارے اصل موضوع سے فی الحال خارج ہیں۔

عباسی دورِ حکومت کی مذہبی پالیسیوں کے ردِ عمل کے طور پر اسلام میں ایک شاخ اور پھوٹی جس نے رہبانیت کو صوفیائے اسلام کا مقام بتایا اور حضورؐ کی غارِ حرا کی خلوت سے تاثر حاصل کر کے دنیا سے الگ ہو کر اللہ اللہ کرنا ہی اپنی زندگی کا حاصل سمجھنے لگے۔ حقیقت دیکھئے تو رہبانیت کا یہ تصور بھی اسلام سے نہیں یہودیت سے متاثر شدہ معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے مذہب میں تو دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا گیا ہے' اس سے کنارہ کشی کیا معنی۔ تاہم ان بندوں کے خلوص اور عاجزی نے انہیں وہ مقام عطا کیا اور ان کے حلقہ ارادت کو وہ وسعت بخشی کہ حضورؐ کے دور کا اسلام ایک بار پھر واپس پلٹنے لگا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب

منگولوں نے آدھی دنیا کو تہہ تیغ کیا اور معتزلائی فکر کے مارے ہوئے مسلمان ان کا مقابلہ کرتے ہوئے ختم ہو گئے تو انہی اہلِ اللہ کا شعار دیکھ کر چنگیز اور ہلاکو کے جانشینوں نے اسلام قبول کیا تھا۔

نویں صدی کے آخر میں اسلام ایک بار پھر شکست و ریخت کا شکار ہوا۔ اس دفعہ اس وبا کا قرامطہ تھا۔ انہوں نے ۸۹۹ء میں بحرین کو اپنی حکومت کا مرکز بنایا۔ ۹۰۰ء میں خلیفہ کی فوج کو اس طرح شکست دی کہ اس کا ایک سپاہی بھی زندہ نہ بچا۔ ۹۰۲ء میں سارا شام ان کے قدموں تلے کچلا گیا۔ ۹۲۴ء میں وہ بصرے کے حکمران تھے۔ ۹۳۰ء میں انہوں نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی، تیس ہزار مسلمانوں کو شہید کیا۔ غلاف کعبہ اور حجراسود تک کو اتار لیا، یہ ان کے ظلم کی انتہا جو ان کے زوال کا آغاز بھی ثابت ہوئی اور پھر یہ اپنی ہی آگ میں جل کر ختم ہو گئے۔ لیکن ان کا زہر "الموت" کے اسماعیلی فرقے کی جان بن کر حشیش کی شکل میں دوبارہ پھوٹ نکلا۔

اسلام کی روح کو مسخ کرنے کے لئے یہودی فکر نے ایک اور سرنگ درباروں اور امیروں کی حویلیوں میں کھولی اور اسلامی فقہ اور شریعت میں ان امراء اور آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے منطق اور استدلال کے زور سے تاویلیں اسی طرح تلاش کرنی شروع کیں جس طرح یہود متنا اور جمرہ کے قوانین میں کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کا اثر یہاں تک پھیلا کہ عباسی خلفاء "ظل اللہ" کہلانے لگے اور ہر قانون سے مستثنیٰ قرار پائے۔

اس سیلاب پر بند باندھنے کے لئے فقہ کے چار امام، ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور حنبلؒ نے اسلامی قوانین کی تدوین کی اور ایک بڑے فتنے کا سدِباب کیا، لیکن ان کے پیروکار جس طرح ان قوانین پر عمل پیرا ہیں اس سے ایک بار پھر یہودی فکر کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، اسلام پاجامے کی لمبائی، خلال کی وضع، داڑھی کی قطع، بالوں کی تراش، قماش، تعلیم، لباس، شادی کی رسومات اور دیگر قیود میں اس طرح جکڑا گیا کہ قرآن اور حدیث اور مذہب کی اصل جانب توجہ دینا ممکن ہی نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان ان قوانین سے گلو خلاصی کرنے کے لئے یا تو آوارہ ہو کر جاہ و حشم، دولت و ثروت اور نمود و نمائش کی جانب نکل گیا یا ان ظاہری قوانین اور تراش خراش میں کھو کر رہ گیا۔ نتیجہ بہر صورت یہ نکلا کہ وہ ذوق و شوق، جنون و محبت عشقِ الٰہی اور جذبۂ جہاد اور وہ ایقان و ایمان جو قرونِ الٰہی کے مسلمانوں کا سرمایہ تھا، مخفی ہو گیا اور اسلام در کتاب و مسلمان در گور کا عمل ظاہر ہونا شروع ہوا۔

یہود اور عیسائی حکومتیں

باوجودیکہ یہود کو سرزمینِ عرب سے خارج کر دیا گیا تھا اُن کے ساتھ مسلمانوں کا حسنِ سلوک اہلِ کتاب اور ذمّی ہونے کی حیثیت سے مثالی تھا چنانچہ اسلامی سلطنت کی وسعت کے ساتھ ساتھ وہ بھی پھیلتے چلے گئے۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلاف سے لے کر خلیفہ المتوکل کے دور تک ان پر کسی قسم کی قدغن نہ تھی اور وہ مذہبی' سماجی' اقتصادی اور تمدنی طور پر اتنے آزاد اور خود مختار رہے کہ عامتہ المسلمین اور ان کے درمیان کوئی فرق نہ تھا عربوں نے انہیں مصر' فلسطین' شام' ایران غرض کسی جگہ سے بے دخل نہ کیا وہ زمینوں کے مالک بھی تھے اور کاروبار بھی بلا روک ٹوک کرتے انہوں نے شام' عراق اور ایران میں اپنے مخصوص طرزِ حیات کو ترویج دی' ان کے اسقفِ اعظم' بابل' آرمینیہ' ترکستان' ایران اور یمن میں اپنے اپنے علاقوں کے یہود کے لئے شہزادوں کی حیثیت رکھتے تھے یہاں تک کہ ان اسلامی ممالک میں ان کے احترام میں مسلمانوں کا اٹھ کر سر جھکانا فرض ہو گیا۔ اسقف کا عہدہ ایک ہی گھرانے کیلئے مخصوص تھا۔ اس لئے اسے مذہبی وقار کے ساتھ سیاسی مقام بھی حاصل تھا۔ حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت سے انہیں "عالی مرتبت" اور "گیئون" کے خطابات سے یاد کیا جاتا تھا۔

۷۶۲ء میں یہود کے فکر میں انقلاب آیا۔ اسقفِ سلیمان کی موت کے بعد اس کے بھتیجے عدنان بن داؤد نے بغاوت کی اور فلسطین میں اپنا کنیسا قائم کر کے اعلان کیا کہ یہود کے لئے تورات کے خمیس یعنی پانچ کتابیں ہی کافی ہیں اور تلمود جنہیں ۴۴۴ء ق۔ م سے ۵۰۰ء تک مکمل کیا گیا تھا غیر ضروری ہیں۔ اس طرح صدوقی فکر کا احیاء ہوا۔ اسی فکر نے اسلام میں متبادل شکل اختیار کی اور مسلمانوں کے ایک طبقہ نے قرآن حکیم کو حکم مان کر احادیث کو غیر ضروری قرار

دیا۔

عدنان نے توریت کی پانچ کتابوں کی تفسیروں پر بھی نظرِ ثانی کر کے انہیں یہودی ربیوں کی موشگافیوں اور معنی آفرینیوں سے پاک کیا۔ اس کے پیروؤں کو قراء کا نام دیا گیا۔ اس نے حضرت عیسیٰؑ کو بھی تسلیم کیا اور ان کی تعلیمات کو یہودی فکر کی اصلاح و تقویت کا وسیلہ جانا۔ یہ فرقہ فلسطین، مصر اور سپین میں بہت مقبول ہوا۔ لیکن بارہویں صدی کے بعد اس کے ماننے والے ترکی، جنوبی روس اور عرب ہی میں رہ گئے۔ نویں صدی کے قراء نے معتزلہ کے زیرِ اثر تورات کو بھی داخلی معانی پہنانا شروع کئے لیکن قدامت پسند بدستور "یہواہ" کے وجود کا اقرار کرتے رہے یہاں تک کہ اس کے جسم کی ساخت داڑھی اور قد و قامت کا تعین کرنے میں بھی غور و فکر سے کام لیتے رہے۔ الغرض اس اقتصادی خوشحالی، آزادیٔ فکر و نظر اور باہمی ربط نے یہود کو بھی اس دور کے مسلمانوں کی طرح آزاد خیال بنا دیا اور وہ بھی معتزلہ اور متکلمین کی طرح اپنے دین کو فکر و استدلال کی بنیادوں پر قائم کرنے لگے۔ اس سلسلے میں ان کے مفکر سعدیہ کا نام بھی مشہور ہے۔

خلافتِ عباسیہ کے زوال نے یہود کی متحدہ حیثیت کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، مصر، شمالی افریقہ اور سپین میں جداگانہ حکومتیں قائم ہوئیں تو ان علاقوں کے یہود بھی ایک دوسرے سے کٹ گئے اور ان کی اقتصادی حیثیت کمزور ہو گئی، صلیبی جنگوں نے بابل کو مصر اور یورپ کے فرقوں سے منقطع کر دیا اور ۱۲۵۸ء میں مغلوں کے حملے سے سلطنتِ عباسیہ کے یہود کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ایشیا سے نکل کر وہ یورپ کی طرف بھاگے اور فتنہ و فساد کی آگ لے کر ہسپانیہ اور مصر میں جاگزیں ہو گئے۔ تاہم یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ عباسی جنہوں نے انہیں بامِ عروج تک پہنچایا تھا، ان کی سازشوں کے شکار ہوئے اور نہ دین کے رہ سکے اور نہ دنیا کے۔

قرونِ وسطیٰ میں یورپی یہود

۷۰ء میں یروشلم سے نکل کر یہود کے بعض گھرانے بحیرۂ روم کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ چلے اور راستے میں جہاں کہیں انہیں اپنے لئے کوئی ٹھکانا نظر آیا ڈیرہ ڈال دیا۔ کچھ لوگ ہسپانیہ بھی پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے پھر پرزے نکالے لیکن کلیسا کے ہاتھوں بری طرح پٹے، سید امیر علی اپنی تصنیف "تاریخِ عرب" میں لکھتے ہیں:

> "یہود، جس کی اس سرزمین میں بڑی تعداد آباد تھی، بادشاہوں، پادریوں اور امراء کے ہاتھوں بری طرح کچلے گئے۔ ان مظالم سے تنگ آ کر انہوں نے بغاوت کرنا

چاہی لیکن ان کی سکیم ناپختہ تھی اور جلدی میں تیار کی گئی تھی اس لئے اسکے نتائج نہایت خوفناک ہوئے' ان کا سامان' گھر' گھاٹ غرض ہر چیز لوٹ لی گئی۔ ان کی قوم کے وہ افراد جو قتل ہونے سے بچے' غلام بنا دیئے گئے۔ بوڑھوں کو محض شرافت کی بنا پر اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت مل گئی لیکن جوانوں کو عیسائی عقیدہ اور مذہب قبول کرنا پڑا۔ یہود کے مابین تمام شادیاں ممنوع قرار پائیں۔ یہودی غلام زادیاں بھی عیسائی غلاموں سے شادیاں کرنے پر مجبور کی گئیں۔ یہ سزائیں پادریوں نے یہود کے لئے تجویز کیں اور انہیں پوری طرح عملی جامہ پہنایا گیا کہ عیسائی راہبوں کو ملک میں مکمل اختیار تھا۔"

"علاقے کے خستہ حال اور غریب عوام' برباد شہری' جان سے بیزار غلام' بھوکے ننگے کاشت کار اور جن کی زندگی اجیرن ہو چکی تھی' نجات کی گھڑیاں گن رہے تھے۔ آخر کار طارقؒ کی صورت میں وہ آفتاب طلوع ہوا جس نے ان کے دن پھیر دیئے۔"

طارقؒ نے اندلس ۷۱۰ء میں فتح کیا۔ چالیس برس تک ہسپانیہ کے مفتوحہ علاقے بنوامیہ کی سلطنت کا حصہ رہے اور یہاں کے یہود بھی انہی مراعات کے حقدار ٹھہرے جو انہیں دمشق و عراق میں نصیب تھیں ۷۵۰ء میں عبدالرحمٰن اول نے اپنی جداگانہ حکومت قائم کی تو یہ سرزمین اس تہذیب و تمدن' علوم و فنون اور فکر و فلسفہ کا گہوارہ بن گئی جس نے بعد میں سارے یورپ کو روشنی دکھائی اور دورِ جہالت سے نکال کر "نئی دنیا" بنا دیا۔

ہسپانیہ میں مسلمانوں کا زرّیں دور' یہود کا زرّیں دور بھی تھا۔ ان کی مذہبی' سماجی اور اقتصادی آزادی پر کوئی قید نہ تھی لیکن ظہورِ اسلام سے پہلے کے ہسپانوی حکمرانوں نے انہیں اس قدر کچل دیا تھا کہ انہیں دوبارہ سر اٹھانے کے لئے ایک صدی کا عرصہ درکار ہوا۔ مسلمانوں نے یہود کو امورِ سلطنت سونپے اور افواج میں بھرتی کیا۔ یہاں تک کہ وہ وزیرِ اعظم بھی تھے' سفیر بھی' عالم بھی تھے' تاجر بھی' زمیندار بھی' کاشتکار بھی' صنعت پیشہ بھی' سود خور بھی اور مال مویشیوں کے بیوپار بھی۔ غرض ہر شعبۂ حیات پر ان کی مہر ثبت تھی۔ ہر شہر اور ہر بستی میں ان کی جداگانہ بستیاں قائم تھیں جن کے بام و در قلعہ نما تھے۔ ان بستیوں میں انکو اجازت تھی کہ وہ اپنے مقدموں کے فیصلے خود کریں۔ یہاں تک کہ اپنے مجرم کو وہ پھانسی تک دینے کے مجاز تھے۔

جس دور میں سارے یورپ میں کتاب کا نام کوئی نہ جانتا تھا' اور یہود و نصاریٰ کے پاس

مذہبی کتابوں سے ورا ایسا کوئی تصور نہ تھا اور جب یروشلم سے لائے ہوئے "رق منشور" یعنی چرمی کتابیں مذہبی ضروریات پوری کرتی تھیں' ہسپانیہ کے مسلمانوں نے پبلک لائبریریاں کھول رکھی تھیں۔ وہ سوت سے کاغذ تیار کرتے' الکمی کے تجربات سے عناصر کے کیمیاوی اجزاء دریافت کرتے' رصدگاہوں میں استرلاباب سے ستاروں کی چال دیکھتے اور اڑنے والی مشینیں بناتے۔

لیکن ان تمام سہولتوں کے باوجود یہود کی سرشت نہ بدلی جا سکی۔ اپنے معاملات کو در پردہ رکھنے کے لئے انہوں نے ایک قانون نافذ کیا جس کی رو سے ان کے راز کو افشا کرنے کی سزا موت تھی۔ اس پر طرّہ یہ کہ یورپ کے ہر شہر اور قصبے میں ہونے کے باعث ان پر سفر کی کوئی پابندی عائد نہ تھی اور وہ بلا روک ٹوک قرطبہ سے بغداد تک خشکی کا سفر طے کرتے۔ اس طرح ان کے تصرّف میں بیرونی تجارت بھی مکمل طور پر ہو گئی اور انہیں بابل' بغداد' سکندریہ اور روم کے مذہبی مراکز کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کا موقع بھی حاصل تھا پھر وہ فکر و فلسفہ جسے اندلس میں مسلمانوں نے پروان چڑھایا' ان کی وساطت سے یہود تک پہنچا اور قرطبہ' غرناطہ' اشبیلیہ' طنجہ وغیرہ میں ان کے مذہبی سکول رائج ہو گئے۔ جن میں مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ ادب' موسیقی' ریاضی' نجوم' طب اور فلسفہ بھی پڑھایا جاتا تھا۔ اس تعلیم و تربیت سے یہود اپنے مسلمان حکمرانوں کی طرح متمدن ہو گئے اور ان میں ایسے رؤسا پیدا ہوئے جن کی شان و شوکت اور سخاوت کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ صورتحال تھی کہ ہسپانیہ کے وزیرِ اعظم یوسف بن بخدلہ (جو خود یہودی تھا اور جس کا باپ ضمویل حلیوی بھی وزیرِ اعظم رہ چکا تھا) نے تمام شاہی اختیارات اپنے ہاتھ لے لئے اس کی طاقت اور خود سری کا یہ عالم تھا کہ اس نے قرآن پاک تک کی بے حرمتی کی (نعوذ باللہ) عربوں اور بربروں نے بغاوت کی' اسے پھانسی پر لٹکایا اور غرناطہ کے چار ہزار یہودیوں کو قتل کر کے ان کے گھر لوٹ لئے۔ ۱۰۷۹ء میں یوسف بن تاشفین نے انفانسو کو شکست دے کر اندلس کی چھوٹی ریاستوں کو ختم کیا اور ایک مستحکم سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس عہد میں ایک مذہبی عالم نے اعلان کیا کہ ہجرت کے بعد یہود نے حضورؐ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم مزید پانچ سو سال تک مسیح کا انتظار کریں گے اور اگر وہ اس عرصے کے دوران بھی ظاہر نہ ہوا تو اسلام قبول کر لیں گے۔ اس حساب سے انہیں ۱۱۰۷ء میں اسلام قبول کر لینا چاہئے تھا۔ چنانچہ اس تحقیق کی روشنی میں یوسفؒ بن تاشفین نے مطالبہ کیا کہ تمام یہودِ ہسپانیہ مسلمان ہو جائیں۔ انہوں نے اسلام قبول نہ کیا بلکہ جزیہ دے کر گلو خاصی کرائی۔ مرابطین کے بعد ہسپانیہ پر موحدین کا تسلّط ہوا تو انہوں نے یہود و نصاریٰ کو اختیار دیا کہ مسلمان ہو جائیں اور آزادی کی زندگی بسر کریں یا ریاست سے باہر

نکل جائیں۔ بہت سے یہود نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا اور وہ جو اسلام کو کسی صورت قبول نہ کر سکے۔ عیسائیوں کے ساتھ شمالی سپین چلے گئے اور اس طرح اسلامی سپین یہودی اثرات سے پاک ہو گیا۔

شمالی سپین پر الفانسو کی حکومت تھی۔ جس نے یہود کو عیسائیوں کے مساوی حقوق دیئے۔ ۱۱۰۷ء میں یہاں بھی یہود کے خلاف ایک مہم چلی جو سختی سے دبادی گئی۔ اس وقت طلیطلہ میں بہتر ہزار یہود آباد تھے۔ بارہویں صدی میں برسلونہ کی تجارت پر یہود کا غلبہ تھا اور وہاں کی ایک تہائی زمینوں پر قابض تھے۔ بارہویں اور تیرہویں صدی میں ان پر سرکاری دفتروں کے دروازے بھی کھل گئے اور وہ سفارت و وزارت کے عہدوں پر بھی مامور ہونے لگے۔

۱۱۴۹ء میں الفانسو ہفتم کے یہودی ناظم محل نے حکومت کی طاقت کو طلیطلہ کے قراء یہود کے خلاف استعمال کیا اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ چھوڑا۔ الفانسو دہم نے یہود کے خلاف قانون نافذ کیا، لیکن بعض مراعات جاری رکھیں اور انہیں مسلمانوں کی تین مسجدیں بھی بخش دیں کہ ہیکل بنالیں۔

۱۳۸۳ء میں پیڈرو سوئم نے انہیں سرکاری عہدوں سے معزول کیا اور ۱۳۱۳ء میں زمورہ کی کونسل نے فیصلہ کیا کہ یہود اپنے سینوں پر تخصیص نشانات آویزاں کریں تاکہ عیسائیوں سے ممیز کئے جا سکیں۔ اس طرح سپین میں ان کے اقتدار اور سربلندی کا خاتمہ ہو گیا۔ عیسائیوں نے فیصلہ کیا کہ وہ یہودی طبیبوں سے علاج بھی نہیں کروائیں گے اور نہ ان کی ملازمت قبول کریں گے۔ ۱۴۹۲ء میں سپین میں عربوں کے اقتدار کے خاتمے کے بعد یہودیوں کی باری آئی اور فرڈیننڈ، جس نے ان سے وعدے وعید کئے تھے سب کچھ بالائے طاق رکھ کر حکم دیا کہ یا تو تمام غیر عیسائی اپنے اپنے مذاہب ترک کر کے عیسائی ہو جائیں یا ملک سے باہر نکل جائیں۔ بے شمار یہودی زندہ جلائے گئے، بہت سوں پر مظالم توڑے گئے، باقی جان بچانے کے لئے ملک چھوڑ کر بھاگے اور یوں انہیں مسلمانوں سے غدّاری کرنے کا صلہ مل گیا۔

مصر میں یہود کی سرگرمیاں

ہسپانیہ کے بعد یہود کا اہم ترین مرکز سرزمینِ مصر تھا۔ جہاں ۹۶۰ء میں مشرقی افریقہ کے عبیدیوں نے اپنی آزاد حکومت کی طرح ڈالی اور اپنا نسب نامہ حضرت جعفر صادقؒ کے فرزندِ اکبر سے جا ملایا۔ اس رشتے سے وہ فاطمی کہلانے لگے اور ان کی حکومت فاطمی حکومت کے نام سے مشہور ہوئی بنو امیہ کے حکمرانوں کی طرح یہ بھی بڑے فراخدل اور وسیع النظر حکمران تھے۔ انہوں

نے فسطاط کے قریب اپنا دارالحکومت قاہرہ تعمیر کرایا' جہاں المعز کے بیٹے العزیز نے اپنا اولین وزیر یعقوب بن کلس کو بغداد سے بلوا کر تعین کیا' یہ یہودی تھا اور اس نے بظاہر اسلام قبول کر رکھا تھا تاکہ اپنے آقا پر اپنا رسوخ دوچند کر سکے' العزیز نے اس کے بعد بھی ایک عیسائی کو وزیر اعظم اور ایک اور یہودی کو اس کا نائب مقرر کیا۔ یروشلم کے عیسائی اسقف کی بہن سے شادی کی جس سے اس کا بیٹا الحکیم پیدا ہوا جو ۹۹۶ء میں تخت نشین ہوا۔ باوجود عیسائی اسقف کا بھانجا ہونے کے' یہ حکمران عیسائیوں اور یہودیوں سے عاجز تھا اور ان کی مسلم آزاری اور تنگ نظری سے بری طرح نالاں۔ چنانچہ اس نے ہر دو پر تشدد کیا اور انہیں ملک چھوڑنے پر مجبور کیا۔ بعض یہود مسلمان بھی ہو گئے لیکن مصری یہود جس قدر خوشحال اور آزاد تھے اس کی مثال اس دور کے دوسرے علاقے بھی پیش نہ کر سکتے تھے۔

۱۱۶۸ء میں فاطمی خاندان کی حکومت ختم ہوئی اور عنانِ سلطنت سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے ہاتھ میں آ گئی۔ سلطان کے دربار کا طبیب خاص موسیٰ میمونی ہسپانیہ سے مصر میں پناہ گزین ہوا تھا۔ اس نے ۱۱۶۸ء میں "مشنا تورہ" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی' جس میں تلمود کی متضاد اور متناقص تحریروں کو منطقی اور فکری اتحاد کی لڑی میں پرو دیا اور یوں تاریخ میں یہود پہلی مرتبہ ایک منطقی دین کے علم بردار کی حیثیت سے ابھرے۔ اس نے لکھا "عیسیٰؑ اور محمدؐ انسانیت کو اس کی معراج پر پہنچانے کیلئے آئے۔"

چنانچہ اس تصنیف نے تمام یہودی دنیا میں آگ لگا دی اور ہر اس خطے میں' جہاں یہود آباد تھے' اس تصنیف پر بحث مباحثے شروع ہو گئے۔ اس نظریہ کے مخالفین کے نزدیک میمونی نے ان کے قدیمی عقائد پر حملہ کیا تھا چنانچہ انہوں نے داخیلی عیسائیوں سے درخواست کی کہ اس کی کتابوں کو منظرِ عام پر رکھ کر جلا دیں۔ مصر میں بھی میمونی کو کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی تھی۔

تیرہویں صدی میں جب ایوبی خاندان کے بعد مملوک بادشاہوں نے حکومت سنبھالی تو انہوں نے یہود کو اپنی سلطنت میں برداشت نہ کیا اور یوں یہود پر مصر میں بھی زوال آ گیا۔

فلسطین میں یہود

سپین اور مصر کے بعد یہود کی چھاؤنی فلسطین میں تھی' جہاں اکٹھے ہو کر وہ یروشلم اور یہودیہ پر دوبارہ تسلط حاصل کرنے کے خواب دیکھتے تھے۔ فلسطین ہی میں انہوں نے آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں تورات پر نظر ثانی کی اور اس کے متن کو وہ صورت دی جو آج رائج ہے۔

تیسرے باب میں ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ عبرانی زبان میں حروف کے درمیان فاصلہ نہ تھا اور

نہ ہی کوئی علامت تھی' اس لئے غلط جوڑ ملا کر عبارت بگڑنے کا واضح احتمال موجود تھا۔ عربوں نے جب اپنے حروف کو لفظوں اور زیر و زبر کے اعراب سے مزین کیا تو فلسطینی یہود نے بھی اسے اپنانے کا ارادہ کیا چنانچہ چھٹی صدی عیسوی سے دسویں صدی تک تورات اور مثنا کے نسخے اغلاط سے پاک کئے گئے اور عبرانی رسم الخط کے نقائص دور کر کے صحیح قرات کی بنیاد رکھی گئی۔ یہی جدید عبرانی خط' خطِ مربع کہلاتا ہے اور تھوڑے سے نشانات حرکت کے مزید اضافے کے ساتھ آج بھی یہودیوں میں رائج ہے۔ ان علمائے یہود کو موراتیاں کا نام دیا گیا۔ ۸۷۷ء میں فلسطین کا سیاسی اقتدار عباسیوں کے ہاتھ سے نکل کر مصر سے وابستہ ہو گیا اور سلجوقیوں کا دورِ حکومت چھوڑ کر صلیبی جنگوں کے زمانے میں بھی مصر ہی کے زیرِ نگیں رہا۔

بحیرۂ روم کے ساحلی علاقے

بحیرۂ روم کے مشرقی' جنوبی اور مغربی ساحل مسلمانوں کے تصرّف میں تھے۔ شمالی علاقے مختلف عیسائی ریاستوں کا حصہ تھے۔ اس میں سسلی کا علاقہ بھی شامل تھا' جو اگرچہ ۱۰۶۱ء میں مسلمانوں کی قلمرو سے نکل چکا تھا تاہم اسلامی تہذیب و تصورات کا ایک اور مظہر تھا۔ ساحلی علاقوں میں سب سے بڑی ریاست بازنطیہ کی تھی جہاں قسطنطنیہ مرکزی مقام ہونے کے باعث یہود کی تجارت کا گڑھ تھا۔ سلجوقیوں اور صلیبی جنگوں نے جب یہود کو فلسطین سے نکالا تو انہوں نے قسطنطنیہ ہی کا رخ کیا۔

اٹلی بھی تاجروں کی منڈی کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں عیسائی یہودیوں کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتے کہ ان کے لئے اسلامی ممالک میں بھی تجارت کرنا زیادہ آسان تھا۔ روم میں عیسائیت کا مرکز قائم ہونے کے بعد پادریوں اور راہبوں کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی تاجروں کی' ان تاجروں میں اکثریت یہود کی تھی۔ جنہیں عیسائی پادری نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ برطانیہ میں بارہویں صدی میں انکی نفری انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی لیکن ان پر اتنا تاوان لگایا گیا تھا کہ شاہی خزانے میں سالانہ آدنی کا آٹھواں حصہ یہود سے وصول کیا جاتا۔ وہ بادشاہ کے خاص غلام کی حیثیت رکھتے تھے اور بادشاہ جب چاہتا ان کی جائیدادوں اور دولت میں سے حصہ طلب کر لیتا تھا۔
صلیبی جنگوں کے سارے برطانیہ نے جتنا روپیہ جمع کیا تھا' اس کا چوتھائی یہود سے حاصل کیا گیا تھا اور جب رچرڈ کو جرمنوں نے قید کر لیا تو اس کی رہائی کے لئے لندن نے جس قدر چندہ دیا اس سے تین گنا یہودیوں کی جیب سے نکلا۔ اسی زمانے میں ایک انگریز مقنن نے کہا تھا:

"کسی یہود کی کوئی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی' جو کچھ وہ کماتا ہے اپنے لئے نہیں بلکہ بادشاہ کے

لئے کماتا ہے۔"

فرانس، برگنڈی اور پراونس میں بھی یہود کے قبیلے آباد تھے جن کا نسلی اور نسبی رشتہ ہسپانیہ کے یہود سے مستحکم تھا۔ ہسپانیہ اور پراونس کے درمیان مونٹ پیلیر کی مشہور طبّی درسگاہ یہود کے ہاتھوں میں تھی جہاں مسلمان طبیب بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اندلس پر مسلمانوں کے انخلاء کے بعد عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور یہود پر بھی اس کے دروازے بند ہو گئے۔ چنانچہ وہ اپنے طلبہ کو اپنے گھروں پر ہی تعلیم دیتے۔ عیسائی دنیا میں یہود کی حیثیت خاصی دردناک اور پریشان کن تھی اور وہ انہیں ان کے عقائد اور تصورات کے قریب پھٹکنے نہ دیتے۔ عیسائی امراء ان سے قرضے لیتے اور ادائیگی کے بجائے دھمکی استعمال کرتے اور بسا اوقات انہیں اپنے علاقوں سے نکلوا دیتے یا قتل کروا دیتے لیکن ایشیا سے پوری طرح بے دخل ہونے کے بعد یہود کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ عیسائیوں کے اچھوت بن کر رہیں اور اپنے انتقام کا انتظار کریں۔

بارہویں صدی کے بعد یہود کی اکثریت نے اپنی بقا کے لئے ہر گھر کو کنیسا بنایا۔ مدرسہ کو معبد کا مقام دیا اور ہر باپ کو مذہبی رہنما کا، عیسائی حکمران انہیں جداگانہ عبادت گاہیں بنانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ ان کی تعلیمی حالت اپنے گردوپیش کے عوام سے کہیں بہتر تھی جسے عیسائی اکثریت پسند نہ کرتی تھی۔ یہود کے بچے کھیل کود سے محروم رہتے کہ ان کی زندگی کہیں زیادہ سنجیدہ مسائل کے لئے ضروری تھیں۔ دوسری قوموں کے بچے انہیں اچھوت سمجھتے تھے اور ان سے کسی قسم کے روابط کے حق میں نہ تھے۔

یہود اپنے بچوں کو شروع ہی سے عبرانی اور خمیس ازبر کرا دیتے تھے، دس برس کی عمر تک ہر بچہ مثنا پڑھ چکا ہوتا تھا اور تیرہویں برس میں انہیں تلمود کا مطالعہ بھی کرا دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ دیگر علوم پر دسترس حاصل کرتے، اپنی تاریخ کا مطالعہ پورے انہماک سے کرتے۔ اعلیٰ تعلیم کے کئی مراکز تھے، جہاں ذہین طلبہ بھیجے جاتے، ان کا ربّی، استاد، قانون دان اور راہب تینوں فرائض سرانجام دیتا تھا۔ شادی بیاہ کے مراسم بھی اسی کے ذمّہ تھے اور وہ اپنے لئے کاروبار کرکے کماتا تھا۔ عبادات کو بہت زیادہ الجھا دیا گیا تھا تاکہ ان کی اہمیت نمایاں ہو سکے۔ سادہ لوح یہود انہیں سحر سے تعبیر کرتے۔ موسیقی کو حرام قرار دے دیا گیا تھا کہ وہ ان کی جلاوطنی کی روح کے خلاف تھی۔ اس کی جگہ کنیساؤں کی شاعری نے لے رکھی تھی۔ چھٹی صدی سے یہودی شعراء مذہبی مضامین بڑے زور شور سے باندھ رہے تھے، جس میں لاطینی کی نغمگی، وطن کی محبت اور دین کے لئے سرفروشی کے جذبات پیش کئے جاتے۔

ایک نمونہ جسے یہود نے ترانے کا مقام دیا پیش کیا جاتا ہے۔

تیری بادشاہت جب آئے گی
تو پہاڑوں سے گیت پھوٹ پڑیں گے
اور جزیرے خوشی سے قہقہے لگائیں گے
کہ وہ خداوند کی ملکیت ہیں
اور ان کے تمام بسنے والے جمع ہو کر
اتنی بلند آواز سے تیری حمد گائیں گے
کہ دور دراز کے لوگ انہیں سن کر
اے تاجور بادشاہ تجھے خوش آمدید کہیں گے

گویا یہ لوگ کسی ملک کے شہری نہ تھے وہ جہاں بھی رہتے خود کو جلاوطن سمجھتے اور یروشلم کی یاد کو سینے سے لگائے رکھتے۔ کسی ملک کی قومیت ان کیلئے کبھی باعثِ فخر یا تقویت نہ ہوئی۔ ان کی بستیاں بھی عام آبادی سے ہٹ کر ہوتیں اور وہ اپنی درس گاہوں میں بھی دوسروں کی شمولیت برداشت نہ کرتے تھے۔ ظاہر ہے ان نظریات کے حامل شہریوں کے ساتھ کوئی قوم کیا سلوک کر سکتی تھی۔

یہود و نصاریٰ میں نفرت کی دوسری اہم وجہ حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت تھی جسے یہود کسی قیمت پر قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ عیسائی انہیں حضرت عیسیٰؑ کی صلیب کا مجرم گردانتے اور اس کا انتقام لینا جائز جانتے۔ ہر اتوار کے دن ہزاروں گرجا گھروں میں حضرت عیسیٰؑ کی بے چارگی اور صلیب کو اپنے کندھوں پر اٹھانے کے واقعہ کے ساتھ ساتھ یہود کی سفاکی اور سنگ دلی کی داستان اس انداز سے دہرائی جاتی کہ سننے والوں کے جذبات بھڑک اٹھتے اور وہ خوامخواہ تعصب کا شکار ہو جاتے۔

ان مذہبی شرائط کے علاوہ کچھ اقتصادی وجوہ بھی تھیں جو یہود کو عیسائی دنیا کے لئے تختۂ مشق بناتیں۔ یہودی سود خور قرضے دیتے ہوئے اپنے روپے کو غیر محفوظ سمجھتے اور شرح سود اس قدر بڑھا دیتے کہ قرض، قرض دار کی جان کو آ جاتا، پھر جیسے جیسے عیسائیوں کی تجارت اور کاروبار کو فروغ ہونے لگا پیشہ ورانہ رقابت بھی ابھر آئی۔ عیسائی تاجر جان بوجھ کر یہودی تاجروں کے خلاف بالخصوص اور یہودیوں کے خلاف بالعموم پروپیگنڈہ کرتے، سرکاری ملازمتوں میں یہود پہلے ہی ہدفِ ملامت تھے اور ہر پریشانی کا ذمہ دار ٹھہرائے جاتے۔ ہر ٹیکس جو حکومت عائد کرتی، یہودیوں سے خاص طور پر وصول کیا جاتا۔ یہود کی علیحدگی پسندی ویسے ہی لوگوں کی آنکھوں میں کھٹکتی، ان کی

عادات' زبان' خوراک' لب ولہجہ' صورت' چال چلن سبھی کچھ باعثِ نفرت بن گیا۔ یہود ہفتے کے دن سبت کی وجہ سے کام کاج نہ کرتے۔ عیسائی اتوار کو محترم جانتے۔ عیسائی جمعہ کے دن کو ماتم سمجھتے کہ اس دن حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر لے جایا گیا۔ یہود اس دن خوشی مناتے کہ اس روز انہیں فرعونِ مصر سے نجات ملی تھی۔ پھر ہندوؤں کی طرح یہود بھی کسی عیسائی کے ہاتھ کا چھوا ہوا برتن' پکا ہوا کھانا اور انڈیلی ہوئی شراب حرام جانتے۔ عیسائی سمجھتے کہ یہ لوگ ہمیں اچھوت ٹھہراتے ہیں۔ رومنوں نے بھی عیسائی پر الزام لگایا تھا کہ وہ ہمارے بچوں کا خفیہ چڑھاوا اپنے خدا کے حضور پیش کرتے ہیں۔ بارھویں صدی میں عیسائیوں نے اس الزام کا انتقام یہود سے لیا اور مشہور کیا کہ وہ یہواہ کی نذر کے لئے عیسائی بچوں کا خون بہاتے ہیں اور انکی ممیائی نکالتے ہیں۔ اگر کوئی یہودی بھڑکیلا یا عمدہ لباس پہن کر گھر سے باہر نکلتا تو عیسائی یوں محسوس کرتے گویا عیسائی دنیا کی ساری دولت سمٹ کر یہود کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ یہود کو شیطان کا ایجنٹ قرار دیا گیا۔ پھر یہود کی بعض کتابوں میں سے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اور جوانی کے بارے میں ہتک آمیز حوالے نکالے گئے۔ ان سے عیسائی غضب کو مزید تحریک ہوئی۔ چنانچہ ہر ملک اور ہر مقام پر وہ وقت آیا جب حکومت یہود کو پناہ دینے سے قاصر ثابت ہوئی اور لوگوں نے انہیں تباہ وبرباد کر دیا یا دھکے دے کر اپنے شہروں سے باہر نکال دیا۔

عیسائی چرچ کا رویہ بھی عوام کے انداز سے مطابقت رکھتا۔ اگرچہ وقت اور وقوع کی رعایت سے ان کے لئے آسانیاں بھی روا رکھی گئی تھیں۔ اٹلی میں یہود کو "عہدِ عتیق کے محافظ" اناجیل کی تاریخی حیثیت کے زندہ شاہد" اور" خدا کے غضب کا شاہکار" کی حیثیت سے پناہ دی گئی اگرچہ ان کی جان ضیق میں تھی' ان کے لئے ملازمتیں ممنوع تھیں۔ ۵۳۸ء سے انہیں اتوار کے دن گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ ۱۱۷۹ء سے عیسائی نرسوں نے یہود کی تیمارداری ترک کر دی۔ ۱۲۴۶ء میں عیسائی بیمار بھی یہودی ڈاکٹروں سے رجوع نہ کرتے۔ ۱۲۰۹ء میں پوپ نے حکم نافذ کیا تھا کہ "یہود اور بازاری عورتیں بازاروں میں بکنے والے پھلوں اور کھانے کی چیزوں کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔"

یہود اپنے گھروں اور کاروبار کیلئے عیسائی ملازم نہیں رکھ سکتے تھے۔ عیسائیوں پر فرض عائد کیا گیا تھا کہ وہ یہود سے لین دین اور دوسرے معاملات روا نہ رکھیں اور انہیں متعدی مرض کی طرح جانیں۔ ۱۲۲۲ء میں ایک پادری کو یہودی مذہب اختیار کر کے ایک یہودن سے شادی کرنے کے جرم میں چوراہے میں کھڑا کر کے جلا دیا گیا۔

۱۲۳۴ء میں ایک بیوہ یہودن کو اس بنیاد پر اپنے شوہر کی املاک سے محروم کیا گیا کہ وہ مرنے سے پہلے عیسائی ہو گیا تھا۔ ۱۲۱۵ء میں لاترین کی کونسل نے فیصلہ کیا کہ یہود کو عیسائیوں سے علیحدہ کرنے کے لئے خاص قسم کا لباس پہننا ہو گا تا کہ وہ عیسائی عورتوں سے ملاپ نہ کر سکیں۔ اس فیصلہ پر ۱۲۱۸ء میں انگلستان میں عمل در آمد ہوا۔ ۱۲۱۹ء سے فرانس میں ۱۲۷۹ء سے ہنگری میں اور پندرہویں صدی کے آغاز تک یہ سپین' اٹلی اور جرمنی تک اختیار کیا جا چکا تھا۔ سولہویں صدی میں اس فیصلے میں لچک ظاہر ہونا شروع ہوئی اور انقلابِ فرانس نے اسے بالکل ختم کر دیا۔
چرچ کے ان تمام قوانین کے باوجود یورپ نے یہود پر اپنے دروازے بند نہ کیے اور وقتاً فوقتاً ان کی اپیلیں ہمدردی سے سنتے اور ان کیلئے سفارشات کرتے رہتے۔ ایک یہودی لکھتا ہے کہ "اگر کیتھولک چرچ نرم دلی سے کام نہ لیتا تو قرون وسطیٰ کے عیسائی یورپ میں یہود کا وجود بھی ناپید ہو جاتا۔"

بازنطیہ کے یہود

بازنطیہ کی سلطنت ساتویں صدی میں یونان اٹلی کے ایک حصے اور جزائر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا ایک گورنر مصر پر متعین تھا' دوسرا ایشیائے کوچک پر اور تیسرا چینی ترکستان پر۔ اس کی مشرقی سرحدیں کبھی فرات اور کبھی دجلہ تک پھیل جاتیں۔ میسوپوتامیہ کی سرزمین جو ان دو دریاؤں کے درمیان واقع ہے کبھی بازنطیہ کے ہاتھ چلی جاتی اور کبھی ایران کے زیرِ نگیں آ جاتی۔
بازنطیہ کے بادشاہوں سے بھی یہود کی نہ بن سکی۔ ۶۲۸ء میں ہرکلس نے انہیں اس بنیاد پر یروشلم سے نکال دیا تھا کہ انہوں نے اس کے خلاف ایران کا ساتھ دیا تھا۔ ۷۲۳ء میں لیو نے یہود کو اس شرط پر آباد کرنے کا وعدہ کیا کہ وہ عیسائی مذہب قبول کر لیں گے۔ بعض نے عیسائیت قبول کی اور کچھ اپنے کنیساؤں میں جل مرے۔ باسل اول نے ۸۶۷ء میں انہیں دوبارہ عیسائی بنانے کی مہم کا آغاز کیا۔ ۱۹۱۳ء میں قسطنطین ہفتم نے انہیں مزید ذلت آمیز شرائط پر آباد کیا۔
الغرض یورپ کے عیسائی ادوار میں زندہ رہ کر یہود کی ذہنیت رفتہ رفتہ اتنی زہر آلود اور کربناک ہو چکی تھی کہ آج تک ان کی اولاد اسے فراموش نہیں کر سکی اور ہر ممکن طریقے سے مشرق وسطیٰ کی آگ سے ساری دنیا کو بھسم کر کے اپنا انتقام لینا چاہتی ہے۔

صلیبی جنگیں

عباسیوں کی شان و شوکت اور شاہانہ خلافت کے بعد اسلام کا سیاسی اقتدار ہر بادشاہ کے ذاتی عقیدے اور جذبے تک محدود ہو کر رہ گیا اور متعدد حکومتیں اسلام ہی کا نام لے کر مختلف خطوں پر مسلّط ہو گئیں۔ اگرچہ اسلام کی حقانیت اور دینی ورثے سے ان کا تعلق محض برائے نام ہی تھا۔ یہ فیضان ان یہود کا تھا جنہوں نے عباسیوں کو "معتزلہ" اور "متکلمین" کے عقلی شعور کی آڑ میں اس سوزِ دروں اور ذوق و شوق سے محروم کر دیا جس نے صحرانشینوں کے قدموں میں آدھی دنیا کو جھکا دیا تھا۔ فکر و دلیل کے بازار میں یہود اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے عباسیوں کو دھوکا دینے کے لئے اسلام قبول کیا تھا اور ان کے ذہنوں پر غلبہ پا کر انہیں اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ ان سرچشموں سے فیضاب ہوں، جن کے بغیر اسلام ایک بے روح لاش سے زیادہ کچھ نہیں۔

سلجوقیوں نے گیارہویں صدی کے وسط میں عباسیوں سے حکومت کے ساتھ شان و شکوہ بھی پایا اور شجاعت کے ساتھ علم کی لگن بھی۔ ملک شاہ کے وزیرِ اعظم نظام الملک طوسی کا نام تاریخ میں عدل و انصاف اور ترویجِ علوم کے سلسلے میں یادگار حیثیت رکھتا ہے لیکن ملک شاہ کے آخری زمانے میں اس "عذابِ الٰہی" نے سر اٹھایا جسے "حشیشین" یا "فدائین" یا "ملاحدین" کہا جاتا ہے۔

حسن بن صباح نے اژندراں کے ناقابلِ عبور اور دور دراز علاقوں میں ایک مثالی جنت بنا کر

تخریب و تباہ کاری کے لئے ایک ایسی خفیہ تحریک شروع کی جس کی صلاحیت یہود کے علاوہ دنیا کی کسی قوم میں نہیں پائی جاتی۔ حسن بن صباح کی اس تحریک کے بعد یورپ کے عیسائیوں میں بھی ایسی ہی زہریلی اور خوفناک تحریکیں پھوٹ نکلیں، جن کے نتائج حسن بن صباح کی سازشوں سے کچھ کمتر نہ تھے۔

۱۰۹۱ء میں نظام الملک کو حسن بن صباح نے مروا دیا اور صلیبی جنگوں سے کچھ عرصہ پہلے اس عظیم شخصیت کی موت اور "حشیشین" کی دوسری سازشوں نے سلجوقی سلطنت کو کمزور کر دیا، جو چین سے بحیرۂ روم تک اور شمال میں روس کے شہر جار جیا سے جنوب میں یمن تک پھیلی ہوئی تھی۔ "حشیشین" بتدریج اپنی طاقت بڑھاتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ شمالی ایران، عراق اور شام کے پہاڑوں میں انہوں نے نہایت مستحکم قلعوں پر قبضہ کر لیا اور اپنی تلوار سے اس دور کے بہترین اور عظیم مسلمان مفکر، عالم اور عادل حکمرانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

یہ ہنگامہ برپا تھا غربی ایشیا میں بربریت کا وہ طوفان اٹھا، جسے عیسائی دنیا "مقدس جنگوں، یا صلیبی جنگوں" کا نام دیتی ہے۔ یورپ کی تواریخ میں ان جنگوں کے گرد تقدس اور مذہبی سرشاری کا وہ ہالہ بنا دیا گیا ہے گویا یہ شجاعت کی معراج تھیں لیکن انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں بہیمیت بربریت اور فتنہ انگیزی کی مثال کے طور پر یاد رکھا جائے۔

امیر علی اپنی گرانقدر تحقیقی تصنیف "اے شارٹ ہسٹری آف سارا سنز" میں ایک مغربی مورخ کا حوالہ اس کے اپنے الفاظ میں یوں پیش کرتے ہیں:

> "صلیبی جنگیں تاریخ کے ادوار میں ایک جنونی باب کا اضافہ کرتی ہیں۔ عیسائیت نے اسلام کے خلاف تین سو سال تک دھاوے پر دھاوا بولا یہاں تک کہ ناکامیوں نے ان کو ست کر دیا اور اس کی توہم پرستی جو اس کی مساعی کی محرک تھی ماند پڑ گئی۔ یورپ جنگجو مردوں اور دولت سے خالی ہو گیا اور اگر مکمل ہلاکت نہیں تو کم از کم دیوالیہ پن نے اس کی جڑیں ہلا دیں۔ لاکھوں انسان جنگ، بھوک اور بیماریوں سے ہلاک ہوئے اور صلیب کے علمبردار ہر اس ظلم کے مرتکب ہوئے کس کا انسانی ذہن تصور کر سکتا ہے۔"

اسلام نے ابتداء ہی سے اہلِ کتاب کے ساتھ پوری مروت اور فیاضی سے کام لیا تھا۔ ان کے لئے ہر شعبۂ ہر کاروبار کے دروازے کھلے تھے، انہیں ہر مقام پر مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل تھے۔ ساری دنیائے اسلام میں عیسائی گرجے اور مبلغ موجود تھے۔ فلسطین پر حضرت عمرؓ کے تسلط کے بعد سے کسی زائر پر کوئی پابندی عائد نہ تھی اور واقعہ یہ ہے کہ اگر فلسطین پر مسلمانوں کا قبضہ نہ ہوتا تو یہود اور نصاریٰ کے مختلف گروہ کٹ کٹ کر مرجاتے۔ یروشلم میں عیسائی اسقف اعظم کے لئے مخصوص مقام متعین تھا۔ ۹۶۹ء میں جب فلسطین فاطمیوں کے زیرِ اثر آیا تو

عیسائیوں کو مزید سہولتیں حاصل ہو گئیں کہ فاطمی خاص طور پر عیسائی تاجروں اور زائروں کی سرپرستی کرتے تھے لیکن اس کا کیا علاج کہ فلسطین میں مسلمانوں کا وجود یہود و نصاریٰ دونوں کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا اور عیسائی زائر فلسطین میں مسلمانوں کی مہمان نوازی اور مروّت کے ثمرات حاصل کر کے لوٹتے تو ان کے خلاف یورپ کے قریئے قریئے میں زہر گھولتے۔ مسلمانوں کے حسنِ سلوک سے وہ یہ اخذ کرتے کہ یہ لوگ طبعاً کمزور ہیں اور یہود و نصاریٰ کے دینوں کی عظمت اور ذاتوں کے رعب سے وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ وہ آسمان پر اٹھائے جانے کے ایک ہزار سال بعد دوبارہ ظاہر ہوں گے۔ اس عقیدے نے سارے یورپ کے کٹر عیسائیوں کو فلسطین کی زیارت کا شوق دلایا اور "مقدّس سرزمین ان سے بھر گئی" اس ہجوم نے اپنے ساتھ ترکوں کی بدسلوکی کا واویلا مچایا جس کا شکوہ لے کر ان کے نمائندے پوپ کے حضور بھی پہنچے۔ ۱۰۹۵ء میں پوپ نے فتویٰ دیا کہ "ان کافروں کے خلاف جنگ کی جائے جن کے قبضے میں حضرت عیسیٰؑ کی قبر ہے، جو لوگ اس جنگ میں شریک ہوں گے، ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جو اس میں مارے جائیں گے انہیں جنّت میں جگہ دی جائے گی۔"

ان جنگوں کی بنیادی وجہ مذہبی تعصب ہی تھی لیکن دولت کا لالچ، فلسطین پر حکومت کرنے کا خواب، مشرقی شرابوں کی شہرت اور فلسطینی عورتوں کے حسن کا جادو بھی عیسائی بھیڑوں کو بھیڑیئے بنا دینے پر آمادہ کر رہا تھا۔ حرص، ہوس، شہوانیات نے عقیدے سے مل کر اس خونریزی کی بنیاد رکھی۔ ہر صلیبی سپاہی کے ٹیکس معاف تھے، اس پر قرضوں کی ادائیگی کے مقدمے معطل کر دیئے گئے اور وہ براہِ راست چرچ کی پناہ میں تھے۔ اس پر مستزاد گناہوں کی معافی، ابدی جنّت کا تصور اور زندہ بچ رہنے کی صورت میں آسودگی اور عیش کا یقین، عیسائیت کے علمبرداروں کے مطمحِ نظر تھے۔ ان سے کہا گیا تھا کہ مسلمان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بت پوجتے ہیں (نعوذ باللہ) اور مرض الموت میں حضورؐ کو خنزیروں نے کھالیا تھا (استغفر اللہ) تاکہ وہ مسلمانوں کے عقیدے کی ثباتی سے اور ثابت قدمی سے ہراساں نہ ہوں۔

سب سے پہلا گروہ جو ان خیالات کے پس منظر میں روانہ ہوا بلغاریہ میں عیسائیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ دوسرا گروہ جو چالیس ہزار افراد پر مشتمل تھا اور جس میں ہر ملک، ہر قوم اور ہر زبان بولنے والے مرد، عورتیں اور بچے شامل تھے، بلغاریہ کے شہر ملوائل پہنچے تاکہ اپنے پیش رووں کا انتقام لے سکیں، سات ہزار عیسائی باشندوں کو قتل کرنے کے بعد باقی ماندہ آبادی پر ہر امکانی تشدد

روا رکھا۔ ہنگری اور بلغاریہ ملیامیٹ کر دیئے گئے یہاں سے وہ اپنے دانت تیز کر کے ایشیا کی طرف بڑھے۔ پانچ ہزار کا ایک اور ٹولہ جرمنی سے چلا جس نے یہودیوں کو تختۂ مشق بنا کر اپنی فتوحات کا آغاز کیا کہ ان کا خون بہانا عیسائی حملہ آوروں کی پاک بازی کی اصل دلیل تھا۔ ان کے پاس سامان خورد و نوش اور پیسے کی کمی تھی۔ ویسے بھی انہیں فاصلوں کا اندازہ نہ تھا۔ چنانچہ جب راشن کا غلّہ کم پڑنے لگا تو انہوں نے راستے کے کھیت ' مکان ' دکان غرض ہر میدان میں ہاتھ رنگنے شروع کئے۔ وہ گھروں کے گھر لوٹ لیتے اور ان کے مکینوں کو قتل کر دیتے 'اور اسکے ساتھ ان دیگر گھناؤنے جرائم کے بھی مرتکب ہوتے جن کا تصوّرِ انسان کر سکتا ہے۔ جب وہ قسطنطنیہ پہنچے تو مسافت 'تھکن ' کم خوراکی ' جرائم اور اپنی حرکات کے سبب مختلف امراض کا شکار ہو چکے تھے۔ جن میں پلیگ اور کوڑھ بھی شامل تھے اور جب یہاں بھی انہیں ضروریاتِ زندگی نے دق کیا تو انہوں نے گرجوں ' گھروں اور محلوں کی لوٹ مار شروع کر دی۔ بالآخر انہیں اہلِ شہر نے سامانِ رسد دے کر جہازوں پر سوار کرایا اور کہا کہ یورپ سے آنے والے دیگر حملہ آور گروہوں کا انتظار کریں۔ انہوں نے جلد بازی کی اور نکائی پر حملہ کر دیا۔ ترکوں نے ان میں سے ایک ایک کو اپنے تیروں میں پرو دیا اور اس طرح یہ پہلا حملہ ناکام رہا گنتی کے کچھ عیسائی بچ کر قسطنطنیہ پہنچ سکے ' تاکہ اپنی مظلومیت کی داستان درد بھرے لہجوں میں سنا کر ہمدردی حاصل کر سکیں۔

فرانس اور جرمنی کی دوسری فوج تیس ہزار مسلح جوانوں پر مشتمل تھی۔ اس نے ۱۰۹۷ء میں نکائی کا محاصرہ کیا۔ اس وقت مسلمان طاقتوں میں بری طرح پھوٹ پڑ چکی تھی۔ اندلس کی طاقت قریب الختم تھی۔ شمالی افریقہ فرقہ بندیوں میں مبتلا تھا۔ مصر کے فاطمی جنوبی شام پر قابض تھے اور شمالی شام پر سلجوقیوں کا پرچم لہرا رہا تھا۔ آرمینا نے سلجوقیوں سے بغاوت کر کے مسیحی حملہ آوروں سے عہد و پیمان باندھا چنانچہ نکائی پر مسیحی قبضہ ہو گیا اور وہ انطوکیہ کی جانب بڑھے ' جسے فتح کر کے وہ ایشیائے کوچک کو روندنے نکلے لیکن پیاس اور صحرا کی تپش اور وسعت نے انہیں کچل دیا۔

عیسائی جنگجوؤں کی ایک اور فوج جس میں برطانیہ ' فرانس ' فلینڈر اور لورین کے جوان شامل تھے ' جنگ کے نشے میں اتنے مست تھے کہ جب انہیں مسلمان لڑنے کے لئے نہ ملتے تو یہودیوں سے جنگ چھیڑ دیتے۔ یہاں تک کہ کولون کے مقام پر ہزاروں یہودی مارے گئے اور ان کی جائیدادیں لوٹ لی گئیں۔ دریائے رائن اور موسلے کے کنارے کنارے چلتے ہوئے جہاں کہیں بھی یہودی ان سپاہیوں کے ہتھے چڑھے مارے گئے ' تا آنکہ ممبرگ میں ہنگری کی فوجوں نے

انہیں ٹھکانے لگادیا۔

نارمنڈی میں جب مسیحی مبلغ صلیبی جنگوں میں لوگوں کو بھرتی کرنے کے لئے گئے تو ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ کی گئی کہ ہم عیسیٰؑ کی خالی قبر کے لئے اتنی دور لڑنے کے لئے کیوں جائیں جبکہ خود عیسیٰؑ کے قاتل ہمارے درمیان عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ چنانچہ روئین کے مقام پر یہود کا قتلِ عام اس بے رحمی سے کیا گیا کہ یورپ کی تاریخ صدیوں تک اس کی بازگشت سے گونجتی رہی۔ وہ یہودی جنھوں نے بپتسمہ لینا گوارا کیا بچ گئے' لیکن جہاں اس کو جان کی رعایت دی گئی وہاں اس کی جائیداد اور دولت صلیب برداروں کی ہوس کا شکار ہو گئی۔ شمالی فرانس اور رائن لینڈ میں یہودیوں کا قتلِ عام روا رکھا گیا۔ ٹریولیس' دورمز' مینز' کولون اور دوسرے مقامات پر جہاں متمول یہود اپنی چھاؤنیاں بنائے بیٹھے تھے' ان کے خون سے بری طرح ہاتھ رنگے گئے' بستیوں کی بستیاں ان کی بے نشان کر دی گئیں۔ غارت گروں کا ہجوم اس قدر بے پناہ تھا کہ یہود کے لئے کوئی جائے عافیت نہ رہی پھر بھی وہ ان کے ہاتھ تکالیف کے ساتھ مرنے پر خودکشی کو ترجیح دینے لگے۔ اس دور کی بہیمیت ۷۰ء کی یروشلم سے جلاوطنی کے بعد یہود کے لئے سب سے زیادہ اذیت ناک اور جان لیوا ثابت ہوئی۔

۱۰۹۶ء کی پہلی صلیبی جنگ کے بعد ۱۱۴۷ء میں یہود دوسری مرتبہ اس ظلم و ستم کا شکار ہوئے۔ مقدس پطرس نے' جو کلنی کا ایبے تھا' شہنشاہِ فرانس لوئی ہفتم کو لکھا:

> "میں نہیں چاہتا کہ آپ ان ذلیل لوگوں کو ختم کر دیں۔ خدا ان کو ملیامیٹ نہیں کرنا چاہتا لیکن برادر کش قابیل کی طرح انہیں قسم قسم کی اذیتیں دے کر ان کا جینا حرام کر دینا چاہئے اور انہیں مزید ذلیل کرنے کے لئے زندہ رکھنا چاہئے انکی حیات کو موت سے بدتر بنا دینا چاہئے۔"

لوئی نے امیر یہودیوں پر ظالمانہ ٹیکس عائد کئے اور جرمنی میں انکی جائیدادیں چھین لی گئیں۔ اسی اثنا میں ایک فرانسیسی راہب رڈالف نے جرمنی پہنچ کر یہود کے قتلِ عام کی تبلیغ شروع کی۔ نتیجتاً جو یہودی بھی صلیب برداروں کے ہاتھ چڑھا' صلیب پا گیا۔ مینز کے آرچ بشپ نے بعض یہودیوں کو پناہ دینے کی سفارش کی تو غضب ناک ہجوم نے اس کی آنکھوں کے سامنے انہیں تہ تیغ کر دیا۔ بعض عیسائی حلقوں میں اس پر ردِ عمل کا اظہار بھی کیا گیا لیکن کچھ ہی دن بعد ایک عیسائی کے قتل پر یہود کو پھر آڑے ہاتھوں لیا گیا۔ جرمنی سے یہود کی تباہی کا جذبہ پھر فرانس منتقل ہو گیا اور کارنٹین' رمیرو اور سسلی کے یہود قتل کر دیئے گئے۔ بوہیمیا میں ڈیڑھ سو یہود کو ٹھکانے

لگایا گیا۔ ۱۲۳۵ء میں بادن کے مقام پر ایک عیسائی کے قتل نے یہود پر قیامت ڈھادی اور ان کا قتلِ عام کیا گیا۔ ۱۲۴۳ء میں برلن کے قریب بلٹز کے مقام پر تمام یہود کو زندہ جلا دیا گیا۔ ۱۲۸۳ء میں منیز میں دس یہودی قتل کر دیئے گئے اور ان کے گھروں کو لوٹ لیا گیا۔ ۱۲۸۵ء میں میونخ کے ۸۰ یہود کو ان کے کنیسا میں زندہ جلا دیا گیا۔ ایک سال بعد اریویزل میں ایک عیسائی کے قتل پر چالیس یہودی مارے گئے۔ ۱۲۹۸ء میں "مقدس روٹی" کو جلانے کے الزام میں رانلگن کے تمام یہودی قتل کر دیئے گئے۔ ایک متعصب جرمن امیر نے یہودیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے ایک فوجی جماعت مرتب کی جس نے حلف اٹھایا کہ وہ کسی یہودی کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔ اس گروہ نے درزبرگ کے تمام یہودیوں کو مار ڈالا اور نیوربرگ کے ۶۹۸ یہودی ہلاک کئے۔ ظلم کی یہ روایت پھیلتی چلی گئی اور چھ مہینوں میں یہودیوں کے ۱۴۰ "مذہبی گروہ" قتل کر دیئے گئے ان تخریب کاریوں سے تنگ آ کر یہود نے جرمنی چھوڑنے کا پروگرام بنایا اور ۱۲۸۶ء میں منیز، ورمز، سپیئر اور دوسرے جرمنی قصبوں کے یہودیوں نے فلسطین میں پرچم اسلام کے نیچے پناہ لینے ہی کو غنیمت جانا۔ پولینڈ اور لتھوانیا میں ابھی یہود کے حالات نسبتاً بہتر تھے اس لئے اکثریت نے ان علاقوں کا رخ کیا۔

برطانیہ کے یہود کو زمینیں حاصل کرنے اور کاشت کرنے کی اجازت نہ تھی اس لئے انہوں نے سودی کاروبار اور تجارت کو اپنایا، ان وسیلوں سے وہ دولت مند بھی جلد ہو جاتے تھے اس لئے مقامی لوگ ان سے نفرت کرتے۔ امرائے دولت ان سے بالعموم قرضے حاصل کرتے اور صلیبی جنگوں کا اہتمام کرتے، پھر ان قرضوں کی ادائیگی کاشت کاروں کی ذمہ داری ہوتی۔ ۱۱۴۴ء میں ایک نوجوان عیسائی مارا گیا۔ الزام یہود پر لگا۔ شہر بھر میں یہودی محلے لوٹ لئے گئے اور گھروں کو آگ لگا دی گئی۔

ہنری دوم نے اپنے عہدِ حکومت میں انہیں پناہ دی۔ ہنری سوئم نے بھی انہیں عوام کے غضب سے بچایا لیکن سات برس کے عرصے میں ان سے چار لاکھ بائیس ہزار پونڈ کی رقم وصول کی۔ رچرڈ اول کی تخت نشینی کے موقع پر بعض مقروض امراء نے ان پر چڑھائی کی اور ایک محدود پیمانے پر ان کا قتلِ عام کیا جس میں ساڑھے تین سو یہود مارے گئے۔ ڈیڑھ سو یہود نے لوگوں کے ہتھے چڑھنے کے بجائے خودکشی کر لی۔ ۱۲۱۱ء میں تین سو ربی انگلستان چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ انہوں نے فلسطین میں پناہ تلاش کی۔ سات برس بعد ہنری سوم نے یہود کو تخصیصی علامت کے استعمال کا حکم دیا تاکہ انہیں عیسائیوں سے الگ پہچانا جا سکے۔ عوام کے غیظ و غضب کے خوف سے بہت سے یہود نے تخصیصی علامت سے بچنے کے لئے فرار کی راہ اختیار کی۔ ۱۲۵۵ء میں افواہ اڑی کہ

کچھ یہودیوں نے ایک عیسائی بچے کو کچوکے دے دے کر نڈھال کیا۔ پھر اسے نیزے پر چڑھالیا۔ مسلح مسیحی نوجوانوں نے اس کا انتقام لینے کے لئے ربی کو گھوڑے کی دم سے باندھ کر گلیوں میں گھسیٹا اور آخر کار اسے دار دی۔ بہت سے دوسرے یہودی بھی اس افواہ میں مارے گئے۔

۱۲۵۷ء اور ۱۲۶۷ء کی خانہ جنگیوں میں یہودی پھر ہدف بنے اور لندن، کنٹبری نارتھمپٹن، ونچسٹر، ورسسٹر، لنکن اور کیمبرج کے یہودی خاندان کلیتاً ختم کر دیئے گئے۔ جو یہودی بچے ان کے گھر لوٹ لئے گئے، قرض کے حبالے پھاڑ ڈالے گئے اور انہیں کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا گیا۔ اب بادشاہوں کو بھی ان سے قرض لینے کی محتاجی نہ رہی۔ چنانچہ ۱۲۹۰ء میں ایڈورڈ اول نے ۱۶ ہزار یہود کو حکم دیا کہ انگلستان سے اپنا مال، متاع اور قرضوں کو چھوڑ کر نکل جائیں۔ یہ لوگ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں رودبارِ انگلستان کے راستے روانہ ہوئے۔ کثیر تعداد راستے میں ڈوب گئی، جو فرانس کے ساحل پر پہنچنے میں کامیاب ہوئے انہیں اگلے سال ملک خالی کرنے کا حکم ملا۔

فرانس میں بھی ہوا ان کے مخالف تھی اور لوگ ان کی جانوں کے مخالف رہے۔ ۱۱۷۱ء میں بلائس کے مقام پر کئی یہودی مارے گئے۔ ۱۱۸۰ء میں بادشاہ فلپ نے تمام یہودیوں کو قید کرنے کا حکم دیا اور پھر ان کی رہائی کے لئے بھاری رقوم ہتھیائیں ایک سال کے بعد انہیں فرانس سے ملک بدر کر دیا گیا۔ ان کی جائیداد بحق سرکار ضبط کر لی گئی اور ان کے کنیسا چرچ کے حوالے کر دیئے گئے ۱۱۹۰ء میں اور بیخ کے ۸۱ یہودی قتل کئے گئے۔ ۱۱۹۸ء میں یہودیوں کو دوبارہ فرانس میں داخلے کی اجازت اس شرط پر ملی کہ بادشاہ ان کے منافع کا اہم حصہ دار ہو گا۔ ۱۲۳۶ء میں صلیبی لڑاکوں نے انجو اور پوائیٹو کے یہودیوں سے مطالبہ کیا کہ وہ عیسائی مذہب اختیار کریں۔ انکار کی صورت میں تین ہزار یہود گھوڑوں کے سموں تلے کچلے گئے۔ ایک پادری نے اعلان کیا کہ

یہودیوں سے مذہبی بات چیت حرام ہے اور اگر کوئی یہودی عیسائیت کے خلاف لب کشائی کرے تو سننے والے کا فرض ہے کہ وہ اپنی تلوار اس کے پیٹ میں وہاں تک بھونکے جہاں تک اس کی رسائی ممکن ہے۔"

۱۲۵۴ء میں یہودیوں کو ایک مرتبہ پھر فرانس خالی کرنے کا حکم مل گیا اور ان کا تمام مال و متاع بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔ چند برس کے بعد انہیں دوبارہ آنے کی اجازت ملی لیکن ابھی وہ اپنے کنیساؤں کی تعمیر کر رہی رہے تھے کہ ہر یہودی گرفتار کر لیا گیا۔ تن کے کپڑے اور ایک دن کی خوراک لے جانے کی اجازت دے کر ایک لاکھ یہودی فرانس بدر کر دیئے گئے اور ان کا تمام روپیہ، سامان اور تجارتی مال ضبط کر لیا گیا۔ بادشاہ کو اس اقدام سے اتنی دولت حاصل ہوئی کہ

اس نے خوش ہو کر ایک کنبیا اپنے سائیس کو عطا کر دیا۔

مظالم کی یہ طویل فہرست دو حقائق سمجھنے میں مدد گار ہوتی ہے۔ اول تو یہ کہ وہ جہاں بھی گئے، وہاں آبادی سے الگ رہے اور میل جول انہوں نے اپنے باہر کسی بھی شعبے میں نہ بڑھایا۔ نہ ہی انہوں نے کسی بھی حکومت سے بنا کر رکھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ان سے خوفزدہ ہو کر ان کے دشمن بنتے گئے۔ یہاں تک کہ وہ صلیب بردار جو خود یہودیت سے ابھرے تھے، اور جو مسلمانوں کو تنگ نظری کا الزام آج تک دیتے چلے آ رہے ہیں، ان کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ دوسری جانب مسلسل پریشانی، بے کسی اور دربدری نے یہود کو اذیت پرست بنا دیا تھا۔ یہ لوگ ہر مصیبت میں متحد ہونے کے سبب ایک دوسرے کے لئے لباس سے بھی زیادہ قریبی ہو گئے۔ اپنے خون کو اپنی نجات کا وسیلہ جان کر انہوں نے اپنی ذات کا غم بھی چھوڑ دیا اور اپنے عقائد سے مزید شدومد سے چمٹ گئے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اپنی مختصر تعداد کے باوجود انہیں جس قدر قتل کیا جاتا یہ اتنا ہی فروغ پاتے۔ امن کے دن غنیمت جانتے اور اپنے خاندان کی تعداد بڑھاتے۔ اپنے بچوں کو شروع ہی سے جانبازی کی داستانیں سنا کر جان پر کھیلنے کے لئے تیّار کرتے۔ ہر یہودی کو ہر وقت وہ دعا یاد رہتی جو اسے قتل ہوتے وقت، آگ میں جلتے وقت یا پھانسی پاتے وقت پڑھنا ہوتی تھی۔ اسی طرح انہیں اپنے مال و دولت کی طرف سے بھی ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا، چنانچہ جس طرح یہ اپنی آبادی بڑھانے کی فکر کرتے اسی طرح دولت کی فراوانی کی دھن میں بھی مصروف رہتے اور اس تمام مایوسی، بے کسی اور قتل و غارت میں جب انہیں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا تھا، امید کی ایک ٹمٹماتی ہوئی کرن کی طرح یہواہ کا عہد ان کی آنکھوں کے سامنے ہمیشہ روشن رہتا۔

"تمہیں اقوامِ عالم سے منتخب کیا گیا ہے۔ تم ساری دنیا سے عظیم تر ہو۔" اور یہی جلتی بجھتی امید ان کے مذہب سے زیادہ ان کی حیات کا سرچشمہ بن گئی۔

چنانچہ ان کے عقائد ان کے لئے اتنے پختہ ہو گئے کہ ان کے خون کا جزو بن گئے، ان کی ہڈیوں میں پیوست ہو گئے۔ وہ اپنی تاریخ کو دہراتے ہوئے نہ تھکتے تھے۔ اپنی یادیں سینے سے لگائے پھرتے۔ ہر سال، ہر مہینہ، ہر دن ان کیلئے خوشی کا مفہوم بس اتنا رہ گیا تھا کہ ان کے بچے پیدا ہوتے رہیں۔ پھر ان بچوں کے بچے ہوں اور وہ لٹتے پٹتے ہوئے بھی دولت کی تلاش میں سرگرداں پھرتے رہیں۔ موت کا مطلب بھی ان کے نزدیک یہی تھا کہ مرنے والا اپنے عزیز ترین ارب سے جا ملا۔ پھر ماتم کیسا۔ وہ جانتے تھے کہ فرد مر سکتا ہے اسے مرنا ہی ہے لیکن یہودیت باقی

رہے گی۔ ان کی جان یہودیت میں ہی تھی۔

دنیائے اسلام نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ جو حسنِ سلوک روا رکھا اس کا صلہ دونوں نے اسی طرح دیا جس طرح دودھ پر پلنے والا بچھو ادا کرتا ہے۔ عصبیت و تنگ نظری کا یہ مرقع بھی تاریخ میں یادگار حیثیت رکھتا ہے۔ حضورؐ کے زمانے میں عیسائیوں کو اہلِ کتاب کی حیثیت ملی اور مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل ہوئے۔ جیسے جیسے اسلام فروغ پاتا گیا' انہیں بھی اسلامی دنیا میں تجارتی اور تہذیبی سرمایہ اکٹھا کرنے کے مواقع نصیب ہوتے گئے لیکن جب صلیبی جنگ چھڑی تو دونوں کا موقف صرف اور صرف اسلام کا استحصال بن گیا۔ یورپ میں یہودیوں پر عیسائیوں نے جو مظالم ڈھائے تاریخ میں ان کی مثال بھی کم ہے اس کے باوجود اسلام کی تحریک دبانے میں عیسائی و یہودی بھائی بھائی تھے۔ عیسائی مؤرخین اور یورپ اور امریکہ کا تمام تر علمی اور سیاسی اقتدار بھی اس عصبیت پر پردہ نہیں ڈال سکتا جو اسلام کے خلاف عیسائیوں اور یہودیوں کا وطیرۂ خاص رہا ہے۔ اس سب کے باوجود سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے جب اپنے عیسائی حریفوں کو پے در پے شکستیں دیں تو انہیں جس عالی ظرفی اور شرافت سے نوازا' وہ آج بھی عیسائی مؤرخین کی کتابوں کی جان ہے اور عالمِ اسلام کی سربلندی کا نشان۔

۱۱۸۶ء میں جب صلیبی افواج کو یروشلم پر فتح ہوئی تو ایک لاطینی سردار گائی دی لیگ نان تختِ حکومت پر متمکن ہوا اور شاتلان کے رئیس رجنالڈ نے اردن کے قریب کارک کے مقام پر اپنا پھریرا لہرایا اور اپنی جداگانہ حکومت کا اعلان کیا۔ اس نے لاطینی بادشاہ اور سلطان صلاح الدینؒ کے صلح نامہ کی مسلسل خلاف ورزی روا رکھی اور فیصلہ کیا کہ سرزمینِ عرب پر حملہ کرے گا اور مدینہ میں...... "شتر سوار (نعوذ باللہ) کی قبر مسمار کر کے کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔" اس ذلیل مقصد کے لئے اس نے اپنا بیڑہ بحیرۂ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ روانہ کیا۔ الحورا کے مقام پر رک کر یہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں مصری فوج کے ایک دستے نے اس کا مقابلہ کیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ رجنالڈ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ عیسائی مؤرخین اس شکست کا حال بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"جو زندہ سپاہی مسلمانوں کے ہاتھ لگے' انہیں حج کے موقع پر مینڈھوں کی جگہ قربان کیا گیا۔"

یہ بیہودہ' تنگ نظر اور عصبیت سے پُر جملہ کسی تبصرے کا محتاج نہیں کہ اس کا اس سلوک سے دور کا بھی واسطہ نہیں جو مسلمانوں نے عیسائی جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا' پھر اس میں حج جیسی متبرک اور پاک سنتِ نبویؐ کو طوث کرنا جس کی پاکیزگی اور طہارت ہر مسلمان کا ایمان ہے اور

جس میں مسلمان آج تک حضورؐ کی روایت سے سر مو اختلاف کئے بغیر پورے مناسک ادا کرتے ہیں اور انشاءاللہ ابد الآباد تک کرتے رہیں گے۔ ایمان کے اس اہم رکن میں حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کی یاد میں عیسائی جنگی قیدیوں کا خون شامل کرنا عیسائی ذہن کی ایک انتہائی رکیک اور پست سازش تھی لیکن عیسائی اور بالخصوص صلیبی حملہ آوروں سے ہم اس سے بہتر کی توقع بھی نہیں رکھ سکتے۔ وہ ۱۰۹۹ء میں یروشلم فتح کرتے وقت تک انسانی گوشت کھاتے تھے اور اپنی اس بہیمیت پر نازاں تھے۔ کہا جاتا ہے کہ عیسائی افواج میں انسانی گوشت کھلم کھلم فرخت ہوتا تھا۔ یروشلم فتح کرتے وقت انہوں نے جس بربریت کا مظاہرہ کیا وہ چنگیز اور ہلاکو سے کسی طور کم نہیں تھی۔ اس سلسلے میں فرانسیسی مورخ مشاد کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے جسے امیر علی نے بھی اپنی تاریخی تصنیف میں شامل کیا:

> "صحرانشینوں کو گلیوں اور گھروں میں قتل کیا گیا۔ پسپا ہونے والوں کے لئے یروشلم میں کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ بعضوں نے دشمن کے ہتھے چڑھنے کے بجائے فصیلوں سے کود کر مرنے کو ترجیح دی۔ بعض محلات، برجوں اور مسجدوں میں جمع ہوئے لیکن تعاقب کرنے والے عیسائیوں کی دستبرد سے کوئی نہ بچا۔ صحرانشینوں نے مسجد عمرؓ میں کچھ دیر اپنا دفاع کیا لیکن عیسائی حملہ آوروں نے ظلم و ستم کی کوئی حد نہ چھوڑی، گھڑ سوار اور پیدل فوج دائیں بائیں قتل عام کر رہی تھی۔ اس خون خرابے میں زخمیوں کی آوازوں کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ فاتح فوج لاشوں کو روندتی زندوں کے پیچھے دوڑ رہی تھی، جو خود جان بچانے کے لئے بھاگ رہے تھے۔ ایک چشم دید گواہ کا کہنا ہے کہ مسجد کی محرابوں کے نیچے گھٹنے گھٹنے خون تھا جو گھوڑے کی رکابوں کو چھو رہا تھا۔ وہ لوگ بھی جو اپنی جانوں کے عوض بھاری رقوم پیش کر رہے تھے، مار دیئے گئے۔ گھروں میں پناہ لینے والوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ عورتوں کے آنسوؤں اور معصوم بچوں کی چیخوں سے کسی کا دل نہ دہلا اور اس مقام پر جہاں مسیحاؑ نے اپنے قاتلوں کو معاف کر دیا۔ اس کے پیروکاروں کا جی نہ پسیجا اور کشتوں کے پشتے لگتے رہے۔"

ایک اندازے کے مطابق ستر ہزار انسان اس ظلم کا شکار ہوئے لیکن یہود کیلئے اس سے بدتر سزا تجویز کی گئی تھی۔ ان کے کنیساؤں میں، جن میں انہوں نے پناہ لے رکھی تھی، آگ لگا دی گئی اور انہیں زندہ جلا دیا گیا۔ مشاد کے بقول:

سید ھا مدینہ منورہ آ پہنچا۔ اس نے شہر کا محاسبہ کیا لیکن ہر بات حسبِ معمول تھی وہ پھر حیران رہ گیا۔ اب حضورؐ نے کرم فرمایا اور اسے خواب میں ان یہودیوں کی صورتیں ذہن نشین کرا دیں۔ دوسرے دن نورالدین زنگی نے مدینہ شہر کے باشندوں کی دعوتِ عام کا اہتمام کیا اور ہر شہری کی شرکت اس میں ضروری قرار دی حکم کے مطابق سارا شہر کھانے پر پہنچا لیکن وہی دو فرشتہ صورت 'شیطان صفت یہود' جن کے لئے یہ تمام انتظام تھا نہ آئے اور وہ آتے بھی تو کیسے ' انہیں تو اس کی اطلاع بھی نہ پہنچی تھی وہ تو اپنی ہی دھن کے پورے تھے۔ ایک کدال لے کر سرنگ میں اتر جاتا تو دوسرا پہرہ دیتا۔ پہلا تھک کر لوٹ آتا تو دوسرا اپنی مصروفیت کا تبادلہ کر کے سرنگ کھودنے چلا جاتا۔ نورالدین زنگی نے جب خواب کی دونوں صورتیں نہ دیکھیں تو استفسار کیا کہ "کوئی شخص دعوت میں آنے سے رہ تو نہیں گیا۔" کسی نے عرض کی " آقا تمام شہر تو آپ کے دسترخوان پر موجود ہے 'دو بزرگ البتہ کہ نہایت عابد' متدین 'نیک طینت و فرشتہ صورت ہیں شامل نہیں ہو سکے کہ عبادات میں مشغول رہتے ہیں۔ انہیں کوئی دعوت اپنے مشاغلِ ذکرِ الٰہی سے مانع نہیں رکھ سکتی۔" سلطان نے یہ سنا تو بولے "یہ عالم ہے تو سبحان اللہ 'ہم خود ان کی زیارت کو پہنچیں گے۔"

الغرض ملازمین کے سر پر کھانوں کے خوان رکھوائے اور ان کے مسکن کی جانب روانہ ہوا۔ پہرے دار یہودی کو بھی دور سے نظر آیا کہ تمام شہر امڈ آیا ہے اور رخ ان تمام کا اسی جانب ہے اس نے اپنے ساتھی کو مطلع کیا اور باہر بلالیا۔ بادشاہ نے جب ان کی صورتیں دیکھیں تو شکر بجالایا کہ یہی وہ شیطان تھے جن کے چہرے حضورؐ نے خواب میں بے نقاب فرمائے تھے۔ دونوں کی مشکیں کسوا دیں۔ لوگ سناٹے میں آگئے لیکن جب ان کے گھر کی تلاشی لی گئی اور مصلّٰی کے نیچے تہ خانے کا وہ راستہ ظاہر ہوا جو سرنگ میں جاتا تھا تو عقدہ وا ہوا۔ ظاہر ہے کہ اب ان کے لئے بجز اقرار چارہ نہ تھا۔ سلطان نے سیسہ پگھلوا کر ان کے حلق میں انڈیلنے کا حکم دیا اور کیفرِ کردار تک پہنچایا اور آئندہ کے لئے ہر ایسی تخریبی سازش کا سدِّباب کرنے کے لئے روضۂ اطہر کے گرد سات دھاتوں کی ایک دیوار بنائی جو آج تک قائم ہے۔

صلیبی جنگیں اپنی جگہ ہولناک تھیں لیکن یہ حملے جو ذاتِ اطہرؐ پر کئے گئے یہود و نصاریٰ کی ذہنیت کا مرقع ہیں۔ نصاریٰ تو رفتہ رفتہ اپنے دین سے بھی گئے لیکن یہود کی ذلت و تنگ نظری اور زیادہ پائیدار ہو گئی کہ ان کے لئے اس کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہ تھا۔

ظہورِ اسلام سے صلیبی جنگوں تک مسلسل مسلمانوں نے اجتماعی اور انفرادی طور پر یہود و نصاریٰ کو اہلِ کتاب کی حیثیت سے ہموار کرنے کی اپنی سی ہر ممکن کوشش کی کہ دونوں کا

سیدھا مدینہ منوّرہ آ پہنچا۔ اس نے شہر کا محاسبہ کیا لیکن ہر بات حسبِ معمول تھی وہ پھر حیران رہ گیا۔ اب حضورؐ نے کرم فرمایا اور اسے خواب میں ان یہودیوں کی صورتیں ذہن نشین کرا دیں۔ دوسرے دن نورالدین زنگی نے مدینہ شہر کے باشندوں کی دعوتِ عام کا اہتمام کیا اور ہر شہری کی شرکت اس میں ضروری قرار دی، حکم کے مطابق سارا شہر کھانے پر پہنچا لیکن وہی دو فرشتہ صورت 'شیطان صفت یہود' جن کے لئے یہ تمام انتظام تھا نہ آئے اور وہ آتے بھی تو کیسے' انہیں تو اس کی اطلاع بھی نہ پہنچی تھی وہ تو اپنی ہی دھن کے پورے تھے۔ ایک کدال لے کر سرنگ میں اتر جاتا تو دوسرا پہرہ دیتا۔ پہلا تھک کر لوٹ آتا تو دوسرا اپنی مصروفیت کا تبادلہ کر کے سرنگ کھودنے چلا جاتا۔ نورالدین زنگی نے جب خواب کی دونوں صورتیں نہ دیکھیں تو استفسار کیا کہ "کوئی شخص دعوت میں آنے سے رہ تو نہیں گیا۔" کسی نے عرض کی " آقا تمام شہر تو آپ کے دستر خوان پر موجود ہے 'دو بزرگ البتہ کہ نہایت عابد' متدین 'نیک طینت و فرشتہ صورت ہیں شامل نہیں ہو سکے کہ عبادات میں مشغول رہتے ہیں۔ انہیں کوئی دعوت اپنے مشاغلِ ذکرِ الٰہی سے مانع نہیں رکھ سکتی۔" سلطان نے یہ سنا تو بولے "یہ عالم ہے تو سبحان اللہ' ہم خود ان کی زیارت کو پہنچیں گے۔"

الغرض ملازمین کے سر پر کھانوں کے خوان رکھوائے اور ان کے مسکن کی جانب روانہ ہوا۔ پہرے دار یہودی کو بھی دور سے نظر آیا کہ تمام شہر اُمڈ آیا ہے اور رخ ان تمام کا اسی جانب ہے اس نے اپنے ساتھی کو مطلع کیا اور باہر بلا لیا۔ بادشاہ نے جب ان کی صورتیں دیکھیں تو شکر بجالایا کہ یہی وہ شیطان تھے جن کے چہرے حضورؐ نے خواب میں بے نقاب فرمائے تھے۔ دونوں کی مشکیں کسوا دیں۔ لوگ سناٹے میں آ گئے لیکن جب ان کے گھر کی تلاشی لی گئی اور مصلّٰی کے نیچے تہہ خانے کا وہ راستہ ظاہر ہوا جو سرنگ میں جاتا تھا تو عقدہ وا ہوا۔ ظاہر ہے کہ اب ان کے لئے بجز اقرار چارہ نہ تھا۔ سلطان نے سیسہ پگھلوا کر ان کے حلق میں انڈیلنے کا حکم دیا اور کیفرِ کردار تک پہنچایا اور آئندہ کے لئے ہر ایسی تخریبی سازش کا سدِباب کرنے کے لئے روضۂ اطہر کے گرد سات دھاتوں کی ایک دیوار بنائی جو آج تک قائم ہے۔

صلیبی جنگیں اپنی جگہ ہولناک تھیں لیکن یہ حملے جو ذاتِ اطہرؐ پر کئے گئے یہود و نصاریٰ کی ذہنیت کا مرقع ہیں۔ نصاریٰ تو رفتہ رفتہ اپنے دین سے بھی گئے لیکن یہود کی ذلت و تنگ نظری اور زیادہ پائیدار ہو گئی کہ ان کے لئے اس کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہ تھا۔

ظہورِ اسلام سے صلیبی جنگوں تک مسلسل مسلمانوں نے اجتماعی اور انفرادی طور پر یہود و نصاریٰ کو اہلِ کتاب کی حیثیت سے ہموار کرنے کی اپنی سی ہر ممکن کوشش کی کہ دونوں کا

توحید کے معاملے تک تو سرچشمہ ایک ہی تھا' اور دیگر عقائد کی حد میں بھی بظاہر' اختلافات اتنے معمولی اور سطحی تھے کہ انہیں آپس میں مل بیٹھنے یا مل کر آگے بڑھنے میں عار نہ ہونا چاہئے تھا لیکن یہ سطحی معاملات بنیادی بن گئے۔ یہود و نصاریٰ دونوں کا دلی بغض اسلامی اقتدار کے زوال پذیر ہوتے ہی زبان پر آیا اور پھر بڑھ کر تلوار تک جا پہنچا۔ عیسائیت کو یورپ کی فضا راس آئی۔ اس کی بیل روم سے منڈھے چڑھتی ہوئی سارے یورپ میں پھیل گئی اور وہ یہود' جنہوں نے اسے یروشلم سے نکال کر یونان و روما اس لئے پہنچایا تھا کہ یا تو ان کے اصنام "خدا کے بیٹے" کے تصوّر کو ہضم نہیں کر سکیں گے اور اسے مٹا دیں گے یا پھر قبول کر کے "عہد نامہ عتیق" تک تسلیم کرا لیں گے اور اس طرح یہود کی اصلیت اور عظمت کو "پہچان" لیں گے اور انہیں' ان کی سرزمین کو' اور ان کے عقائد کو اپنا معیار ٹھہرا لیں گے' لیکن ان کا یہ تخمینہ بھی غلط ثابت ہوا' اور مسیحی بھیڑوں نے انہیں نجس اور ناپاک سمجھ کر ملیامیٹ کرنا شروع کر دیا۔ عیسائیت نے یورپ کی حیوانی پستی کو نرمی' ملاحت اور باہمی ارادت سے بدلنا چاہا تو اس کے راہبوں اور اسقفوں نے بادشاہوں کے سر جھکا کر اقتدار کا وہ نشہ پایا کہ ان کی اپنی ذاتیں غرور و نخوت کا مجسمہ بن گئیں۔ عیسائیت کے پیرو' خدا کی محبت اور حضرت عیسیٰؑ کی عظمت کی تلاش میں اور بھوک' ظلم' آسمانی مصائب' بیماریوں اور موت سے نجات کی تمنا میں نکلے تو انہیں ان پادریوں نے آڑے ہاتھوں لیا جو انہیں خدا کی رضا کے نام پر اپنا غلام بنانے کے درپے تھے۔

ایک ہزار برس کی اس صورتحال کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ جہالت اور تاریکی کا مسکن ہو کر رہ گیا۔ بے سروپا عقائد اور بے معنی روایات نے اس شعور و فہم کا گلا دبا دیا جس کے بغیر زندگی آگے نہیں بڑھتی۔ بالآخر تعصب کے اس سیلاب نے یورپ سے باہر نکلنے کے لئے راہ پائی تو اس نے یہودیت کے ان جزیروں کو بھی نگل لیا' جو اسی جہالت کے پانیوں پر تیر رہے تھے اور جب اس کا ٹکراؤ اسلام سے ہوا تو اس نام نہاد روحانیت کی قلعی کھل گئی جو بزعم خود زندگی اور مافیہا دونوں کی ٹھیکیدار بنی بیٹھی تھی۔ عیسیٰؑ کے پیروکاروں میں اگر یورپ میں اندھوں کو بینائی اور کوڑھیوں کو صحت عطا ہوئی تو اسلام کے ہاتھوں ہوئی' جس نے تعصبات کے پھندوں سے ان کی گردنیں آزاد کیں۔ لیکن یہ کرم بھی کچھ کم نہ تھا کہ سیاسی اعتبار سے پارہ پارہ یورپ صلیبی جنگوں کے نام پر ایک ہو گیا اور اس کا اتحاد نشاۃ ثانیہ کے کام آیا۔ اسے تہذیب و تمدن کی شاہراہ پر گامزن کرنے "نئی دنیا" کی دریافت اور نئے آسمانوں کی پرواز عطا کی اور زندگی کے اصل مقصد اور مفہوم سے آشنا کیا لیکن یورپ پھر بھی یہ جاننے سے قاصر رہا کہ جس اسلام نے ان صحرانشینوں' بدوؤں اور صنم پرستوں کو لوح و قلم دیکر خدا کا نائب بنا دیا' اس سے فیض یاب ہونے ہی میں دین اور دنیا کی

نجات ممکن ہے۔ اس کا ذمہ دار صلیبی جنگوں کا وہ تعصب تھا جو آج بھی یورپی اقوام کی آنکھوں کی پٹی ہے اور جسے یہود نے ان کی آنکھوں پر باندھ کر انہیں یروشلم کو فتح کرنے پر متعین کیا تھا ورنہ عیسائیت کے نام لیواؤں کا فلسطین کی سرزمین میں کیا رکھا تھا' جس کے لئے وہ سر دھڑ کی بازی لگاتے۔ انہوں نے یہودیوں ہی سے سن رکھا تھا کہ یہ دودھ اور شہد کی سرزمین ہے۔ ان کے کانوں میں تو صبح و شام یہودیوں ہی کی آواز گونجتی

"یروشلم! اگر میں تجھے بھول جاؤں تو میرا دایاں ہاتھ اپنی عیاری کو بھول جائے۔"

مسلمانوں پر صلیبی جنگوں کا جو رد عمل ہوا' اس کا سیاسی پہلو تو ظاہر ہے لیکن تمدنی طور پر انہیں کچھ حاصل نہ ہوا۔ مذہبی طور پر مسلمانوں اور عیسائیوں میں نفرت کی خلیج وسیع تر ہو گئی اور دونوں کے درمیان کسی تفہیم و تعلق کی گنجائش نہ رہی بلکہ مسلمانوں نے اپنی فراخدلی کا افسوس ناک انجام دیکھ کر یہود و نصاریٰ دونوں کو تعصب کی عینک سے دیکھنا شروع کیا۔

یہود نے ان جنگوں کی وجہ سے بالواسطہ یا بلاواسطہ جو ظلم سہے' انہوں نے ان میں نفرت اور اذیت پسندی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ بے وطنی اور بے بسی نے تعصب کو ان کا وطن بنا دیا اور اسی کو یہ لوگ اپنا ایمان جاننے لگے۔ دوسروں کی تخریب کے لئے ان کے دست و بازو میں سکت نہ تھی۔ اس کے بجائے ان کی سازشی ذہنیت اور زیادہ فعال ہو گئی۔ اس کے لئے علوم و فنون میں چابکدستی ضروری تھی۔ چنانچہ یہ لوگ طب' ریاضی' نجوم' جغرافیہ' فلسفہ اور منطق کے میدانوں کی طرف بڑھے اور ان علوم میں کمال حاصل کرنے کے بعد دوسروں کو اپنا دست نگر بنانے لگے کہ انہیں وہ فکر ہر لحظہ دامن گیر رہتی جو دنیا پر ان کے تسلّط کو امر کر دے لیکن جو نامساعد حالات کے باعث اندر ہی اندر گھٹ کر رہ جاتی۔ اب ان کے نزدیک اپنے مذہب کی سربلندی کی ایک ہی صورت رہ گئی تھی کہ متبادل مذاہب اسلام اور عیسائیت کی مذہبی بنیادوں کو کھوکھلا' آزاد خیال اور بے مقصد بنائیں۔

حیوانی اور شہوانی جذبات کو برانگیختہ کر کے مذہب کو باطل کرنا' ایک ایسا زینہ ہے جو تمدّن و تہذیب کا لبادہ بھی اوڑھ سکتا ہے اور جسے دولت سمیٹنے کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے ان علوم' آزاد خیالی کے تصورات' مذہبی رسومات' روایات سے بیزاری اور نمود و نمائش کی خواہشات کو ہوا دینے کے وسیلے سے یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا' اور جب مذہبی تعصب کی جگہ خود پسندی اور ظاہر داری نے لے لی تو تجارت کی دکان بھی خوب چمکی اور مذہب بھی خاموشی سے دیکھتے ہی دیکھتے رخصت ہو گیا۔ اب سرمایہ یہود کے ہاتھوں میں تھا' انہوں نے اس کا منافع بخش استعمال کیا اور یورپ اور امریکہ کی معیشت اور معاشرت اپنے تصرف میں لانے میں کامیاب ہو گئے۔

صلیبی جنگوں کے دوران قتلِ عام نے یہود کو یہ درس دیا کہ اگر یورپ میں رہنا ہے تو کسب معاش کے لئے ایسے وسائل بروئے کار لائیں' جن میں لوٹ مار کا اندیشہ نہ ہو اور زیادہ سفر کی صعوبت بھی نہ ہو۔ وہ حکمران طبقوں کی نگاہوں میں مفید مطلب بھی ثابت ہوں اور اپنی دولت چھپا کر دوسری جگہوں پر منتقل کرنے کے قابل بھی رہیں۔ چنانچہ انہوں نے قومی طور پر سود بیاج کے لین دین کو اختیار کیا۔ اس سلسلے میں بائبل کی تحریروں نے ان کی مشکل آسان کر دی۔ رومن کیتھولک کا عقیدہ "انخلاء" کے اس حکم پر مبنی تھا "اگر تم کسی شخص یا اشخاص کو قرض دو' جو تم سے غریب ہے تو تم اس سے سود وصول نہیں کر سکتے' نہ تم اس سے سودی بیوپار کر سکتے ہو۔

اس کا مطلب یہ لیا گیا کہ کوئی عیسائی سودی کاروبار نہیں کر سکتا۔ اگر کرے گا تو اسے کافر قرار دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ یہ فیصلہ خاص طور پر اس وقت بڑا معنی خیز نکلا' جب بین الاقوامی تجارت عام ہوئی اور اس کے لئے بڑی بڑی رقوم کی ضرورت پڑی۔ اس کا ایک ہی حل تھا کہ سودی کاروبار یہود کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ یہود حضرت موسیٰؑ کے حکم کے "تابع" تھے۔ "احبار" میں ان سے یہ جملہ منسوب تھا "تم اپنے بھائی کو سود پٹے پر ادھار نہیں دو گے۔ پیسے کا سود' کاروباری سود' کسی قسم کا سود کوئی یہودی کسی یہودی سے وصول نہیں کر سکتا۔ ہاں اجنبیوں کو سود پر ادھار دیا جا سکتا ہے۔"

اس تقسیم کار نے عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان ایک مفاہمت پیدا کر دی' دنیا کے ساتھ تجارت اور سیاسی ریشہ دوانیاں تو عیسائی کریں گے لیکن روپیہ یہود کے ہاتھوں میں رہے گا' جو سود در سود کا چکّر چلا کر اپنا بھلا بھی کریں گے اور عیسائیوں کی معیشت پر اپنا احسان بھی جتائیں گے۔ اس فیصلے کے عیسائی دنیا میں یہود کو ایک واضح حیثیت بخش دی اور وہ نئے ابھرتے ہوئے یورپ کی تجارتی شاہراہوں کے ہر اہم موڑ پر اپنی دکان سجا کر بیٹھ گئے اور اپنی غلیظ قبائیں' پتھرائی ہوئی آنکھیں' چرب زبانی اور چال بازیوں سے سادہ لوح دیہاتوں اور نسبتاً کم عقل تاجروں کو اپنی گرفت میں لے کر دوسری قوموں سے نمایاں ہو گئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اناجیل میں سود کے علاوہ جو اخلاقی احکام سختی سے صادر کئے گئے تھے۔ ان پر عیسائی عوام کبھی کاربند نہ ہوئے۔ قتل' چوری' ظلم اور زنا کے خلاف شاذ ہی مذہبی فیصلوں کا احترام کیا گیا ہو۔ محبت' حلم' شرافت اور نکوکاری کی ترویج' والدین کا ادب اور بچوں کی تربیت اور رکھ رکھاؤ کی باتیں بھی بڑے بڑے چرچ اور کیتھیڈرل کے زبانی جمع خرچ سے آگے نہ بڑھیں۔ لیکن سود لینے کی مناہی پر اس شدّت سے عمل درآمد ہوا کہ کوئی عیسائی اس کی خلاف ورزی کا تصور

بھی نہیں کر سکتا۔ یورپ کی تاریخ اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے بھی اس حقیقت کو بے نقاب نہیں کر سکی کہ اس کھیلے کے پیچھے یہود کا ہاتھ واضح طور پر موجود ہے جن کے لئے اس سے بہتر اور مفید تر اصول اور کیا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ نشاۃِ ثانیہ کے آغاز سے پہلے یہود نے اپنے لئے راستہ متعین کر لیا تھا کہ اب وہ عیسائیوں کو عیسیٰؑ سے محبت کے بجائے 'مادے سے محبت کا درس دیں گے۔ انہیں نئے فلسفوں' نئے خیالات' نئی مادی طاقتوں اور نئی دنیاؤں کی تسخیر کی طرف لگا کر اپنے مذہب کی طرف سے بیزار کر دیں گے' اور ان کے ہر شعبۂ حیات پر اپنے سرمایہ دارانہ نظام کے تسلّط سے انہیں اپاہج کر دیں گے۔

نشاۃِ ثانیہ

تیرہویں صدی کے اواخر تک عیسائی یورپ کا فلسطین کے مسلمان فاتحین کے خلاف غم و غصہ ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ اسلام سے ٹکرا کر یورپ کی ناقابل تسخیر عظمت اور روحانیت کا پردہ چاک ہو گیا۔ اسلامی تہذیب ' تمدن ' شرافت ' نجابت اور اخلاق نے عیسائی صلیب برداروں کی بربریت و خود پسندی کو بھی کند کر کے رکھ دیا تھا۔ انہیں اس کردار کے مقابلے میں اپنی ذات ہیچ نظر آئی۔ لیکن وہ نفرت جو دو ٹکرانے والی قوتوں کے درمیان لابدی ہوتی ہے درمیان دیوار بن کر کھڑی ہو گئی اور یہ لوگ اسلام کی سچائی اور حق پرستی کی داد نہ دے سکے۔ وہ ایشیا کے ساحلوں سے نئی زندگی کا نیا شعور لے کر پلٹے تو انہیں اپنے عیسائی فکر میں بھی کیڑے دکھائی دیئے۔ یورپ اور اس کے چرچ نے اپنا قلعہ مسمار ہوتے دیکھا تو انہوں نے اس رجحان کا رخ عیسائیوں کی اصلاح کی طرف پھیر دیا۔ پادریوں اور راہبوں کی تحقیقاتی عدالتیں قائم ہوئیں اور عیسائی عوام کے فاسد خیالات کا جائزہ لے کر ناقص کو زندہ جلانے اور عذاب دے دے کر مارنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ عیسائیت کے مستحکم ایوان میں یہ ایک دھماکہ تھا صدیوں سے عیسائیت کے پیروکار اپنی آنکھوں پر عقائد کی پٹی باندھ کر پوپ کے گرد طواف کر رہے تھے۔ پوپ کی تعلیمات ان کا عقیدہ اور پوپ کی خوشنودی ان کا مذہب تھا۔ پوپ کے عوام پاپائیت ' شہنشاہیت اور فیوڈل ازم کی نئی تثلیث کا شکار ہو چکے تھے اور تین چٹانوں کے نیچے بری طرح کچلے ہوئے تھے کہ ان میں اپنے

حقوق کے لئے آواز بلند کرنے کی سکت بھی باقی نہ رہی تھی۔ صلیبی جنگوں نے انہیں اسلام کی کشادہ اور دل پذیر فضاؤں سے آشنا کیا تو وہ ہوش میں آ گئے۔ اس اثنا میں ہسپانیہ میں مسلم حکومتیں روبہ زوال تھی لیکن قسطنطنیہ پر ۱۴۵۳ء میں عثمانی خلافت کے پرچم نے وہ انوار یورپ پروارد کئے، جواندلس سے ہسپانیہ کے کوہستانی سلسلے کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ ادھر کولمبس نئی دنیا دریافت کر چکا تھا۔ افریقہ کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پرتگالی جہاز ہندوستان کی بندرگاہوں پر آ پہنچے، دنیا سمٹنے لگی۔ یورپ کے چھوٹے چھوٹے ملک بڑی بڑی حکومتوں کے خواب دیکھنے لگے۔ عیسائی مبلّغ افریقہ کے آدم خوروں کو درس دینے لگے کہ اگر تمہارے ایک گال پر طمانچہ پڑے تو دوسرا آگے کر دو۔ یہ سمجھے بغیر کہ عیسیٰؑ کا یہ قول صرف غیر سفید اقوام کے لئے ہی قابلِ عمل کیوں ہے اسے ہر جگہ تسلیم کیا گیا۔ یورپ کی مسیحیت اپنے گریبان میں منہ ڈالے بغیر ہر طرف رواں دواں تھی۔

اس صورتِ حال میں جب مارٹن لوتھر نے پاپائیت کے خلاف اپنا پرچم بلند کیا تو صدیوں کے کرم خوردہ عیسائی چہار جانب امنڈ آئے اور اس کے ہمنوا بن گئے۔ کالون اور ناکس نے اس فکر کو اور ہوا دی۔ نتیجتاً آزاد خیالی اور ذلیل وبرہان کے وہ ڈنکے بجے جو عباسیوں کے دور میں معتزلہ کا خاصہ تھے۔ یونانی اور مسلمان مفکّروں کے افکار سے عیسائیت لرزہ براندام ہو گئی۔ اور یہ نظر آنے لگا کہ پاپائیت نے اس سیلاب کا سدِّباب نہ کیا تو اس کا اپنا وجود حروفِ غلط کی طرح مٹ جائے گا۔

نئی تہذیب کے اس بہاؤ نے یورپ کی سرحد میں ایک جانب ایشیا اور دوسری جانب امریکہ کو شامل کر لیا۔ دولت کی ریل پیل شروع ہوئی تو کاشت کار نے اپنی درانتی اور مزدور نے اپنا ہتھوڑا اپنی فصلوں اور مشینوں سے باہر زمیندار اور سرمایہ دار کے خلاف علم بغاوت کی طرح بلند کیا۔ علم کی شعائیں پھیلنے لگیں۔ شعبۂ حیات کے دریچے کھلے اور ان سے نور کی کرنیں ہر گھر میں داخل ہونے لگیں اور اس تمام تبدیلی نے عیسائیوں کو مرکزی مقام پر لا بٹھایا لیکن ہاں جہاں عیسائی بھیڑوں کی زندگی میں مسکراہٹیں داخل ہوئیں، وہاں یہود کے لئے حیات مزید تنگ ہو گئی۔ ۱۴۹۲ء میں انہیں سپین سے مارپیٹ کر نکال دیا گیا۔ لٹے پٹے وہ پرتگال پہنچے، یہاں پرتگالیوں نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا۔ انہیں زبردستی عیسائی بننے پر مجبور کیا گیا لیکن جب پرتگالیوں نے دیکھا کہ یہ اپنے عقائد سے پھرنے کے لئے تیّار نہیں تو انہیں یہاں سے بھی نکال دیا گیا۔ اٹلی اور جرمنی میں انہیں ایسی زندگی گزارنے پر مجبور کیا گیا، جو جانور بھی نہ برداشت کر سکیں۔ انہیں چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں میں رہنے پر مجبور کیا گیا جہاں وہ عیسائیوں سے مختلف نظر آنے کے لئے خاص

لباس پہنتے تھے۔ آئے دن ان پر یہ الزام لگتا کہ وہ عیسائی بچوں کو قتل کر کے انہیں اپنی مذہبی رسومات کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ صلیبی جنگوں کے جنون میں یہود کو مسیحا کا قاتل قرار دے کر موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا۔ اب ان پر ہر طرح کے بہتان باندھے جانے لگے۔ انہیں شیطان کا چیلا قرار دیا گیا۔ عیسائیت خندہ پیشانی سے قبول نہ کرنے کا یہ مطلب لیا گیا کہ وہ عیسیٰ کے خون کا مذاق اڑانے کے لئے معصوم عیسائی بچوں کے خون سے مومیائی بناتے ہیں اور ان کی ہڈیوں سے ٹونے ٹوٹکے کرتے ہیں۔ سپین میں تحقیقاتی عدالتوں میں ان یہود پر بھی مقدمات چلائے جاتے جنہوں نے عیسائیت کو قبول کر رکھا تھا۔ انہیں زندہ آگ میں ڈال کر دیکھا جاتا کہ ان کا دل عیسائی ہو چکا ہے یا نہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق عیسائی کو آگ جلانے سے قاصر رہتی ہے۔ اگرچہ اس مفروضہ کو بنیاد بنا دینے سے خود پوپ سمیت شاید ایک شخص بھی دل سے عیسائی ثابت نہ ہو سکے لیکن اس طرح عقیدے کے نام پر وہ مواد تیار کیا گیا جس کی رو سے یہودیوں کو قتل کرنا عیسائیت کی عین خدمت قرار پایا۔

۱۳۲۱ء میں یہود پر ایک اور مصیبت نازل ہوئی جب پائیٹو کے مقام پر ایک کوڑھی نے خفیہ بنڈل دریا میں پھینکا جو پکڑ لیا گا۔ کھولنے پر اس میں سے ایک اجنبی زبان میں لکھا ہوا خط دستیاب ہوا۔ اس پر جو مہر لگی تھی اس کے نقش میں صلیب کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ دو اشخاص جو یہودیت سے تائب ہو چکے تھے۔ اس خط کو پڑھنے کے لئے لائے گئے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ عبرانی زبان کی تحریر ہے اور اس میں عیسائی قوم کو ختم کرنے کی غرناطہ کے بادشاہ کی سازش درج ہے جس نے یہود کو مامور کیا ہے کہ عیسائی دنیا کے تمام کنویں زہر آلود کر دیں۔ یہود نے اس کام کے لئے کوڑھیوں میں زہر تقسیم کیا تا کہ وہ اس سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں' اس الزام کی بنیاد پر یہود کو گھیر گھیر کر اور چن چن کر مارا گیا۔ انکی عورتوں نے عیسائیت قبول کرنے کے خوف سے خود کشی کر لی۔

۱۳۴۸ء میں جب سارے یورپ میں پلیگ پھیل گئی اور لوگ بری طرح مرنے لگے' یہاں تک کہ یورپ کی ایک چوتھائی آبادی اس کالی موت کے ہاتھوں ہلاک ہوئی تو اس کی ذمہ داری بھی یہودی پر منڈھ دی گئی۔ یہود چونکہ عیسائیوں کے مقابلے میں نسبتاً صاف ستھرے رہتے تھے۔ اس لئے ان کی شرحِ اموات بھی خاصی کم رہی۔ لیکن عیسائیوں کا خیال تھا کہ یہود نے ان کے کنویں زہر آلود کر دیئے تھے اس لئے وہ مارے گئے اور یہ بچ نکلے۔ اس الزام کی بنیاد پر وہ یہود جو کالی موت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ گورے مسیحیوں کے ہاتھوں میں مارے گئے۔ لاکھوں کو زندہ جلا دیا گیا اور کئی مقامات پر تو یہود کی پوری پوری آبادیاں صاف کر دی گئیں۔

تاتاریوں اور عثمانیوں کی یلغار نے جب یورپ کا صفایا کرنا شروع کیا تو اس کے لئے بھی یہود کو مجرم گردانا گیا۔ عیسائی عوام یہ سمجھے کہ انہوں نے اپنا انتقام لینے کے لئے یہ سازش کی ہے اور ان غیر ملکی حملہ آوروں کو دعوت دے کر بلایا ہے۔

اوہام بھی یہود کے استحصال کا وسیلہ بن گئے۔ اگر کسی کو راہ چلتے کوئی یہود ملتا اور اتفاقاً اس کے بعد اسے کوئی نقصان پہنچتا یا بیماری یا کسی عزیز کی موت کی خبر سے دوچار ہونا پڑتا تو اسے یہود کے کالے علم سے تعبیر کیا جاتا نتیجتاً بے شمار یہود زندہ جلا دیئے جاتے اور ان کے گھر بار لوٹ لئے جاتے۔ خشک سالی اور قحط پر بھی یہود کی شامت آتی۔

عیسائیوں کے طبقات میں آزاد خیالی پھیلنے لگی تو پادریوں کو خیال گزرا کہ یہ کفر یہود ہی کی عطا ہے۔ لوتھر کے پیروؤں اور عیسائیوں سے متنفر کرنے والوں کا نزلہ بھی یہود پر گرا۔ یہ وجوہ اپنی جگہ اہم سہی لیکن ان سب کے درپردہ یہود کی دولت تھی جسے حاصل کرنے کے لئے عیسائی امراء اور غریب طبقے سبھی ہم خیال ہوتے۔ اسی طرح یہودی کو مارنا پاکبازی کی دلیل، قرضے سے نجات اور لوٹ مار کا وسیلہ بن گیا۔ یہودی گروہ جان بچانے کے لئے مارے مارے پھرنے لگے۔ ان کے بھائی بند انہیں پناہ دیتے اور دوبارہ آباد کرنے کی کوشش کرتے، نتیجے میں خود بھی عیسائی دنیا کی بربریت کا نشانہ بن جاتے۔

عیسائیت کی تطہیر نے جسے تحقیقات INQUISITION کا نام دیا گیا

یہودیوں اور آزاد خیال عیسائیوں کا جو حشر کیا وہ بجائے خود ایک اہم موضوع ہے جس کے محاسبے اور مطالعے کی یہاں گنجائش نہیں لیکن اس کے نتیجہ کے طور پر یہود کی ذہنیت کو جس طرح کچل کچل کر نفرت، غم و غصہ، خفیہ سازشوں اور بے رحمی کی طرف موڑ دیا گیا۔ اس کا احاطہ بڑا ضروری ہے۔ ہم پچھلے باب میں دیکھ آئے ہیں کہ صلیبی جنگوں نے عیسائیوں میں جس جذبے کو ہوا دی اس کا ردِ عمل یہود کو برداشت کرنا پڑا لیکن صدیوں کے استحصال نے انہیں ہر اذیت کو قبول کرنے کی جو صلاحیت بخش دی تھی اس کے ساتھ یہ مادّہ بھی عطا کر دیا تھا کہ اپنے عقائد کا تحفظ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں کہ ان کی سلامتی ہی انہیں منزلِ مقصود پر پہنچانے کی ضامن تھی۔

اسلامی سپین میں یہود کی خوشحالی اور فارغ البالی کا زمانہ ان کے فکر و دانش کا سنہری دور بھی تھا۔ سات سو برس کے اس عرصہ میں انہوں نے اپنی درس گاہوں میں ان علوم و فنون کی تحصیل میں کمال حاصل کیا۔ جنہوں نے ایک طرف سادہ لوح اور بے شعور عیسائیوں کو ان سے خائف کیا اور دوسری طرف ان کے وجود کو ضروری سمجھ کر برداشت کرنے کا حوصلہ بخشا۔ یہاں

[illegible]

"ظہر" میں جمع کیا اور "قبالہ" کا نام دیا۔ تلاشِ ذات کے اس سفر میں انہیں نور و ظلمت کی دوئی کا تصور زرتشی، آتش پرستوں سے ملا تو فلاطونیوں سے تخلیق کا فلسفہ حاصل ہوا۔ فیثا غورثی فیلسوفوں سے عدد کے اسرار کی نوعیت معلوم ہوئی۔ شام اور مصر سے ناستکی رہبانیت کا پتہ چلا۔ عیسائیت کی جعلی اناجیل کے ماخذوں سے ماورائیت کا شعور ملا۔ مسلمان صوفیوں سے جزو اور کل کا ادراک اور ہندو یوگیوں سے دھیان گیان کی منزل ملی۔ وہ عبرانی ابجد کے بائیس حروف کو غیب کی زبان مان کر خلا میں گھماتے اور مختلف حروف اور شکلوں کو امکانی معانی پہنا کر رازِ حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرتے اور اس کی وساطت سے "حیات" کو سمجھتے۔ اس طرزِ فکر نے انہیں "تلمود" کے قوانین کے علاوہ ایک پراسرار مذہب کی دستگیری بھی عطا کر دی۔ چنانچہ عیسائی دنیا کے مظالم سہتے ہوئے وہ قوانین ہی نہیں ایک غیبی طاقت کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش بھی کرتے، جس کے حضور "مرگ" خود سے نکلنے اور "حیات" کل سے واصل ہونے کا نام ہے۔

"تلمود" یوں تو ۵۰۰ء میں مکمل ہو چکی تھی لیکن پوپ جسٹینین نے ۵۵۳ء میں اسے خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔ ۷۰۰ء تک اس حکم کے باوجود یہودی تلمود پڑھتے اور اس پر عمل کرتے رہے اور مسیحی چرچ خاموشی سے تماشائی بنا اسے دیکھتا رہا۔ ۱۲۳۹ء میں ایک فرانسیسی یہودی نکلسن وانین نے عیسائی مذہب قبول کیا اور تلمود کے وہ باب پوپ گریگری نہم کے حضور پیش کئے جن میں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ پر کیچڑ اچھالا گیا تھا اُس نے جمرا کے وہ جملے بھی پوپ کو سنائے جو عیسائیت کے تنقیدی جملوں کے جواب میں لکھے گئے تھے اور جن میں عیسائیت کو "حق و صداقت سے محروم" قرار دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی ثابت کیا کہ "تلمود" کی رو سے کسی بھی غیر یہودی کو دھوکہ دینا جائز ہے اور عیسائی کو قتل کرنا نیکی کا کام ہے۔ کسی غیر یہودی سے عہد معاہدہ کر کے ضرورت کے مطابق توڑ دینے کی اجازت ہے۔ کوئی غیر یہودی اگر یہود کے قوانین کا مطالعہ کرنے کی کوشش کرے تو اسے قتل کر دینا چاہئے۔

پوپ نے اس پر حکم دیا کہ "تلمود" کی تمام جلدیں جمع کر کے رانیکی یا فرانسسکن راہبوں کے حوالے کر دی جائیں اور اگر یہ الزامات ثابت ہوں تو انہیں جلا دیا جائے۔ فرانس میں لوئی نہم نے حکم دیا کہ تلمود کی تمام جلدیں اکٹھی کر کے دربار میں پیش کی جائیں اور یہودی علماء اپنے نمائندے اس عدالت میں بھیج کر اپنی بے گناہی پر جرح کریں۔ تین دن کی عدالتی تحقیقات کے بعد الزامات ثابت ہو گئے اور ۱۲۴۰ء میں تلمود کی تمام جلدیں جلانے کا حکم دیا گیا۔ ایک آرچ بشپ نے ان کتابوں کو محفوظ کرنے کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی لیکن وہ چند دن بعد وفات پا گیا جو سارے فرانس میں "غضب الٰہی" سے تعبیر کیا گیا چنانچہ لوئی کے حکم سے تمام تلمود کے تمام نسخے

اکٹھے کئے گئے اور ان سے لدی ہوئی ۲۴ گاڑیاں پیرس میں جمع کر کے نذرِ آتش کر دی گئی تلمود کا یہی حشر سپین میں ۱۲۶۳ء میں عمل میں لایا گیا۔

سولھویں صدی میں جرمنی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا یہودی جو پرتگال فرانس اور انگلستان سے نکالے جا چکے تھے جرمنی میں پناہ گزین ہوئے لیکن یہاں بھی انہیں چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا عیسائی عوام میں ان کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکتی رہی۔ کولون سے انہیں ۱۴۲۶ء میں نکالا جا چکا تھا یہاں سے وہ فرینکفرٹ میں جمع ہوئے۔ آگزبرگ' نیورمبرگ اور علم سے بھی یہود کو دھکیل دیا گیا لیکن جہاں جہاں انہیں تنگ و تاریک کوٹھریوں میں رہنے کی اجازت ملی وہ شہروں میں مضحکہ خیز لباس اور لمبی لمبی ٹوپیوں کی وجہ سے پہچانے جاتے اور بچوں کے پتھروں کے نشانے بنتے۔ جرمنی میں داڑھی شرافت اور عالی نسبی کی علامت تھی' اس لئے یہودیوں کو داڑھی رکھنے کی اجازت نہ تھی وہ گرجوں کے قریب نہ پھٹک سکتے ان کے لئے عیسائی بچوں سے بات کرنا ممنوع تھا کہ کہیں وہ انہیں اپنے تعصبات کا زہر نہ پلا دیں۔ سب سے بڑا عذاب اُن کے لئے یہ تھا کہ وہ شہر کے وسط میں ایک چھوٹے سے رقبے میں رہنے پر مجبور تھے۔ جہاں ان کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی چنانچہ ان کو کبوتروں کے سے دڑبوں میں رہنا پڑتا۔ جہاں سورج کی کرنیں اور ہوا بھی بمشکل تمام پہنچ پاتی یہ دڑبے ایک دوسرے پر بلند ہوتے جاتے یہاں تک کہ تنگ و تاریک گلیوں سے آسمان تک نظر نہ آتا ان غریبوں کا دم گھٹتا اور ان کے بچے کھیلنے کو ترستے' ان کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکانے کے لئے بالعموم ہر گرجے کے باہر ایک معصوم بچے کی تصویر آویزاں ہوتی جو اس بات کی علامت تھی کہ یہود ایسے بچے قتل کر دیتے ہیں اور اس جرم کی پاداش میں ان کی آبادیاں ختم کر دی جاتی ہیں۔ سارے جرمنی میں کہیں بھی یہودیوں کو عیسائیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے' کھیتوں میں کاشت کاری کرنے یا کوئی اور صنعت و حرفت اختیار کرنے کی اجازت نہ تھی۔ شہر کے ہر طبقے کے عیسائی ان سے قرضے حاصل کرتے ہاں اگر واپسی کے امکانات معدوم ہوتے تو جتھے کی شکل میں ان کی بستیوں پر حملہ بول دیا جاتا بعض یہودی قتل کر دیئے جاتے اور پھر وہی مصنوعی امن و امان قائم ہو جاتا

تجربے نے عیسائیوں پر یہ حقیقت کھول دی تھی کہ یہودی اپنا مذہب تبدیل نہیں کرتا اس سلسلے میں جرمنوں کا خیال تھا کہ جرمن یہود چوزے کی بیٹ ہیں جو نکلتے ہوئے گرم ہوتی ہے لیکن زمین پر پڑتے ہی ٹھنڈی ہو جاتی ہے' اس لئے کوئی انہیں عیسائی بننے کی تلقین نہ کرتا۔ ویسے بھی جرمن یہود اس قدر قابلِ رحم حالت میں تھے کہ ان سے عبرت تو حاصل کی جا سکتی تھی لیکن وہ عیسائیت میں داخل ہو کر بھی کوئی گراں قدر کردار ادا کرنے کے قابل نہ رہے تھے' اس صورتحال سے مجبور ہو کر 1517ء میں مارٹن لوتھر نے پوپ اور عیسائیت کیخلاف بغاوت کا جھنڈا اٹھایا کچھ

عرصے تک تو یہود اس کی تبلیغ کا تماشہ دیکھتے رہے لیکن جب ۱۵۲۳ء میں اس نے ایک پمفلٹ یہود کی حالتِ زار کے بارے میں شائع کیا جس میں یہود کی حالت زار کا رونا روتے ہوئے اس نے رقم کیا:

"ہمارے پادری، بشپ، راہب اور عیسائی عوام نے یہود کے خلاف احمقانہ اور غیر انسانی رویہ اختیار کر رکھا ہے جسے دیکھ کر کوئی شخص یہودی مذہب تو اختیار کر سکتا ہے لیکن عیسائیت قبول نہیں کر سکتا لیکن اگر میں یہودی ہوتا اور دیکھتا کہ کیسے کیسے احمق اور ذلیل لوگ عیسائی دنیا پر حکومت کرتے ہیں تو میں عیسائی بننے کے بجائے سؤر بننا گوارا کر لیتا ان لوگوں نے یہود کے ساتھ کتّوں سے بھی بدتر سلوک کیا ہے حالانکہ یہود ہمارے مسیحؑ کے عزیز و اقارب بھی ہیں اور خون کے رشتے سے ہمارے بھائی بھی ہوتے ہیں اگر ہم قومیت اور حسب و نسب کی خوبیوں پر فخر کرتے ہیں تو پھر ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ مسیحؑ ہماری نسبت ان سے قریب تر ہے۔ خدا نے کسی قوم کو اس قوم کے ماسوائے مسیحؑ کے پیغام کا اہل نہیں ٹھہرایا...... اس لئے میں اپنے بھائیوں سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ ان لوگوں سے رواداری برتیں۔ جب تک ہم ان پر ظلم روا رکھتے رہیں گے۔ ان پر جھوٹ اور بہتان باندھتے رہیں گے، جب تک ہم انہیں تجارت اور کام کاج سے محروم رکھیں گے اور باہمی میل جول پر پابندی عائد کریں گے، جب تک ہم انہیں سودی کاروبار اختیار کرنے پر مجبور کریں گے، ہم ان کے دلوں کو نہیں جیت سکتے ہم انہیں بہتر شہری نہیں بنا سکتے۔ اگر ہم ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم مسیحیؑ محبت سے کام لیں اور پوپ کے قوانین سے منہ موڑ لیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔ انہیں کاروبار مہیا کریں۔ ان سے دوستانہ فضا میں ملیں تاکہ یہ لوگ ہمارے بن جائیں اور ہمارے ساتھ ساتھ آگے بڑھیں۔

مارٹن لوتھر کے یہ الفاظ ڈیڑھ ہزار سال کے استحصال کے بعد عیسائی دنیا میں ایک نئی آواز بن کر ابھرے لیکن یہود کچی گولیاں نہ کھیلے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان الفاظ کے پیچھے یہود کی محبت کا جذبہ کارفرما نہ تھا بلکہ ان کے نزدیک لوتھر انہیں اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ پوپ اور پادریوں کے خلاف کامیاب ہو گیا اور اپنا جداگانہ مکتبِ فکر قائم کر سکا تو اس کا پہلا مطالبہ یہ ہو گا کہ یہود اس کے فرقے میں شامل ہو جائیں ورنہ......

جرمن یہودیوں میں اگرچہ کچھ دیر تک لوتھر کے ان اقوال کے بارے میں بحث ہوتی رہی لیکن کسی کو شبہ نہ تھا کہ بالآخر لوتھر کے پیرو بھی ان کے ساتھ وہی کچھ کریں گے جو پوپ کے پیروکار کرتے آئے ہیں۔ عیسائی پادری انہیں اپنے مظالم کا شکار تو کرتے ہی تھے۔ ان سے حلف لینے کا بھی انہوں نے عجب انداز نکالا تھا۔ یہود ننگے پاؤں سؤر کی کھال پر کھڑے ہو کر یہ حلف اٹھاتے۔

"اگر میں جھوٹ بولوں تو خنزیر کی یہ خون آلود کھال میرے جسم سے لپٹ جائے اگر میں جھوٹ بولوں اس کا گوشت میری ماں کا گلا گھونٹ دے اگر میں جھوٹ بولوں تو اس سؤر کا سر میری بیٹی کا سر بن جائے اور اگر میں سچ نہ بولوں تو اس سؤر کا خون تین پشت تک میرے بچوں کی پیشانیوں پر جھلکتا رہے۔"

یہی نہیں اسے یہ اقرار بھی کرنا پڑتا تھا کہ

"میں وہ نجس یہودی ہوں کہ جس کے آباؤ اجداد نے سچے مسیحاؑ کو صلیب پر چڑھایا تھا' میں آوارہ ہوں' میرا کوئی گھر نہیں' کوئی وطن نہیں سوائے اس کے جو چرچ کی مہربانی سے نصیب ہوا۔ میں ذلیل ہوں اور تمام بنی نوع انسان کی ذلت کا باعث ہی نہیں اس کی تباہی کا سامان بھی ہوں۔ میں کنویں کے پانی میں زہر ملاتا ہوں' طاعون پھیلاتا ہوں اور عیسائی بچوں کا خون بہانے کے لئے قتل روا رکھتا ہوں' میری عورتیں کسبیاں ہیں اور میرا انجام دائمی جہنم ہے کہ میں چرچ اور تمام عیسائیوں کا دشمن ہوں۔"

الامان یہ وہ عیسائی ہیں جو ہمیشہ سے مسلمان کو تنگ نظر اور الزام دیتے آئے ہیں اور آج بھی تمام عالم میں اپنی آزاد خیالی کا خراج وصول کرتے ہیں۔ مارٹن لوتھر ۱۵۲۳ء سے ۱۵۴۳ء یعنی بیس برس تک یہودیوں کے حق میں بیانات دیتا رہا لیکن جب یہود نے کسی طور پر ان کا ساتھ نہ دیا اور عیسائیوں نے بھی اس کی یہود نوازی سے بیزاری کا اظہار کیا تو اس کی اصلیت کھل کر سامنے آ گئی اور اس نے یہود کو "کنوؤں میں زہر ڈالنے والے' عیسائی بچوں کے قاتل' پلیگ پھیلانے والے اور کالے جادو سے کام نکالنے والے" کا خطاب دیا۔ اس نے لکھا کہ یہودی بنکار عیسائی عوام کا خون چوستے ہیں اور یہودی ڈاکٹر عیسائی مریض ہلاک کر دیتے ہیں۔ کنیاؤں کا تباہ کرنا عیسائیوں کا مذہبی فریضہ ہے کہ ابتدائی دور میں عیسائیوں کو اپنی کنیساؤں میں ذلیل کیا گیا تھا تو وہ جہاں کہیں ملے اسے جُلا دیا جائے۔ یہودیوں کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے اور انہیں خانہ بدوشوں کی طرح کھلے آسمان کے نیچے رہنے پر مجبور کر دیا جائے اور اگر یہود نے ایک خدا کی بجائے تین خداؤں کے وجود کو تسلیم نہ کیا تو میں ان کی زبان اکھاڑ کر باہر پھینکوں گا...... میں ہر خدا ترس عیسائی سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ انہیں ہانک کر اپنے وطن سے باہر نکال دے اور اپنی ارض مقدس کو ان کے وجود سے پاک کر دے۔

یہ الفاظ بھی اسی لوتھر کے تھے جس نے چند برس قبل یہود کی حمایت میں پہلی دفعہ زبان کھولی تھی لیکن جو مقبولیت ان الفاظ کو نصیب ہوئی اور جس انداز سے سابقہ الفاظ فراموش ہوئے۔ عیسائی ذہن کا ایک ایسا شاہکار ہے جو ان کی ذہنیت کی پستی کو پوری طرح اجاگر کر دیتا ہے۔ لوتھر کے یہ الفاظ [illegible]

قہر" بن کر ٹوٹتے رہے۔

عیسائی دنیا میں جب انہیں کہیں جائے اماں نہ ملی تو انہیں پتہ چلا کہ عظیم ترک کی مملکت میں غریب سے غریب یہودی بھی امن و سکون کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ قسطنطنیہ میں کسی شے کی کمی نہیں اور اس کا شمار دنیا کے عظیم ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ یہودیوں کو اپنی مرضی کے مطابق لباس پہننے اور رہنے سہنے کی آزادی ہے اور انکے بچوں کو گلیوں میں کھیلنے اور چلنے پھرنے کی کھلی اجازت ہے یہود نے عالی شان کنیسا تعمیر کئے ہیں اور ایک یہودی خود سلطان کے مشیروں میں شامل ہے۔

یہ خبر جرمنی کے یہود میں آگ کی طرح پھیلی اور انہوں نے ایک ایک کر کے کوچ کرنا شروع کر دیا لیکن راستے میں عیسائی انہیں لوٹ لیتے' ان کی عورتوں کی بے حرمتی کرتے اور ان کے مردوں کو قتل کر دیتے۔

مارٹن لوتھر نے جرمنی میں پوپ کے اقتدار کا خاتمہ کیا انگلستان میں بھی اس کا عمل دخل مٹ گیا اگرچہ اس کی وجوہ وہ نہیں تھیں جن کی بنا پر لوتھر نے پوپ کو ہدف ملامت ٹھہرایا تھا یورپ کے دوسرے علاقوں میں بھی اس کی حیثیت ختم ہو گئی یہاں تک کہ وہ شاہ فرانس کی بساط کا مہرہ بن کے رہ گیا، لوتھر اور کالون نے جن عقائد کی ترویج کی' ان کے مبلغ عیسیٰ ؑ کی پاکبازی اور صداقت کا نمونہ بننے کے بجائے ان عوام سے بھی گئے گزرے ہو گئے جن کی اصلاح کے لئے وہ گاؤں گاؤں اور قصبہ قصبہ پھرا کرتے تھے۔ وانتے نے اٹلی میں اور وائکلف نے انگلستان میں عیسائیت کے مظالم کا رونا رویا لیکن کوئی نہ تھا جو بے بس و بے حال عیسائیوں کے آنکھوں کے آنسو خشک کرتا اور اگر کوئی ہوتا بھی تو ان کے دلوں کی حالت کا اندازہ کون لگاتا۔

صلیبی جنگوں نے یورپ کو عیسائیت کے نام پر ایک کیا تھا پادریوں اور راہبوں نے اسے پھر سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مغرب کے دو بڑے عیسائی ملک صد سالہ جنگ کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئے۔ ان کی خود غرضی اور مفاد پرستی نے انہیں لاچار و نامراد کیا اور وہ پھر یہودی سود خوروں کے محتاج ہو گئے۔

1356ء میں فرانس کے بادشاہ جان دوئم کو پوائیٹرز کے مقام پر انگریزوں نے گرفتار کر لیا۔ اس کی رہائی کے لئے انگریزوں نے اتنی رقم مانگی کہ انہیں 1361ء میں یہودیوں سے قرض لینا پڑا اور انہیں بیس سال کا اجازت نامہ دینا پڑا جس کی رو سے انہیں مفلوک الحال عوام سے دگنی شرح کا سود لینے کا حق دیا گیا۔ لوگوں نے اس پر زبردست ہنگامہ برپا کیا۔ جان کا 1364ء میں لندن ہی میں انتقال ہوا لیکن تین برس تک فرانسیسی حکمران نے یہود کو عوام سے سود وصول کرنے اور حکومت کی جیب گرم کرنے کی کھلی

انہیں عیسائیت یا موت قبول کرنے کی پیشکش کی۔ ہزاروں نے عیسائیت قبول کی' سینکڑوں نے موت کو ترجیح دی اور اس طرح فرانس کے تمام شہروں کی گلیاں' ہلاکت اور تباہی کا نمونہ بن گئیں لیکن ان سے پوپ کا اقتدار بحال ہو گیا۔

یورپ کی دوسری حکومتیں بھی چرچ کی حمایت کے بغیر طاقت برقرار رکھنے میں مشکل محسوس کرتی تھیں۔ چنانچہ جرمنی میں 1194ء میں چرچ کے باغیوں کو سخت سزا دینے اور ان کی جائیدادیں چھین لینے کا حکم دیا گیا۔ فرانس میں 1226ء میں اس کی توثیق کی گئی۔ فلورنس اور میلان میں 1227ء میں اس کا نفاذ ہو گیا۔ ہر جگہ آزاد خیالوں کو چرچ کے حوالے کرنے کا اعلان ہوا۔ ان کی جائیدادیں ضبط ہوئیں۔ ان کی اولاد وراثت سے محروم ہوئی اور سرکاری ملازمتوں کے دروازے ان پر بند کئے گئے۔ باغیوں کے گھر تباہ کر دیئے گئے ان کی دوبارہ تعمیر ناجائز قرار دی گئی۔ اس طرح ظلم و تشدد کا وہ دور دورہ ہوا جس کی مثال انسانی تاریخ میں ناپید ہے۔ عیسائی حلم کے علمبرداروں نے عیسیٰؑ کے نام پر عیسائیت کے تحفظ اور خدا کی خوشنودی کے لئے اپنے بھائیوں' ہم وطنوں اور چرچ سے پاکبازی کا مطالبہ کرنے والوں کی ہلاکت اور بربادی کا بیڑا اٹھایا اور بربریت کی تمام مثالیں ماند کر دیں۔ سپین میں سترہ برس کے عرصے میں ایک لاکھ بیس ہزار نفوس ہلاک کئے گئے۔ 1541ء تک یہودیت کا اقرار کرنے والے صرف ملک بدر کئے جاتے تھے لیکن اب عیسائی بھی جن کے آباء و اجداد کبھی یہودی تھے زندہ جلائے جانے لگے۔ آٹھ ہزار خاندان یوں ختم کئے گئے جن میں چھ ہزار ایسے عیسائی تھے جن کے خاندانوں کو عیسائیت قبول کئے تین تین سو برس ہو چکے تھے۔ سات سال کے عرصے میں 63 پادری' 17 کنواریاں جنہوں نے خود کو چرچ کے لئے وقف کر دیا تھا' 30 راہب' دو بشپ اور سات مبلغ بھی اسی ظلم کا شکار ہوئے۔

بغاوت کا اعتراف کرانے کا طریقہ بڑا اذیت ناک تھا۔ ملزم تجربہ کار ظالموں کے حوالے کر دیئے جاتے' جن کی مدد کے لئے ایک پادری اور ایک ڈاکٹر بھی موجود رہتے یہ دونوں ملزم کو سزا کے دوران مرنے سے بچاتے' جرم کا اعتراف کرانے کے لئے ملزم کی صحت کا جائزہ لینے کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں پیٹھ پر باندھ دیئے جاتے۔ جملہ لباس اتار لیا جاتا' ملزم کے ٹخنوں سے دس سیر کا وزن باندھ دیا جاتا پھر رسیوں کے ذریعے چالیس فٹ کی بلندی پر گھنٹہ بھر کے لئے لٹکا دیا جاتا اگر ملزم اس "حسنِ سلوک" سے اقرار کر لیتا تو اسے زندہ جلانے کے لئے لے جاتے ورنہ اسے ایک دم ڈھیلا کر کے چھوڑا جاتا اس سے اس کے ٹخنے ٹوٹ جاتے اور بازو ٹل جاتے اور اگر وہ اب بھی اقرار نہ کرتا تو اس کے جسم کا ایک ایک عضو اس "صفائی" سے توڑا جاتا کہ جان نہ نکلنے پائے اس طرح بازو' ٹانگیں' کمر کی ہڈی' ٹخنے' گھٹنے' سبھی الگ الگ ہو جاتے۔ اس ناقابلِ برداشت اذیت سے ملزم بے ہوش ہو جاتا تو اسی حالت میں پڑا رہتا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس سے دوبارہ اقرار لیا جاتا اگر وہ اب بھی نہ مانتا تو اس کی ناک کو بند کر کے حلق میں چھ جگ پانی انڈیلا جاتا پھر پانی سے پھولے ہوئے پیٹ کو چھ ہاتھ جھٹکے دیتے یہاں تک کہ آنتیں منہ کو آنے لگتیں اور آنکھیں ابل پڑتیں۔ پھر اس کے گلے میں چیتھڑا ٹھونس کر گھونسے مارے جاتے یہاں تک کہ سینے

سے خون بر آمد ہو جاتا۔ اگر بد نصیب ملزم اس کے باوجود اقرار نہ کرتا تو اس کی ایڑیوں پر تیل کالی مرچ اور لونگ کا مرہم لگا کر جلاتے، بڑے بڑے چھالے پڑ جاتے تھے لیکن عیسیٰؑ کے ماننے والے اسے مارنے کا حق نہیں رکھتے تھے اس لئے وہ زندہ رکھا جاتا تھا کہ سب کے سامنے نذرِ آتش کیا جا سکے۔

یہ اذیت عیسائیوں کے لئے نہ تھی کہ وہ پوپ پر دوبارہ ایمان لے آتے اور معمولی سزاؤں کے بعد چھوڑ دیئے جاتے، یا انکار کر کے زندہ جلا دیئے جاتے۔ یہ سزا یہود کے لئے تھی جو اگر عیسائی ہونے کا دعویٰ بھی کرتے، تو یہودیوں کی اولاد ہونے کے ناطے پھر دھر لئے جاتے اور تمام ہولناکیوں کے بعد موت سے ہمکنار کئے جاتے۔

عیسائیت کی تطہیر کے لئے یہ مظالم بڑے کار آمد ثابت ہوئے۔ نئے مذاہب اور جھوٹے نبی یکسر غائب ہو گئے۔ پوپ کے عقائد سارے یورپ پر چھا گئے لیکن پوپ خود حکمرانوں کا آلۂ کار بن کر رہ گیا اور اس کا وقار ثانوی حیثیت اختیار کر گیا جسے مارٹن لوتھر نے پراٹسٹنٹ عقیدے کی ترویج کے بعد خاک میں ملا دیا۔ تمام ممالک کے بادشاہ اپنے اقتدار کے لئے پوپ اور چرچ کے تسلط سے آزاد ہو گئے۔ بظاہر یہودیت کو اس دور میں شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور ان کا وجود ترکی اور پولینڈ کے سوا یورپ کے ہر علاقے میں برائے نام رہ گیا۔ ان کی زندگی موت سے بدتر کر دی گئی لیکن پاپائیت کی تذلیل ان کی کامیابی کا اہم زینہ تھی جسے ان سے براہِ راست منسوب کرنا مشکل نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں پاپائیت کی شکست صرف انہی کی فتح ثابت ہوئی۔ یورپ میں پوپ کا زوال عیسائیت کے زوال کا پیش خیمہ تھا۔ اس کے بعد آزاد خیالی، انقلابات، مادی ترقی، دوسرے علاقوں کی فتوحات اور علوم و فنون کا ارتقاء شروع ہوا جو کہنے کو بے حد معرکہ انگیز اور حیرت خیز ہے لیکن جس کی قیمت وہ صدق و صفا، وہ جذبۂ ایمان اور وہ نورِ دل ہے جس کا چراغ گل ہونے کے بعد خدا سے انکار، مسیحؑ سے انکار، عقبیٰ سے انکار اور ان اقدارِ اعلیٰ سے انکار ہو تا گیا جو انسان کو حیوان سے ممیز کر کے اشرف المخلوقات بناتی ہیں اور جنہیں کھو کر مادیت نے اشتراکیت اور مسیحیت نے جمہوریت کے ایسے بت تراشے جن کو حرکت دینے والی ڈوری کا سرا یہودی فکر و دانش اور سرمائے کے ہاتھوں میں چلا گیا اور جن کی بدولت یہود عالمی حکومت اور ذاتی عظمت کے صدیوں پرانے خواب شرمندۂ تعبیر کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ کیا خبر تاریخ کب یہود کے اس کارنامے کا پردہ اٹھا کر ان کی زبردست سازش کی حقیقت پہچان سکے اور کب فلسفی اور مؤرخ سرمائے اور مادیت کے موجودہ دور کی شاندار ترقی میں دنیا کے خوفناک تنزل کی اصلیت بر آمد کر سکیں۔

سنبھالتے۔ یہ ہڈی جب ٹوٹی تو بادشاہوں کے محل ریت کے گھروندوں کی طرح بیٹھ گئے۔

پوپ اور پادری بائبل اور عیسیٰؑ کو اپنی میراث بنائے ہوئے تھے عوام کی جہالت ان کا راس المال تھی۔ نئی دنیا کی دریافت اور چھاپہ خانوں کی ایجاد نے چرچ سے یہ ورثہ اور سرمایہ چھین لیا۔ تعلیم عام ہونے لگی۔ بائبل چھپ کر عوام کے ہاتھوں میں پہنچنے لگی۔ جہالت کے پردے اٹھنے لگے۔ پاپائیت کا مسخ شدہ بھیانک چہرہ اشتہار کی طرح پھیل گیا اور وہ عقائد جنہوں نے صدیوں تک یورپی عیسائیوں کے دلوں پر قبضہ جما رکھا تھا بھک سے اڑ گئے۔ بادشاہ خدا اور پوپ کی گرفت سے آزاد تھا۔ عوام بادشاہ، پوپ اور عقائد کی گرفت سے نجات پانے لگے۔ بغاوت دلوں میں کروٹ لینے لگی۔ فرانس میں والٹیئر نے چرچ کا حلیہ بگاڑ دیا۔ روسو نے بادشاہت کو پیروں تلے روندنے کے لئے "فطرت کے آئین" کو حکومت بخش دی۔ سپین کے مسلمانوں نے فرانس کے دروازے پر دستک دے کر "مساوات" "اخوت" اور "حریت" کی خیرات بانٹی تھی۔ اب یہی نئے انقلاب کی اساس بنی اور آہستہ آہستہ ان بیجوں کے بارآور شجر سارے فرانس پر اپنی چھتر چھایا پھیلانے لگے۔

خدا، مریمؑ اور عیسیٰؑ کی جگہ اخوت، مساوات اور حریت کی تثلیث نے لے لی اور اس کا عقیدہ دلوں میں دھڑکن سے قریب تر ہو گیا۔ دکھوں اور فاقوں کی جلاوطنی کے مارے ہوئے عوام کو آزادیٔ وطن نے آواز دی۔ صدیوں پرانی زنجیریں ٹوٹیں، عوام نے پہلی بار محسوس کیا کہ وہ بھی انسان ہیں چوپائے نہیں۔ وہ بھی دو پیروں پر چل سکتے ہیں بلکہ دوڑ سکتے ہیں اپنے قوانین خود مرتب کر سکتے ہیں۔ بلکہ ساری دنیا کو شعورِ حیات بخش سکتے ہیں' اس انقلاب نے انقلابات کی جوت اس طرح جگائی کہ سارے یورپ میں چراغاں ہو گیا۔ بادشاہوں کے سر کوزوں کی طرح لڑھکنے لگے۔ امارتیں تنکے چننے لگیں۔ غلام برآوردہ ہو گئے۔ یورپ آزاد ہو گیا۔ پاپائیت سے، چرچ سے، بادشاہت سے، امارت سے، حتیٰ کہ عیسائیت سے بھی۔ اور اس کے پہاڑ اور میدان علومِ عالم کے لئے ایسا نشیب بن گئے جن میں دنیا بھر کا فکر بہہ بہہ کر جمع ہونے لگا۔ افلاطون اور ارسطو کی فکر دوبارہ زندہ ہوئی۔

عیسیٰؑ کا نام محض ایک فریب بن گیا۔ جسے غلام ملکوں کو مطیع کرنے کے لئے استعمال کیا جانے لگا' اور رفتہ رفتہ اس کی اہمیت دساور بھیج کر زرِ مبادلہ کمانے تک محدود ہو کر رہ گئی۔ ان کے عظیم الشان گرجے گھنٹے بجاتے اور ان کے بت گرجے کے ساحرانہ اندھیرے میں گھورتے جہاں انہیں کچھ دکھائی نہ دیتا۔ امریکہ نے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا اور یورپی اقتدار نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ اپنا دامن سمیٹ لے' اور ان جلاوطن فرزندوں کو بھول جائے۔ جنہوں نے امریکہ کی مٹی سے اپنا خمیر اٹھا کر اپنا نیا مزاج رائج کیا اور پھر یورپ ہی کے مقابلے میں اٹھ کر اس کی رگِ جاں پر ہاتھ رکھ دیا۔

یہ فضا یہود کے لئے گنج باد آورد تھی۔ عیسائیت کے دام سے نکلتا ہوا یورپ بادشاہت کا پردۂ فریب چاک کرتا ہوا یورپ، عالمی سیاست اور سیادت کا علمبردار یورپ، باہمی جنگ و جدال کا اکھاڑہ یورپ، علوم و فنون کا مخزن یورپ، یورپ، جہاں عیسیٰؑ کے حواری اپنا طلسم کھو چکے تھے' جہاں تجارت، دولت اور

عقل ودانش کا جال بچھ چکا تھا۔ اسی دن کا انتظار تھا یہود کو۔ رفتہ رفتہ وہ اس کے جسم میں سرایت کرنے لگے' اس کے فکر میں اپنی صدیوں کی گھٹی ہوئی "کچلی ہوئی ذہنیت کا زہر گھولنے لگے۔ اسے لادین شعور کم' رقص ونشاط' آوارگی وبے راہروی اور پیسے کی دوڑ میں اس طرح ہلکان کرنے لگے کہ اس کی آنکھ کھلنے بھی نہ پائی تھی' ابھی وہ اٹھ کر سنبھلنے بھی نہ پایا تھا' ابھی اسے زندگی کا ہوش بھی نہ آیا تھا کہ انسانیت کی اقدار ہی سے محروم ہو گیا۔ لیکن یہ سب کچھ اس انداز سے ہوا کہ آج تک یورپی مؤرخ اس کی معنویت ہی سے بے بہرہ ہے۔

سولھویں صدی میں یہود نے اٹلی اور ہالینڈ میں اپنی بینکاری کا سکہ رائج کر دیا۔ تجارت کا فروغ حقیقی معنوں میں بینکاری کا فروغ تھا اور یہود کو تجارت اور بینکاری دونوں میں یدِطولیٰ حاصل تھا۔ یورپی ممالک علم کی تلاش میں نکلے تو ان کی توجہ اس مذہبی سرمائے کی طرف منعطف ہوئی' جو عبرانی زبان میں محفوظ تھا۔ اس کے لئے یہود سے رجوع کرنا لابدی تھا۔ چنانچہ یہودی ربّی نہ صرف علم دوست عوام کو عبرانی کی تعلیم دینے لگے بلکہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ پادری بھی ان کے شاگرد بن گئے۔ اب وہ نہایت آسانی سے عیسائیوں میں اپنے دیرینہ عقائد سے بدظنی اور یہودی مذہب کی بالادستی کو ثابت کر سکتے تھے۔ عیسائی علماء میں بھی وہ جماعت ابھرنے لگی جو یہودیوں پر صدیوں کے مظالم اور عیسائیت کے تعصبات کو کراہیت کی نظر سے دیکھنے لگی۔ اس فضا کو ہموار کرنے کے بعد یہودیوں نے اپنی حمایت میں کتابیں لکھنی شروع کر دیں۔ انہوں نے عیسائیوں کے بنیادی مفروضات میں اصلاح کے لئے بھی قدم اٹھائے اور نامور عیسائی مبلّغوں سے اہم رقومات پر خط وکتابت اور مباحث کی وضاحت کر کے "علم کے جویا" عوام کو اپنی خود نوشتہ تصانیف مہیّا کیں۔

1706ء میں انگلستان میں بھی عیسائیوں کی بدظنی کو دور کرنے کے لئے آئزک ابندانہ نے ایک کتاب شائع کی' جس کا نام "یہودیوں کی شہری اور دینی سیاست پر بحث" تھا۔ اس قسم کی اور کتابیں یورپ کی مختلف زبانوں میں بھی طبع ہو کر مقبول ہوئیں۔ ظاہر ہے اس کا ردِّعمل بھی ہونا تھا۔ عیسائی مفکرین نے اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس نوع کی دو کتابیں "شیطان کے اگنی بان THE FIERY DARTS OF SATAN" اور "یہودیت بے نقاب" JUDAISM UNCOVERED فرینکفرٹ میں شائع ہوئیں۔ پہلی میں یہود کے مذہبی عقائد کا جائزہ لیا گیا تھا اور دوسری میں عیسائیت کو زک پہنچانے کے لئے ان کے اقدامات کا احاطہ کیا گیا تھا۔

یہود نے "یہودیت بے نقاب" کو جرمنی میں عام ہونے سے بچانے کے لئے ایسے ایسے حربے استعمال کئے کہ جرمن عوام مدتوں اس کے وجود ہی سے بے خبر رہے۔ بالآخر یہ کتاب پروشیا میں شائع ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچی۔ اب یہودیت موضوعِ بحث ہو گئی۔ اب انگلستان' فرانس' جرمنی اور اٹلی میں ان کے مذاہب' قائد' اندازِ فکر اور طرزِ زندگی پر بڑی اہم کتابیں لکھی گئیں۔ جان سپنسر نے کیمرج میں

مذاہبِ عالم کے تقابلی مطالعے کی بنیاد رکھی اور یہود کے اعتقادات کو واضح کیا۔ ایک ولندیزی سفیر بانیج نے "یہودی ماقبل عیسیٰؑ" کے نام سے ان کی تاریخ مرتب کی' جو آج بھی بڑی دلچسپی کی حامل ہے۔

بیدار ہوتے ہوئے بھی یورپ کی تشنگی کے لئے دولت اور علم کی تلاش میں آبِ حیات کی جستجو تھی۔ جس کے سرچشموں پر یہودیوں کے پہرے تھے۔ انہوں نے ایسی معصومیت اور سادگی سے ان میں زہر ملانا شروع کیا کہ انجان عوام علم کے نام پر سبھی کچھ پی گئے۔ یہودیوں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا۔ انہیں تجارت اور سرمایہ کاری نے دیس دیس کی خبر اور زبان پر دسترس دی تھی۔ وہ صدیوں سے " مثنا " اور تلمود کا مطالعہ کرتے ہوئے بحث' جرح اور بال کی کھال اتارنے کے ماہر ہو چکے تھے۔ طب کا علم انہوں نے مخصوص کر رکھا تھا چنانچہ سائنس اور مشین کے ابھرنے کے ساتھ ساتھ وہ بھی ابھرتے چلے گئے اور ان کے وسیلے سے عیسائی یورپ میں بیہودہ خیالات بھی رواج پا گئے۔ جو آزاد خیالی' مذہب سے بیزاری اور رواداری نے جائز ٹھہراتے ہوئے ان کے زیرِ اثر عدلیہ میں انصاف کی جگہ وکیل کا حسنِ خطابت اور عیّارانہ نکتہ آفرینی نے لے لی۔ صداقت کے بدلے دلیل کی مقبولیت معزز ہو گئی۔ شرافت اور نجابت اور علمیت کا مقام دولت کی چمک دمک سے سمجھا جانے لگا۔ غرض انسانیت کی تمام اقدار مقصد براری کی دہلیز پر سجدہ ریز ہو گئیں اور علم سے مراد وہ مواد ہو گیا' جو عظمتِ حیات کے بجائے عظمتِ ذات کا اشتہار بن گیا۔ صدیوں کے تجسس سے یہود نے یہی کچھ حاصل کیا تھا اور انہوں نے اسی کو یورپ کی درسگاہوں کا مقصود بنا دیا۔ جن کے فارغ التحصیل نوجوان زندہ کو مادّے کے پیمانے سے ناپنے لگے' خدا' عیسیٰؑ اور چرچ کی تثلیث عقل کی میزان میں تولی گئی اور جب کامیابی نہ ہوئی تو وہ ان تینوں سے منحرف ہو گئے۔

جہاں تک یہود کا تعلق ہے وہ یورپ کی چمک دمک سے ذرّہ برابر بھی متاثر نہ ہوئے۔ انہوں نے تلمود کے قوانین کو مکڑی کے جالے کی طرح اپنے گرد وپیش بن رکھا تھا۔ جس سے نکلنے کا مطلب خود یہودیت ہی سے تائب ہونا تھا اور وہ اس کے لئے کبھی تیار نہ تھے۔ انہوں نے زندگی بھر تمام ظلم اسی دن کے لئے سہے تھے جب یورپ' بادشاہت' پاپائیت' چرچ' جہالت اور ان سب سے پیدا ہونے والی عصبیت سے نکل کر جھوٹی اقدار اور مصنوعی چکاچوند کے فریب میں گرفتار ہو گا اور وہ اس پر اپنے مفروضات مسلط کر کے من مانی کر سکیں گے۔ یہود کا وعدہ پورا ہو گا۔ وہ دنیا میں خدا کی بادشاہت پھیلائیں گے اور یروشلم کو نافِ زمیں بنا کر ساری دنیا کو اس کے گرد گھومنے پر مجبور کر دیں گے۔ انہوں نے جب یورپ کی سرزمین پر قدم رکھا تھا تو اس پر روم کی اجارہ داری تھی' روم کی حکومت' اس کا فکر' اس کا مذہبی شعور' اس کا نظام اقدار و روایات رائج تھا۔ یہود کے ساتھ عیسائیت داخل ہو گئی اور عیسائیت کے ساتھ پاپائیت کا مقام ابھرتا گیا۔ ایک نیا مذہب' ایک نئی تہذیب' ایک نیا اتحاد لیکن پاپائیت نے جہاں عوام کو ایک فکری ربط بخشا' وہاں ان پر ایک سیاسی غلبہ بھی نافذ کیا' جو اپنی ذات میں خالصتاً علاقائی تھا' اور جس نے سارے یورپ کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ بادشاہتیں اپنے ساتھ امراء اور جاگیرداری کا پھندا لگالائیں" جسے پوپ کی تائید

حاصل تھی۔ اب یورپ پر بادشاہ، چرچ اور جاگیرداری کا قبضہ تھا اور یہود ان کی چکی میں پسنے کے لئے رہ گئے تھے۔ سات آٹھ سو سال کے عرصے میں انہیں اگر کہیں سانس لینے کی فضا میں دن گزارنا نصیب ہوئے تو وہ سپین کے ملک میں، وہاں اس احساس کا اجر یہود نے جس طرح دیا وہ تاریخ کی ایک بھیانک روداد ہے۔ جس سے نہ صرف یورپ کی وحدتِ ملّی پارہ پارہ ہوئی، اس کی مذہبی جمعیت منتشر ہو گئی، بلکہ اس کا شاہی وقار بھی خاک میں مل گیا اُس کی جاگیریں اور جاگیرداریاں بھی تختۂ دار پر چڑھ گئیں لیکن اگر یہ نہ ہوتا، اور اگر عیسائیت، بادشاہت اور چرچ کی تثلیث قائم رہ جاتی تو یہود کہاں ہوتے۔ وہ عیسائیت سے مصالحت نہ کر سکے، بادشاہت کو خرید نہ سکے، پاپائیت کو جھکا نہ سکے۔ یورپ میں انہیں بھکاری بننے کا حق بھی حاصل نہ ہو سکا تو پھر عیسائیت، بادشاہت اور پاپائیت تینوں کی حیثیت ختم ہو گئی اور میدان یہود کے ہاتھ رہا۔ گو کہنے کو اقتدار عوام کے پاس تھا۔ جمہوریت، لیکن عوام کو اس کی دسترس کہاں تھی خاص طور پر جب ان کی دولت اور فکر دونوں کی تکمیل ایک ایسے ساربان کے ہاتھ میں تھی جو کسی کو نظر نہ آیا جو ان ذہنوں میں دیمک کی طرح داخل ہوا۔ ان کے خون میں جراثیم کی مانند شامل ہوا اور جس نے انہیں خوبصورت نعروں کے پیچھے لگا کر اس مقام پر پہنچا دیا، جہاں عالمی شہرت، اخوت، مساوات اور آزادی کی دیویاں بت بن گئیں۔ حالانکہ یہی لوگ خانہ لُٹی اور نو آبادی جنگوں میں جان ہتھیلی پر لئے پھرتے تھے۔

نپولین نے اس انتشار کو اپنے اقتدار سے الگ کرنا چاہا تو اپنے ساتھ یورپ کو بھی لے ڈوبا، یورپ کا دستِ شمشیرزن ٹوٹ گیا۔ نتیجتاً اٹلی ایک بادشاہت اور جرمنی ایک سلطنت کی صورت میں قائم ہو گیا۔ اب فرانس کی جگہ جرمنی نے لے لی اور یورپ کو مغلوب کرنے کے لئے اٹھا۔ یورپ کی چھوٹی چھوٹی حکومت کی رگوں میں زہر دوڑنے لگا۔ آئرلینڈ، پولینڈ، چیکوسلاوکیا تک کو اپنی جداگانہ قومیّت کا خیال ستانے لگا اور یورپ کی مسیحی بھیڑیں پہلی جنگِ عظیم میں اپنی ہی تلوار سے کٹ کٹ کر گرنے لگیں۔

پہلی جنگِ عظیم کی ہولناکیاں ایک دفترِ پارینہ بنیں لیکن انہیں دیکھ کر اور اس کے اسباب و علل کو جان کر یورپ کے ان مفکرین اور سیاست دان کی عقل پر رونا آتا ہے، جنھوں نے جنگ ہی کو یورپ میں صلح کا وسیلہ جانا، اور یہود کو بغلیں بجانے کا موقع دیا اور دنیا کی معاشرتی، سیاسی اور ذہنی زندگی کو انکے رحم و کرم پر چھوڑ دیا لیکن یہ معاملات ابھی قبل از وقت ہیں، ابھی ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ انقلابِ فرانس سے لے کر آج تک یہود نے اپنی منزل کے لئے کیسے کیسے مرحلے طے کئے کہ ان کا راستہ سخت دشوار گزار تھا اور یورپ میں پندرہ سو سال کے قیام نے ان کو ایسے واضح گروہوں میں بھی بانٹ دیا تھا۔ جن کے درمیان زبان و عقائد کی دیوار، دیوارِ چین کی طرح کھڑی ہو گئی اور وہ آج بھی اس کے پار ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہیں۔

ہسپانیہ کے یہود نے اسلام کے زیرِ سایہ رہ کر اپنی فکری اور مادی ترقی حاصل کر لی تھی۔ یہاں تک کہ وہ خود کو دوسروں پر فضیلت دینے لگے اور اس کی وجہ سے دوسرے علاقائی گروہوں کو جاہل اور فقیر

ٹھہرانے لگے۔ 1630ء میں ان کی ایک مختصر سی تعداد ایمسٹرڈیم میں مقیم تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے جرمنی سے نکالے ہوئے یہود کو اپنے برابر مقام کا جانتے ہوئے' خود میں ضم ہونے کی اجازت نہ دی۔ ہسپانوی یہود خود کو سفاردیم کہتے اور دوسرے علاقے کے یہودیوں کو اشکنازی یعنی پسماندہ قرار دیتے۔ ہسپانوی سفاردیم میں اسلامی ممالک کے وہ یہود بھی شمار ہونے لگے جن کی تہذیب یورپ کے دوسرے ملکوں سے بہتر سمجھی جاتی تھی۔ مرکزی یورپ میں تیس سالہ جنگ (1618ء تا 1648ء) نے بیشمار یہودیوں کو کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا تھا۔ چنانچہ اشکنازی کا لفظ حقارت کی علامت بن گیا۔ ان بے یارومددگار یہودیوں کی دستگیری کرنے کے لئے سفاردیم نے انہیں خود سے اور اپنی تہذیبی سرگرمیوں سے دور رکھا۔ وہ خود کو "حضرت یعقوبؑ کا زینہ" قرار دیتے۔ یعنی اسی وسیلے سے مراجعت کی دیوار پھاندی سکتی تھی نتیجتاً یہ ہوا کہ جب حالات سازگار ہوئے تو اشکنازی یہودی دوبارہ رائن کے شہروں میں جا بسے ان میں پولینڈ کے وہ یہودی بھی آ ملے جنہیں وہاں کے دیہاتی انقلابات نے مار مار کر نکال دیا۔ برطانیہ' فرانس اور ہالینڈ میں امراء کی بدحالی اور تہذیبی انحطاط نے سرمائے اور تجارت کے لئے سفاردیم یہود کے لئے راہیں کھول دیں اور وہ کیتھولک مظالم سے بچنے کے لئے ان ملکوں میں آباد ہو گئے لیکن انہیں پناہ دینے کے جرم میں ہر ملک کو بڑی قیمت ادا کرنی پڑی۔ گو بظاہر سترہویں اور اٹھارویں صدی کے دوران میں کیتھولک عیسائیت کو ان کی بڑھتی ہوئی خوشحالی اور تجارتی حیثیت ایک آنکھ نہ بھاتی تھی اور وہ ان کو مسلسل پریشانیوں میں مبتلا کرتی رہی۔

ہسپانیہ اور پرتگال میں عیسائی استحصال نے بہت سے یہود کو کیتھولک مذہب اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ ان میں سے بعض نے امریکہ پہنچ کر تجارت سے ہاتھ رنگے اور رفتہ رفتہ اپنے کاروبار کا جال اس طرح بچھایا کہ آج امریکہ کی معاشرتی زندگی اور کاروباری سربلندی پر ان کی تاجوری اور اسکے پیچھے ان کے سائے صاف نظر آتے ہیں' لیکن ہم امریکہ میں ان کے عروج اور کارہائے نمایاں کا جائزہ بعد میں لیں گے۔ یورپ میں ان کو جہاں ٹھکانا ملتا' وہ اپنی نیک نفسی کاروبار "دیانت" عالمانہ صلاحیتوں اور سرمایہ داری کی وجہ سے اپنا مقام پیدا کر لیتے۔ پروٹسنٹ چرچ کے فروغ نے اس تعصب کی گرفت کو ڈھیلا کر دیا۔ جس کا نزلہ ہمیشہ یہودیوں پر گرا کرتا تھا۔ پوپ اور چرچ کے زوال نے "لادینی جمہوریت" (سیکولر ڈیموکریسی) کا باب کھول دیا جس نے یہود کی بحالی اور آبادکاری کے ساتھ ساتھ انہیں شہری حقوق حاصل کر کے' اپنے گردوپیش کی عملی زندگی میں دخل اندازی کا اختیار بھی دے دیا۔ روم میں یہود کو فارغ البالی اور کاروباری سہولتیں حاصل ہوئیں تو وہ اپنے عیسائی ہمسایوں سے بڑھ کر نمائش پسند اور عیش ونشاط کے سرپرست بن گئے۔ اس ظاہری مذہبی بیزاری نے ان کے بارے میں وہ شکوک رفع کر دیئے جو صدیوں سے انکے استحصال کا جواز پیدا کرتی تھی۔ اٹلی میں انہوں نے بڑے بڑے بینک اور تجارتی مراکز قائم کئے اور اپنی دولت سے رفاہِ عام کے کاموں میں دلچسپی لیکر اور علم' فلسفہ' شاعری' آرٹ اور کتابوں کی اشاعت میں حصہ لے کر انہوں نے اپنے ماحول میں اپنا مقام متعین کر دیا۔

نیشنلزم

ہسپانیہ کے مرانو خاندان نے تین سو سال کی اوڑھی ہوئی عیسائی کھال کو اتار کر سترہویں صدی میں اپنا یہودی ہونا ظاہر کر دیا اور انہوں نے شمالی یورپ کی بندر گاہوں میں بینکوں کا ایک سلسلہ قائم کر لیا۔ ان کے بینک لزبن سے انٹ ورپ تک ہر جگہ موجود تھے اور ان کی مٹھی میں سارے شمالی یورپ کی تجارتی منڈیاں تھیں' ملکہ الزبتھ کے زمانے میں انگلستان نے سپین ' پرتگال اور ہالینڈ تینوں سے جنگیں لڑیں اور ان یہودیوں کے ایمان ہر دوسرے دن بدلتے ' مذہبی استحصال کے خوف سے کبھی عیسائی بن جاتے اور جب موقع پاتے خود کو بے نقاب کر دیتے۔ کبھی جہازوں پر اپنا مال اور سرمایہ لادتے اور ملکوں کی قسمتوں کو پلٹے دیتے ' اور پھر جو کامیاب ہو جاتا اس کی ہم نوائی کا دعویٰ کرتے۔ بالآخر اٹھارویں صدی میں انہوں نے ایمسٹرڈیم میں یہاں تک استحکام حاصل کر لیا کہ وہ اسے "نئے یروشلم" کا نام دے کر اپنے روشن مستقبل کا انتظار کرنے لگے۔ برطانیہ ' سپین ' پرتگال ' ہالینڈ اور فرانس ' امریکہ ' افریقہ اور ایشیا کے براعظموں میں تجارت اور حکومت کے ڈول ڈالے پھر رہے تھے۔ یہود ان کے کاروبار میں مددومعاون بھی تھے ' سرمایہ بھی فراہم کرتے تھے اور تجارت کو پھیلانے میں بھی اپنے تجربے اور حاضر دماغی سے کام لیتے۔ وہ پرتگال میں کیتھولک بن کر سامنے آتے اور ڈچ اسٹیٹ اور ویسٹ انڈین کمپنیوں کی آڑ میں ساری تجارت اور دولت کو سمیٹنے میں کامیاب ہو جاتے۔ سپین اور پرتگال میں انہوں نے اپنے نام مدتوں سے ہسپانوی اور پرتگالی ناموں کے مطابق رکھے ہوئے تھے ' اس لئے انہیں پہچاننا ممکن نہ تھا۔ البتہ بعض ایسے یہودی بھی تھے جو خود کو "نو عیسائی" کہلاتے ' وہ جب کبھی دیکھتے کہ عیسائی مصلحین ان کی سرکوبی کو نکل آئے ہیں تو اپنی ظاہر دارانہ

عیسائیت کا ڈھنڈورا پیٹتے، لیکن انکی دولت مندی عیسائی تعصب سے انہیں بچنے نہ دیتی اور ان میں سے بعض اپنے سر پر پاؤں رکھ کر ترکی، انگلستان، ایمسٹرڈیم اور شمالی یورپ کے شہروں میں جا سر چھپاتے۔

صدیوں کے مظالم کے بعد پہلی مرتبہ انہوں نے 1606ء میں ایمسٹرڈیم میں اپنا مذہبی اجتماع کیا اور بر سرِ عام اپنے عقائد اور مسائل پر غور فکر کرنے کے لئے علماء قوم کو دعوت دی۔ انہوں نے اپنے لئے علیحدہ قبرستان تجویز کئے اور اس مقصد کے لئے زمینیں خریدیں۔ 1615ء میں ولندیزی حکومت نے اپنے صوبوں کو اختیار دے دیا کہ "ان میں سے جو چاہے یہود کو آباد ہونے کی اجازت دے اور شہری حقوق عطا کرے" لیکن اس کے باوجود انہیں عبادات کیلئے بعض پابندیوں کے تابع ہونا پڑتا۔ کاروبار میں بھی انہیں پرچون فروشی کا حق حاصل نہ تھا، لیکن انہیں اپنی تخصیصی علامت یا خاص لباس پہننے کی مجبوری بھی نہ تھی اور 1657ء تک وہ پوری طرح ولندیزی شہری بن گئے۔ شرط یہ تھی کہ یہ حق ہر یہودی کی اولاد کو از خود نہ پہنچتا تھا۔ وہ درخواست دے کر شہریت حاصل کرنے کا مجاز تھا۔

فرانس کے جنوب مشرق کے دو شہروں بایونے اور بوڈ ویو میں مارانو قبیلے کے کچھ یہودیوں نے تجارتی اور بینکاری کے مرکز قائم کر لئے اور سولہویں صدی کی اقتصادی زندگی پر چھا گئے۔ ان شہروں کی آبادی کیتھولک تھی، ہسپانیہ اور پرتگال کے بعض "نوعیسائیوں" نے بھی یہاں پناہ لے رکھی تھی۔ 1686ء تک یہ لوگ عیسائیت کا بہروپ بھرتے رہے اور پھر ساز گار حالات دیکھ کر علی الاعلان یہودیت کا ڈنکا پیٹنے لگے۔ بالآخر 1776ء میں انہیں شہریت کے مکمل حقوق حاصل ہوئے۔ ہالینڈ کے شہروں میں سولہویں اور سترہویں صدی میں سفادیم یہود کی دال نہ گلی۔ تجارت کے معاملے میں وہ پوری طرح آزاد تھے، لیکن یہود کی حیثیت سے وہ قابل قبول نہ تھے۔ جرمنی میں جنگوں کی وجہ سے بہت سے اشکنازی یہود ان میں آن ملے اور دونوں کی باہمی مناقشت نے بھی ان کے امن وسکون کو برہم کر دیا۔ اس انتشار اور رقابت کے نتیجے میں بہت سے یہود نقلِ مکان کر کے سترہویں اور اٹھارویں صدی میں ہمبرگ سے ایمسٹرڈیم جا بسے۔

انگلستان میں یہود کو چارلس اوّل کے تختہ دار پر چڑھنے کی خبر ملی اور کرامویل نے انہیں آباد ہونے کی اجازت دی۔ 1660ء تک ہر جگہ یہود بستیاں قائم ہو گئیں۔ 1680ء میں پریوی کونسل نے انہیں جداگانہ بستیاں بنانے کی مناہی کر دی ان کو بس "برداشت" کر لیا گیا۔ انہوں نے انگریزی زبان کو اپنے عقائد اور اپنے علوم کو منتقل کرنے کے لئے موزوں پایا تو اپنی تمام کلاسیکی کتب کے ترجمے کر ڈالے اور انہیں شائع کر دیا۔ بہت سے یہودی پرتگالی کیتھولک کے بہروپ میں اپنے یہودی ہونے کو ایک مدّت تک چھپائے رہے لیکن جب انگلستان اپنی سلطنت کے نشے میں چور ہو کر سمندروں میں پھیلنے لگا تو انہوں نے تجارت کی پناہ میں اپنی علیحدہ حیثیت قائم کر لی۔

اس زمانے میں پراٹسٹنٹ عیسائیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ ظہور کے زمانے میں

یہود ساری دنیا پر پھیلے ہوں گے۔ جنہیں عیسیٰؑ اپنے ہاتھ سے اپنے دین میں شامل کریں گے۔ اس خیال کو تقویت دینے میں اس خبر نے بڑا کام کیا کہ شمالی امریکہ کے ریڈ انڈین دراصل یہود کے دس گم شدہ قبائل ہیں چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے ظہور کے وقت یہود کو عیسائی بنانے کے کارِ خیر میں شرکت کے لئے انگلستان کے عیسائیوں نے اپنے ملک میں یہود کی آباد کاری کا خیر مقدم کیا' بلکہ انہیں اس طرح سینے سے لگایا کہ انہیں " کرسچن " کہہ کہہ کر پکارنے لگے۔ یہودیوں کی ایک اور وجہ سے بھی برطانیہ میں بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ دوسرے ملکوں کی فتوحات اور تجارت کے فروغ نے انگریزوں کو اس ضرورت کا احساس دلایا کہ یورپ کی کسی قوم کو اپنا مال خریدنے کی دعوت دیں۔ اس سلسلے میں ایمسٹرڈیم کے مرانو بہت کار آمد ثابت ہو سکتے تھے۔ انہوں نے دوسرے علاقوں سے خام مال در آمد کرنے اور انگلستان سے پختہ مال لے جانے کی اجارہ داری حاصل کی اور اسے بحر اوقیانوس کے ساحلوں تک لے گئے۔ اس مصلحت کی بنا پر یہود کے لباس اور رہائش پر کوئی پابندی نہ تھی اور وہ ہر قسم کے ٹیکسوں سے بھی مستثنیٰ تھے۔

اٹلی' سپین' ہالینڈ' پرتگال اور برطانیہ میں اپنے لئے میدان ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ یہود نے ان ملکوں کی نو آبادیات کو اپنا مرکز توجہ بنایا۔ اٹھارویں صدی میں ان کی حیثیت روس' پولینڈ اور جرمنی کے علاوہ ہر جگہ مستحکم ہو چکی تھی۔ پولینڈ سے انخلاء کا ردِ عمل روس میں ہوا دس لاکھ یہودی زار اور روسی چرچ کے جابرانہ' منتقمانہ اور جاہلانہ تسلط کی چکی میں پسنے لگے۔ اس کے برعکس ان ملکوں میں جہاں نو آبادیات کی دولت اور تجارت نے مذہبی تعصب کے پھندے کو ڈھیلا کرنے' سرمایہ دارانہ ہوس اور آرام طلبی کے بتوں کو مسجود بنا دیا۔ یہود کے وارے نیارے تھے۔ سفار دیم یہود' بنکاری علوم اور ظاہری آزاد خیالی سے دوسرے لوگوں کے لئے نمونہ بن گئے۔ فرانس میں انہوں نے عدلیہ تک کو سنبھال لیا اور شاہی دربار میں بڑے معتبر مقام پر فائز ہو گئے۔

اقتصادی' معاشی اور سماجی استخلاص نے انہیں سارے یورپ میں اپنا وقار قائم کرنے اور لوہا منوانے کا موقع دے دیا۔ 1745ء میں پراگ کے یہود کو لوئی چہار دہم' والئی فرانس کی ملکہ ماریہ تھریسا نے شدید سرما کی برفباریوں میں ملک بدر کر دیا۔ برطانیہ کے اشکنازی یہود کو جب اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے جارج دوم شاہ انگلستان کے سامنے اس دردناک داستان کو اس طرح پیش کیا کہ وہ آبدیدہ ہو گیا اور اس نے وائنا میں اپنے سفیر کو ان یہودیوں کی وکالت کا حکم دیا۔ برطانوی یہود کی یہ کامیابی ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کامیابی کے بعد انہوں نے لندن کو اپنی سیاسی ریشہ دوانیوں کا مرکز بنالیا۔ یہاں ان کی ایک "مجلسِ بہبودِ یہود" قائم ہوئی کہ جس کی کارگزاریوں کی دو صد سالہ تاریخ اس قدر روشن اور بامقصد ہے کہ 1960ء میں ساری دنیا کے یہود نے اس کا جشن منایا۔ برطانیہ میں ایک دوسری شاندار کامیابی یہ تھی کہ ان کو رائل سوسائٹی کا ممبر بننے کی اجازت مل گئی جس کے بعد وہ اپنی سائنسی' طبی اور علمی صلاحیتوں کا برملا مظاہرہ کر کے اپنا لوہا منوانے لگے۔ 1753ء میں ان کے سیاسی مقام کو بہتر بنانے کے لئے برطانوی پارلیمینٹ سے قانون پاس کیا گیا لیکن عوام نے اس پر اس قدر اودھم برپا کیا کہ اسے کالعدم قرار

دینا پڑا لیکن جہاں برطانیہ میں انہیں شہریت کے حقوق حاصل کرنے میں دیر لگی وہاں امریکہ میں انہیں 1789ء میں پونے دو ہزار سال کے بعد
پورے شہری حقوق حاصل ہو گئے اور یوں وہ پہلی مرتبہ استحصال 'مذہبی تعصبات اور عوام کے غیظ و غضب سے محفوظ ہو کر اپنے درخشندہ مستقبل کا خواب دیکھنے لگے۔ یورپ میں بھی ان کے لئے فضا ساز گار ہو چکی تھی۔ عیسائی عقائد کا پھندا لوگوں کے گلے سے نکل کر عقل کے میزان پر تل رہا تھا۔ بادشاہت کو جسے پوپ آسمانی تقدیس کی بنا پر انسانی رسائی سے بالاتر بتاتے آرہے تھے' فرانس میں فکر و نظر کی دشمن سمجھا جا رہا تھا لیکن یہ تمام تر انقلابات کیوں اور کیسے رونما ہوئے ان کا جائزہ لئے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے کہ ان سے یورپی عوام کو جو فائدہ پہنچا سو پہنچا لیکن ان کے اصلی وارث اور ان کے لئے مفیدِ مطلب بنانے والے یہود تھے کہ جب انقلابات کی گرد بیٹھ گئی تو یورپی اقوام باہمی آویزشوں میں الجھ گئیں اور انہیں جب ہوش آیا تو یورپ کی اقتصادیات اور اس کا تمام تر فکر و نظام یہود کے اشارے پر مرتب ہو رہا تھا۔

یورپ کی نشاۃِ ثانیہ اور احیائے علوم کے شدید جذبے نے عیسائیت میں انقلاب برپا کر کے اسے منطق اور عقلی پیمانے سے جانچنا چاہا تو پوپ نے سارے یورپ کی تطہیر شروع کر دی اور اس کا جو حشر ہوا اسے ہم سابقہ ابواب میں دیکھ ہی چکے ہیں۔ اس کے ردعمل کے طور پر لوتھر اور لوکان کا پراٹسٹنٹ مذہب مقبول عام ہوا اور یورپ میں جا بجا پھیل گیا۔ اس سے دو نتیجے بر آمد ہوئے۔ ایک تو پاپائیت کا طلسم ٹوٹ گیا اور وہ لوگ جو اب بھی اس کی تقدیس کے آگے سر جھکاتے تھے اس کی ذات اور شخصیت کو شبہ کی نظر سے دیکھنے لگے۔ دوسرا یہ کہ بادشاہوں کا رعب و جلال ان کی سیاسی طاقت اور اپنے ملکوں میں ان کا شاہی اقتدار اس قدر بڑھ گیا کہ اس پر کوئی حرف گیری ممکن نہ تھی۔ اس صورتِ حال کو نو آبادیات' تجارت کے فروغ اور دولت کی ریل پیل نے بڑی تقویت دی۔ لیکن اس کا لازمی نتیجہ ملکوں کی باہمی آویزشیں' رقابتیں اور خانہ جنگیاں 'جنہوں نے رفتہ رفتہ یورپی حکمرانوں کو بہت سی مصیبتوں کا شکار کر دیا۔ سفاردی یہودی کے لئے یہ دونوں صورتیں خداداد تھیں۔ یورپ کی جہالت و پسماندگی کے دور میں وہ علم اور سرمائے ہی کے بل بوتے پر مختلف علاقوں میں مکمل تباہی سے بچے تھے۔ اب انہوں نے علم اور سرمائے ہی کی طاقت سے یورپ کو نئی زندگی اور روشنی دے کر مفیدِ مطلب بنانا شروع کر دیا۔

پاپائیت کے زوال کے ساتھ عیسائی عقائد پر بھی زبردست چوٹ پڑی' یہ عقیدہ کہ "انسان پیدا ہی گناہ میں ہوتا ہے اور اس کے گناہوں کا ازالہ مسیحؑ کے خون سے ہوا محلِ نظر ہو گیا۔" دنیا شیطان کی ملک ہے۔ حضرت عیسیٰؑ دوبارہ آکر لوگوں کی روحوں کا مواخذہ کریں گے اور پھر دنیا پر اپنی بادشاہت قائم کریں گے۔ " یہ اور اس قسم کے دیگر عقائد بھی نئے فکر کی دھوپ نہ سہ سکے غربت ہی خدا کی بادشاہت میں داخلے کی ضامن ہے اور دولت مندی انسان کو ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا کر دے گی۔ " خوشی شیطان کی عطا ہے اس سے گریز کرنا چاہئے۔ یہ تصور بھی یورپ کی مادی خوشحالی کی رو میں بہہ گیا۔ اب لوگ یہ سمجھنے لگے کہ ان عقائد سے انحراف کر کے بھی ان کے مذہب پر آنچ نہیں آسکتی۔ پاپائیت ویٹیکن کی

چار دیواری میں محصور ہو گئی تو عیسائیت ساری دنیا کے مذاہب سے جا ٹکرائی اور جگہ جگہ سے خوشہ چینی کر کے اپنے لئے ایک نئی روش پیدا کرنے لگی اور بالآخر جن مسیحی عقائد کی بقا کے لئے صدیوں خون خرابہ ہوا تھا' تمدنی دنیا کی دریافتوں اور نئے سمندروں کی موجوں کی نذر ہو گئے۔

عیسائی روحانیت کی جگہ مادی شعور نے لے لی اور دنیا کی فتوحات بادشاہوں کو ہارون الرشید کے دور میں لا کھڑا کیا۔ عوام میں اپنے حقوق کا شعور بیدار ہوا۔ اب تک وہ ہر دکھ کو خوشحالی سے جھیلتے آئے تھے۔ اب اس مقدّس روحانی فریضے کی شکست سے انہیں اپنی خوشی اور خوشحالی یاد آئی۔ برطانیہ نے چارلس اوّل کو پھانسی کے تختے پر چڑھا کر سارے یورپ کی آنکھیں کھول دیں۔ پارلیمینٹ کے اقتدار نے فرانس کے مفکرین اور امراء کے دلوں کو گدگدانا شروع کیا۔ فرانس میں بادشاہت کی جڑیں پاتال تک پہنچی ہوئی تھیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ قوت کے تمام پرانے سرچشموں کو ختم کر کے طاقت براہ راست عوام کے ہاتھ میں دے دی جائے۔ اولادِ آدم نے فرانس میں پھر شجرِ ممنوعہ کا پھل کھایا۔ ایک نے علم کی لذّت چکھی' اور ایک نئی دنیا میں جا بسا۔ روسو نے "فطرت کی طرف لوٹ چلو" کا نعرہ لگایا والٹیئر نے ماضی کو مٹانے کا مطالبہ کیا تا کہ زندگی از سرِ نو شروع کی جائے اس نے عیسائیت پر آخری وار کیا۔ اسے ہر برائی کا گڑھ ٹھہرایا اور اسی افیون سے نجات ہی میں بنی نوع انسان کی نجات دیکھی۔ لیکن والٹیئر ہی یہود کو شہری حقوق دینے کے خلاف تھا کہ وہ ان کی ذہنیت کو سمجھتا تھا۔ 1789ء میں امریکہ نے انقلاب کی آگ بھڑکائی تو اس کی مشعل سے پیرس میں چراغاں ہو گیا۔ اسکے ساتھ ہی فرانس کی انقلابی کونسل میں "مساوات" اخوّت اور حریت کے نعروں کے درمیان ایبے گریگاری نے ایک قرار داد پیش کی۔

> "اگر تم یہود کے پرانے جرائم اور ان کی موجودہ ذلّت پر غور کرنا چاہتے ہو تو ضرور کرو۔ تا کہ تم اپنے ہی کرتوتوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکو' تم نے ان کے عیوب کو پیدا کیا' اب ان کی خوبیاں بھی تم ہی تراشو۔"

1791ء میں فرانس کے نئے آئین میں حقوق انسانی کا اعلان ہوا' جس کی رو سے "تمام انسان آزاد ہوں گے۔" ان کے حقوق مساوی ہوں گے' تحریر' تقریر اور پریس کی مکمل آزادی ہوگی' ہر شخص کو جائیداد حاصل کرنے کا حق ہو گا اور بادشاہت عوام کی ہوگی۔"

31 / جنوری 1793ء کو فرانس میں بادشاہت کو موت کے گھاٹ اتار کر "جمہوریت فرانس" کا اعلان کر دیا گیا۔ 1804ء میں نپولین کو فرانس کا شہنشاہ قرار دیا گیا' دس برس میں اس نے یورپ کا نقشہ بدل دیا' بادشاہت' جاگیرداری اور امارتوں کا تختہ الٹ گیا اور جب 1814ء میں نپولین کا دور ختم ہوا تو لوگوں کی ذہنیت بدل چکی تھی۔ ایک نئی قومیت کا شعور جاگا۔ اب یورپ میں بادشاہ نہ تھے۔ جرمن تھے' نگرین تھے' کروٹ تھے' یونانی تھے' بلغارین تھے' فرانسیسی تھے۔ سپین میں نیا آئین 1812ء میں نافذ ہوا۔ 1820ء میں نیپلز میں فرڈیننڈ اول کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکی تو اس نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ

سپین کے آئین کے مطابق عوام کے حقوق کو تسلیم کرے۔ روس' فرانس' پرتگال' جرمنی اور انگلستان میں بغاوتوں کے شعلے اٹھنے لگے۔ 1821ء میں یونانیوں نے ترکوں سے آزادی حاصل کرنے کے لئے پرچم بلند کر دیا۔ ہر جگہ "عوام کی حکومت" کا نعرہ اتنا سحر انگیز تھا' جیسے اس کے بغیر انسان کی بقا ممکن ہی نہ ہو۔ جب عوام اپنی حکومت قائم کرنے کے خود مجاز ہو جائیں تو یورپ' جسے عیسائیت نے ایک کر دیا تھا' یہاں تک کہ صلیبی جنگوں میں اس کے تمام عوام مل کر مسلمانوں سے نبرد آزما ہوتے تھے' جس میں بادشاہت ہی علاقوں کی تقسیم کرتی تھی اور علاقے سلطنت میں توسیع و ترمیم ہی سے قائم ہوتے تھے۔ وہی یورپ اب "مختلف قوموں" کی آماجگاہ بن گیا اور ہر قوم اپنے مختلف مزاج' اپنی مختلف زبان' اپنے مختلف تہذیبی سرمائے کی بنا پر اپنی برتری کا ڈنکا بجانے لگی۔ اگر ہم یہ کہیں کہ یورپ کو اٹھارویں اور انیسویں صدی میں یہودیوں نے قومیت کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تو سوال یہ پیدا ہو گا کہ مٹھی بھر یہود یہ کارنامہ کیسے کر گزرے' فرانسیسی مصنف گراسیاں یورپ کی وسعت کے بارے میں لکھتا ہے؛

> "یورپ دنیا کا روئے حسین ہے سپین میں اسکی گمبھیرتا ملے گی' برطانیہ میں حسن' فرانس میں شجاعت' اٹلی میں ٹھہراؤ' رمنی میں تازگی' سویڈن میں چاہ ذقن' پولینڈ میں نزاکت اور ماسکو میں شکن آلود پیشانی......"

اس "روئے حسین کے ناک' کان' ہونٹ' گال اور ٹھوڑی جدا جدا کرنے میں یہود نے اپنا نمونہ پیش کیا' ہسپانوی مؤرخ لوئیس ڈائزڈیل کرال اپنی مشہور تصنیف "دی ریپ آف یورپ" میں اس حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے۔

"یورپ میں "نیشنلزم" کے تصور کا شعور ہی نہ تھا۔ یورپ کا وسطی دور وحدتِ کلی کا دور تھا' نیشنلزم کا دور نہ تھا۔ موجودہ زمانے میں ہم جس خاندانی اصول اور ریاست کے غلبے کا نام لیتے ہیں وہ بھی اس دور میں نیشنلزم کے تابع نہ تھا۔ یہ تو برطانیہ کے انقلاب سے ابھرا' جس سے ایسے ایسے ہیجانات برپا ہوئے کہ لوگوں کے ذہنوں پر نیشنلزم کا خیال غالب آ گیا۔" اس خیال کی بنیاد ہنس کوہان اپنی تصنیف "نیشنلزم" میں یوں پیش کرتا ہے؛

> "یہودی نیشنلزم کے تین بنیادی تصورات کرامویل کے دور کے شعور پر حاوی ہو گئے۔ پہلا منتخب قوم ہونے کا عقیدہ' عہد نامے کا عقیدہ اور تیسرا مسیحؑ کے دوبارہ نزول کا عقیدہ۔ اس طرح لوگوں کے سامنے ایک ایسی قوم نمونہ بن گئی' جو سیاسی اور روحانی طور پر آزاد تھی' جس پر کسی بادشاہ' امیر اور رہبانیت کا تسلط نہ تھا اور وہ مقدس قوم' نبیوں کی اولاد۔ ایک نیا اسرائیل تھی۔"

حقیقت یہ ہے کہ یہود نے نمونہ بن کر عیسائی یورپ میں جس اعتقاد و عمل کی تلقین کی' اس نے ہر لسانی خطے اور جغرافیائی حدود میں نیشنلزم کی جاگ لگا دی۔ اٹلی' سپین' جرمنی' فرانس' روس اور ان سب کی

اپنی اپنی تاریخ' ماضی اور روایات تھیں' ان کی اپنی اپنی زبانیں' اور اپنا اپنا انداز فکر تھا' جسے نمایاں کرے یہود نے یورپ کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا' اور نیشنلزم کے ایسے فریب میں مبتلا کیا کہ بیسویں صدی کے نصف اول تک دو عالمگیر جنگوں کے خون سے بھی اس نیشنلزم کی آگ فرو نہ ہوئی۔

"ریپ آف یورپ" کا منصف لکھتا ہے :

"ٹائن بی نے اپنی لازوال تاریخ میں یورپ کو ایک ہسپتال سے تعبیر کیا ہے جس میں بائیس مریض پڑے ہیں۔ ان میں سے بعض مر بھی چکے ہیں۔ بعض ایڑیاں رگڑ رہے ہیں اور زندہ رہنے کی آرزو میں دم توڑ رہے ہیں۔ پھر بھی یورپ کا مضبوط جسم موت کے خلاف مدافعت کرنے میں مصروف ہے لیکن اس کی موت ناگزیر ہے۔ ڈاکٹر اس کی نبض ٹٹولتا ہے۔ اس کے بخار کا چارٹ پڑھتا ہے۔ اگلے وقتوں کے بیماروں سے اس کا موازنہ کرتا ہے اور مایوسی سے سر جھٹک دیتا ہے۔ آہ! اس کے دن گنے جا چکے ہیں کہ آخر یہ بھی انسانی جسم کی طرح گھل گھل کر ختم ہونے والا ہے' اس کا وجود جبھی تک ہے' جب تک اس میں توانائی ہے' لیکن کوئی سیاسی دارو اس کے لئے کارگر نہیں ہو سکتا۔"

"یہودیت" کی آئندہ قسطوں میں ہم نیشنلزم کے بعد ان دیگر حیلوں کو بھی بے نقاب کریں گے جن کی مدد سے یہود نے یورپ کو مرضِ موت میں مبتلا کیا۔

جمہوریّت

70ء سے 1789ء تک سترہ صدیوں کے دوران یہود نے اپنے مقصود کو حاصل کرنے اور اس کے لئے اپنے ماحول کو سازگار بنانے کے لئے بہت سے نتائج اخذ کئے ہوں گے۔ ان کی راہ کا سب سے بھاری پتھر ان کا اپنا تراشا ہوا تھا لیکن عیسائیت کی جمعیت کا پتھر جسے پاپائیت اور اس کے نظام نے سنبھال رکھا تھا۔ اس نظام کی پشت پناہی نہ صرف عوام کی جہالت کرتی' بلکہ بادشاہ اور امرا بھی اسی سے اپنی استقامت اور طاقت حاصل کرتے۔ اس کے صلے میں پاپائیت نے انہیں بادشاہت کرنے کا آسمانی حق دے دیا۔ جسے چیلنج کرنا گویا خدا کو چیلنج کرنا تھا۔ صلیبی جنگوں اور ان کے بعد کی مذہبی تطہیر میں یہود کا جو حشر ہوا۔ اس نے بھی انہیں یہی سبق سکھایا تھا کہ اپنی بقاء کیلئے "مسیحیت" "پاپائت" "بادشاہت" اور امراء کی طاقت کو کچلنا ہو گا۔ انہوں نے پال' لوقا' مرکس' متی وغیرہ کی اناجیل سے دولت اور طاقت کے تمام مظاہر کو شیطان سے منسوب کرنے کا مزا چکھ لیا تھا۔

ان منفی اقدار نے پاپائیت کو جنم دیا اور اس کے وسیلے سے طاقت اور دولت کو بادشاہت کا روپ دے کر یہود کا استیصال کیا تھا۔ "اب انہوں نے سترہ سو سال کے تجربے اور اسلامی و غیر اسلامی فلسفے کی روشنی میں دیکھ لیا تھا کہ عقل کو روح سے جدا کرنے کے بعد اندھیرا پھیلتا ہے۔ دوسروں کو لوٹنے اور اپنی من مانی کرنے کے لئے یہی اندھیرا ان کے لئے وسیلۂ عظمت بن گیا۔ اب انہوں نے یورپی فکر کو مذہبی روحانیت سے فرار کرنے کی راہ سجھائی۔ چنانچہ سب سے پہلا حملہ مذہب پر روا رکھا گیا' جو انسانی عقل کے معیار پر پورا نہ اتر سکا۔ مذہب نے صدیوں سے کائنات اور اسکے اسباب و علل کو جو معانی پہنائے تھے' ان کو

سائنسی علوم کی دریافتوں کی کسوٹی پر پرکھا گیا تو وہ "ناقص" ثابت ہوئے۔ اس سے دو واضح نتائج بر آمد ہوئے ایک یہ کہ مذہبی فکر کو قبول کرنا جہالت کے مترادف قرار پایا۔ دوسرا یہ کہ مذہبی فکر کے پھندے سے نکل کر مادی طاقت کو دینی اور علمی فضیلت پر فوقیت حاصل ہو گئی۔ مذہب سے بیگانگی نے دولت کے حصول کو اپنا مقصود ٹھہرایا۔ وہ مقصود جس کی راہ پر مذہب نے اقدار کی چٹانیں کھڑی کر رکھی تھیں۔ مذہب کی شکست سے ان چٹانوں کی ریخت کا آغاز بھی ہو گیا' اور قیمت قادر سے الگ ہو کر مذہب اور اقدار پر چھا گئی۔ دولت کی چوکھٹ پر فرد' جماعت' صداقت' شرافت' عزت' غرضیکہ ہر "نیکی" اور ہر "قدر" کو قربان کیا جانے لگا۔ ان کے حیوان بننے کا عمل شروع ہو گیا۔ ڈارون نے اس انسان کے اب وجد کا شجرۂ نسب بندر سے جا ملایا تھا۔ روحانیت کے انکار کا حاصل اس کے علاوہ اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔ خدا' مسیح' جنّت' دوزخ' نیکی' سچائی ان سب کو سترہ سو برس بعد یہود نے صلیب پر دوبارہ چڑھا دیا۔ اس طرح کہ تمام نظام خود بخود یہود کے قدموں پر سرنگوں ہو جائے۔ اس لئے کہ اس تمام تاریکی میں ایک وہی تو تھے جنہوں نے اپنے یہواہ اور اپنے ایمان پر آنچ نہیں آنے دی تھی۔

عیسائیت نے پستی سے بلندی تک کا کام ایک زینہ قائم کیا تھا۔ اسے زینے سے عاجزی' فروتنی' ریاضت' عبادت' نکوکاری' پاکبازی' طہارت' ارتقاعِ ذات' محبت' ایثار اور ترکِ ذات کے وسیلوں سے ایک ادنیٰ درجے کا مفلوک الحال عیسائی گرجا' پادری' سینٹ' پوپ' حواری' مریمؑ' مسیحؑ اور خدا تک پہنچ کر کمال کی منزل حاصل کر سکتا تھا۔ اس زینے کو دلیل' اشتباہ اور گمان کے کلہاڑوں سے توڑا گیا اور اس کی جگہ مادی سربلندی کا متبادل زینہ نصب کیا گیا' جس کے لئے ہوس' غرور' تعصب' ذاتی تنگ نظری' خود غرضی' ریا' مکر' چالبازی' عیاری اور شرانگیزی کے سہارے کی ضرورت تھی۔ زمانہ سازگار تھا۔ تجارت اور نو آبادیات کی کند چھری پس ماندہ اقوام کے گلے پر چلا کر ہر یورپی باشندہ آزاد خیالی کے منبر پر چڑھ سکتا تھا۔ اس لئے صنعت کاری' تجارت' بین الاقوامی روابط اور قومی شعور نے مادہ پرستی کو اپنا شعور بنا لیا۔ دولت کے لالچ سے اپنے پرانے عقیدوں اور خیالوں کو دھو ڈالا۔ اور "جمہوریت" کے بت کو تراش کر اپنا اپنا معبود ٹھہرایا۔

جمہوریت کا نعرہ بظاہر بڑا دلکش' سحرانگیز اور انصاف پرور ہے۔ ہر انسان کے حقوق مساوی ہیں۔ ہر انسان انسان ہے' اس لئے اسے اپنی حکومت' اپنی قوم اور اپنے ملک کے معاملات میں حصہ ملنا چاہئے۔ کوئی مذہب' کوئی سیاسی نظام' کوئی عدل' کوئی انصاف اس حق کو چھین نہیں سکتا۔ کسی ایک شخص کو نسل در نسل ایک ملک' ایک علاقے پر اپنی مرضی ٹھونسنے کا حق حاصل نہیں۔ یہ تمام باتیں اپنی جگہ بڑی وقیع ہیں لیکن ہندو فلسفے نے منوسمرتی کی رو سے ہندو قوم کی چار ذاتیں مقرّر کیں۔ روم اور یونان نے اپنے تہذیبی عروج کے زمانے میں امراء کے ایک خاص طبقے کو حکومت کا حق دے دیا۔

مسلمانوں نے آدھی دنیا کو فتح کرنے کے بعد ان جمہوری "اقدار کو پس پشت ڈال کر خلافت کی آڑ میں اس بادشاہت کے قیام کو فرض جان لیا جس کے لئے قرآن و سنت میں کہیں گنجائش نہ تھی۔ آخر وہ کیا

فسوں تھا۔ جس نے یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کو بادشاہت کی تخریب اور جمہوریت کی تہذیب پر رضامند کر لیا۔
غور فرمایئے تو ظاہر ہو گا کہ یورپ کے بادشاہوں نے یہود کو اپنا کھلونا بنا کر استعمال کیا، کبھی ان سے دولت چھین کر انہیں ملک بدر کر دیا، کبھی عوام کو اکسا کر انہیں مروا دیا، کبھی انہیں تنگ و تاریک گلیوں میں بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک دیا اور کبھی انہیں مذہبی جنون کے پردے میں لوٹ لیا۔ اس لئے طاقت کے ان خود سر علمبرداروں کے ہوتے ہوئے ان یہود کے لئے کہیں جائے امان ممکن نہ تھی۔ اگر ان چند افراد کے بجائے طاقت ان لوگوں کے ہاتھوں میں آ جائے جنہیں اپنی طاقت کا علم ہی نہ ہو۔ اگر ایک کے بجائے ایک لاکھ، یا دس لاکھ، ایک کروڑ انسانوں میں بادشاہت کے حقوق تقسیم ہو جائیں تو..... ! تو ظاہر ہے کہ یہودی کی باز پرس کرنے والا کون ہو گا۔ وہ تجارت، علم اور دولت کے حربوں سے لوگوں کے معاشروں، ذہنوں اور مزاجوں کو بدل دیں گے۔ وہ روپے سے ووٹ خرید سکیں گے اور ان سے جو کام لینا چاہیں گے، لے سکیں گے۔
یہودی سوچ کے اس فیصلے نے "جمہوریت" کا سنگِ بنیاد رکھا اور وہ کام جو ایتھنز، روم، غرناطہ، بغداد اور فلورنس میں ممکن نہ ہوا تھا، لندن، پیرس اور نیویارک سے ہوتا ہوا آدھی دنیا کا مطالبہ اور پھر "امر" بن گیا کہ باقی آدھی دنیا کو بھی ایک یہودی کارل مارکس نے اس عمومی طاقت کے بل بوتے پر کمیونزم کی قربان گاہ پر لا کھڑا کیا۔ لیکن اس کمالِ سیاست کی داد ابھی قبل از وقت ہے کہ ابھی ہم "جمہوریت" کی اصل حقیقت کا جائزہ لے رہے ہیں۔
اس سلسلے میں ہم ایک بار پھر نیٹشے سے رجوع کرتے ہیں۔ اس کی عظیم تصنیف "یوں کہا زرتشت نے" کے چھٹے ایڈیشن مطبوعہ جارج ایلن اینڈ انون لمیٹڈ لندن 1942ء کا دیباچہ ایک یہودی ڈاکٹر آسکر لیوی نے لکھا، جس میں موصوف نے ایک یہودی کی حیثیت سے اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے :

> "اس مقدمے کا مصنف اسی قوم (یہودی) سے تعلق رکھتا ہے اور اس سوال پر جسے نیٹشے نے پیدا کیا اور جواب دیا سچے دل سے اظہارِ خیال کرنے کا حق رکھتا ہے کہ اسے "نجس غیر سامی النسل" قرار دیئے جانے کا دھڑکا لاحق نہیں کہ، یہ وہ الزام ہے جس سے نیٹشے جیتے جی نہ بچ سکا۔ مزید بر آں ایک یہودی کا نیٹشے کے نکتۂ نظر پر ایمان لانا نیٹشے "امیوں" کے لئے بھی معنی خیز ہے کہ اگر ہم آسانی سے عقیدے تبدیل نہیں کر لیتے۔ ہم رواداری میں مسیحیوں کو نہیں مان لیتے اور اس حیثیت کو قبل از وقت تیاگ دینے کے لئے سرگرمی بھی نہیں دکھاتے جسے ہم نے تقریباً دو ہزار سال تک ہر خطرے، مصیبت اور نفرت کے درمیان بڑی کامیابی سے محفوظ رکھا۔"

ڈاکٹر لیوی نے اپنی حیثیت کو واضح اور "محرمِ راز" ہونے کے اقرار کے بعد نیٹشے کے اس قول پر تبصرہ کیا ہے کہ یہود نے اپنی شکست کے ردِ عمل کے طور پر عیسائیت کو تمام عقیدوں کی رجعت قرار دیا

یہی نہیں بلکہ عیسائیت کو خود اپنی پستی سے بھی پست تر کر دیا اور یہودی تصورِ حیات کو اور بھی زیادہ گھناؤنا بنا کر "عیسائیت" کا نام دے دیا۔ "اس مقدس قوم نے' جس نے یہودیانہ جزرسی اور شہرت کی بدولت زندگی کے سرچشمے ہی کو زہر آلود کر دیا تھا "ہر طاقت ور شے کو ناپاک' مجرمانہ اور کفر ٹھہرا کر اپنے سے بھی زیادہ "پاکیزہ" "بیمار" "پاگل" اور منزہ انسانوں کی قوم پیدا کر دی۔ یہ لوگ عیسائی ہیں۔"

اس قول کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر لیوی نے یہود کی "جمہوریت" کا پول بھی کھول دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"غریب اور امیر برابر ہوں' بے بس اور طاقت ور برابر ہوں' جاہل اور عالم ایک دوسرے کے برابر ہوں' نہیں بلکہ جہلا' امیروں' علماء اور طاقت وروں پر بھی سبقت لے جائیں۔ عیسائیت کے اس لبادے میں یہودی اخلاق نے دنیا کو مسخ کر لیا سیاہ تہہ خانوں میں چھپ کر اس نے بڑی صفائی سے عظیم روما کی سلطنت کو پامال کیا اس کے بعد اس نے دوسروں کو آڑے ہاتھوں لیا۔ کیونکہ اس کے علاوہ بھی ایسے اخلاقی نظام موجود ہیں' جو مخزنِ حیات نہیں' جو اس دنیا کو باطل کی نظر سے نہیں دیکھتے اور جو اس کے بانجھ اور ناکارہ پن کے خلاف ناشائستہ برداشت سے کام نہیں لیتے۔ منوکی کی کتاب والے قدیم ہندو' روما اور یونان کی تہذیبیں اسلام کی فتوحات اور اٹلی کی نشاۃِ ثانیہ اس کی درخشاں مثالیں ہیں۔ ان سے تہذیبیں پھوٹیں۔ انہوں نے ہماری اس دنیا کو گداگر نہیں بنایا بلکہ اسے دولتیں عطا کیں۔ ان کی رہنمائی چند لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ جو "ہزار ہا ہزار" لوگوں کو اپنی جگہ پر قائم رکھتے تھے ایتھنز' روم' غرناطہ اور فلورنس نے کہاں گندی نالیوں میں ووٹوں کے لئے بھیک مانگی تھی ان کی پشت پر ایک عظیم اخلاق تھا' جو عوام کو قول و فعل سے نیٹشے کے خدا کی طرح مطمئن کر سکتا تھا مخلوق میں سے کون ہے' جو بلاقیمت زندہ رہنا چاہتا ہے ہم وہ ہیں زندگی نے خود کو جن کے حوالے کیا ہے۔ ہم ہر لحظہ یہی سوچتے ہیں کہ ہم اس کے بدلے میں زندگی کو کیا لوٹائیں۔"

لیکن اس عظیم اخلاق کو اسرائیل اور اس کے ان غلاموں نے فنا کر دیا جو ہر عظمت کے شہ نشین پر چڑھ بیٹھے یہودیہ نے روم کو شکست دی' اور پوپ شہنشاہوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مٹ گئے۔ یہ نہیں کہ روم نے فریاد کئے بغیر دم توڑ دیا۔ یہ نہیں کہ غلاموں نے شکست کھائے بغیر فتح حاصل کی۔ نہ صرف عربوں کے زیرِ اثر سپین میں یا نشاۃِ ثانیہ کے دوران اٹلی میں پاکیزہ اخلاقی اقدار ایک بار پھر بروئے کار آئیں بلکہ انہیں کی طرح لوئیس چہار دہم اور نپولین اول کے زمانے میں فرانس میں بھی ابھریں لیکن عوامی مذہب کے ہولناک دیوں نے ان کافوری سدِباب کیا نشاۃ ثانیہ کی شاہانہ تحریک کو بالآخر جرمنی کے انقلاب نے کچل کر رکھ دیا اور "کارسیکی ظالم" (نپولین) کے خلاف نام نہاد آزادی کی جنگوں نے اس احیائے اخلاق کی تحریک کو ختم کر دیا۔ ان تمام صدیوں میں یہود نے اپنی من مانی سے کام لیا۔ لیکن انیسویں صدی نے تو ان کی کامرانی کے جھنڈے گاڑ دیئے جن سے انقلابِ فرانس کی عیسائیت دب کر بے شعور اور زیرِ زمین ہو گئی کہ اب وہ اپنے اصلی بائبلی روپ کے بجائے سیاسی بہروپ میں نظر آنے لگی "بہت سوں کے

حقوق، مردوں حتیٰ کہ عورتوں کے حقوق بن گئے" اور عیسائیت نے "لادین" ہو کر دوبارہ بپتسمہ لیا اور "جمہوریت" کا نام پایا یہی انیسویں صدی میں فروغ پانے والا عقیدہ تھا جو آج بھی حاوی ہے بعض پاک طینت لوگوں نے اس کی مخالفت کی لیکن انہیں دبا دیا گیا۔ انہیں اس لئے بھی جھکنا پڑا کہ انہوں نے اپنے حریفوں کے مذہبی رجحانات سے کوتاہی برتی تھی۔ وہ اس بات کو بھول گئے کہ خود خدا ان عمومی فوجوں کا علمبردار ہے۔ ان سے یہ حقیقت بھی اوجھل رہی تھی کہ انسانوں کی خدا کے سامنے باہمی مساوات نے آخر کار انسانوں کو "ہجوم" کے سامنے برابر قرار دے دیا ہے وہ اس امر سے غافل تھے کہ وہ خود ایک ایسے خدا کے پجاری ہیں جو "ہجوم" کا رہنما بن کر اٹھا اور اسی وجہ سے حکومت نے اسے "صلیب پر چڑھا دیا۔" اس کے اقوال، اس کی بشارتیں "جمہوریت" بھی نہیں جس میں مرد اور عورتیں برابر ہوں بلکہ "سوشلزم ہے جس میں غریبوں اور حقیر لوگوں کو تخصیص حاصل تھی۔"

ڈاکٹر لیوی اس "جمہوریت" کی مخالفت میں نہ صرف یہود بلکہ خود عیسیٰؑ پر بھی اپنا غیض و غضب نکال رہے ہیں کہ وہ نیٹشے کے مرید ہیں اور نیٹشے کے بقول "عیسیٰؑ کی تعلیم اس اعلان کے سوا کچھ نہیں کہ خوشی کا راستہ صرف حقیر اور غریب لوگوں کے لئے ہے اور اس کے حصول کے لئے ہم یہی کر سکتے ہیں کہ اعلیٰ طبقوں کے تمام اداروں، روائتوں اور وارثوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔"

"یوں دیکھئے تو عیسائیت سوشلزم کی تعلیم کے علاوہ کچھ بھی نہیں، جائیداد، اقدار، وطن، عزت و عہدہ، وزارتیں، پولیس، ریاست، چرچ، تعلیم، فنون لطیفہ، افواج، یہ سب کچھ خوشی کی راہ کے پتھر ہیں یہ سب وہ حماقتیں ہیں، جنجال ہیں، شیطان کے تراشے ہوئے صنم ہیں، جن کے خلاف عیسیٰؑ کی تعلیمات نے فیصلہ صادر کیا۔ یہ سب کچھ سوشلسٹوں کے مفروضات سے مماثل ہے۔ ان سب کے پیچھے وہ دھماکہ ہے، وہ نعرہ ہے جو "آقاؤں" کے خلاف دبی ہوئی نفرت نے بلند کیا ہے (یعنی یہودیوں کی وہ کارگزاری ہے جو بادشاہت، پاپائیت اور امراء کے تسلط کے خلاف عمل پذیر ہوئی) یہ اس جبلی خواہش کا نتیجہ ہے جسے اس قدر طویل عرصے کی مظلومیت کے بعد آزادی کی خوشی نے ابھارا۔"

ول ٹو پاور (جلد اول) نیٹشے

جرمنی فلسفی تھیوڈور ہرزل نے 1896ء میں اپنی تصنیف "یہودی ریاست" میں لکھا تھا:

> "قومیں جمہوریت کی اہل نہیں، اور مستقبل میں بھی اس کی مجاز نہیں ہوں گی۔ دانشمندانہ اور معقول فیصلے پارلیمانی اداروں میں نہیں ڈھل سکتے۔ وہی شخصیتیں جو تاریخی قوتوں کی پیداوار ہوتی ہیں، لوگوں کی خواہشوں کی نمائندہ اور ریاست کے حقوق و مفادات کی محافظ ہوتی ہیں۔ یہی شخصیتیں حکومت کے لئے پیدا ہوتی ہیں عوام نہیں۔ اور انہی کا ارادہ ہمیشہ بروئے کار آیا ہے اور آتا رہے گا۔"

ہرزل خود بھی یہودی تھا۔ وہ یہودی ریاست کے قیام کا زبردست محرک تھا لیکن جس جذبے کی

شدّت نے اسے عیسائیت اور انسانیت کے خلاف اندھا کر رکھا تھا۔ وہ بھی جمہوریت کی حقیقت کے بارے میں اس غلط فہمی میں مبتلا نہ کر سکا' اور بالآخر اس نے صحافیانہ دیانتداری سے جمہوریت کے خلاف فیصلہ دیا۔

نیٹشے اور اس کے مقدمہ نگار ڈاکٹر لیوی نے جمہوریت کا جو تجزیہ کیا ہے' اس کا فلسفیانہ' نفسیاتی اور مذہبی جواز پیش کرنا' ہماری تحقیق کے دائرے سے باہر ہے۔ ہم اس محاسبے سے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہود کو اپنے لئے سازگار فضا تیار کرنے کے لئے بادشاہت اور مذہب دونوں کو مٹانا پڑا۔ انہوں نے روم میں پناہ لی تو اس کی تہذیب و سلطنت کو خاک میں ملا دیا۔ عباسیوں نے انہیں برابر کے حقوق دیئے تو انہوں نے معتزلہ اور متکلمین کے عقلی اور منطقی استدلال سے انہیں دین و دنیا دونوں میں کہیں کا نہ چھوڑا۔ اندلس میں عربوں نے انہیں وزارتِ عظمیٰ کے عہدوں تک پر متمکن کیا تو انہوں نے عرب بادشاہت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ یورپ میں انہیں عیسائیت نے چین سے نہ بیٹھنے دیا تو انہوں نے عیسائیت کا قلع قمع کر دیا۔ عیسائیت کی پشت پناہی کے لئے شاہی طاقت برسرِ کار آئی تھی۔ انہوں نے بادشاہت کے منصب کو خاک میں ملا کر "جمہوریت" کی متبادل سیاست پیش کی۔ اب انہیں ہر جگہ شہری حقوق حاصل ہو گئے۔ اب انہیں علم کے نام پر ایسی تعلیم عام کرنے کی کھلی چھٹی مل گئی جو اخلاق و اقدار دونوں کو ناپید کر دے۔ حیا کو پسماندہ قوموں کی بدعت (TABOO) ٹھہرائے۔ شرافت کو کمزوری جانے اور محض مادے کے زور سے دنیاوی زندگی بسر کرنے کو غنیمت سمجھے کہ آخر انسان بھی تو "حیوان" ہوتا ہے۔ آج یہ تعلیم دنیا کی ہر یونیورسٹی میں فلسفے اور نفسیات کے نام پر رائج ہے اور اس پر ایک یہودی فرائیڈ کی وہ مہر ہے جسے توڑنا بھی بدعت (TABOO) سے کم نہیں اور جسے چیلنج کرنا جہالت کی دلیل ہے۔

ڈاکٹر لیوی نے "جمہوریت" کے ساتھ "لادین جمہوریت" پر بھی وہ تبصرہ کیا ہے جس پر ہم کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ اس کی مزید وضاحت کے طور پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ انیسویں صدی میں عیسائیت تنقید اور تجسّس کی مار نہ سہ سکی تو یورپ کی وہ قومیں' جنہیں عیسائیت جان سے پیاری تھی اور جو اس کیلئے کبھی فلسطین اور عراق میں مسلمانوں سے جنگیں کرتے پھرتے تھے' کبھی یہود کو مجرم سمجھ کر کاٹتی پھرتی تھیں' اب اس کے نام سے شرمسار ہونے لگیں' اب جمہوریت اسی عیسائی دنیا میں رائج ہے جہاں کی بھاری اکثریت آج بھی بائبل اور عیسیٰؑ پر ایمان رکھتی ہے اور مردم شماری میں خود کو عیسائی کہتی ہے لیکن جسے اپنے نظامِ حکومت کو عیسائیت سے منسوب کرتے ہوئے عار آتی ہے۔ آج بھی ان ملکوں کے مبلغ افریقہ اور ایشیا کے دور دراز علاقوں میں مارے مارے پھرتے ہیں کہ لوگوں کو مسیحیت کی تعلیم سے بہرہ ور کریں۔ آج بھی ان کے مشن غیر عیسائی ملکوں میں سکول اور کالج کھول کر عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں' لیکن خود یورپ اور امریکہ میں ان کا یہ حال ہے کہ اپنی حکومتوں کو "لادین جمہوریت" کہلانا انکے لئے باعثِ فخر ہے۔ کیا اس کے پیچھے بھی یہودیوں کا ہاتھ ہے کہ ان کا دوست بھارت' بھی جس میں گزشتہ تیس سال سے معصوم مسلمان فرقہ پرست ہندوؤں کے عذاب سہہ رہے ہیں۔ اسی "لادین جمہوریت" کے داغ

کو اپنے آئین کی پیشانی پر قشقے کی طرح لگانے کو کمال انسانیت قرار دیتا ہے۔

آج اسلام کے علاوہ کسی مذہب کو یہ حق حاصل نہیں رہا کہ اسکے نام نہاد پیرو اپنی حیات اور اپنے ملک کے مستقبل کو اپنے عقائد کی رو سے تعمیر کرنے کے لئے اپنی صورت ہی دیکھ سکیں کہ آج کا ہر آئین یا تو مذہب کو تسلیم ہی نہیں کرتا اور اگر کرتا ہے تو لادین ہو کر دین سے "بالاتر" ہو جاتا ہے۔

یہ امر اس حقیقت کا کھلا اعتراف ہے کہ یا تو ان مذاہب کو آج کے سیاسی مسائل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی جرأت نہیں یا پھر ان کے ماننے والوں کو ان کا دم بھرنا شرمناک معلوم ہوتا ہے دونوں صورتوں میں فتح یہود کی ہے کہ اس نے دنیا جہان کو لادین جمہوریت یا سوشلزم کی ذلت قبول کرنے پر مجبور کر کے خود اپنے عقائد کو اس سختی سے اپنائے رکھا اور اس اس شدومد سے اعلان کیا کہ عربوں کو بھی اسلام کا نام لینے کی ہمت نہ پڑی اور وہ بھی علاقائی اور لسانی بنیادوں پر اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور دکھائی دیتے ہیں۔

یہودیوں نے روایات سینا کو سینے سے لگایا، انہیں اٹل قانون کا مقام دیا، انہیں اپنی رگوں کا خون بنالیا، اور اس طرح ہر ملک، قوم اور مذہب کے قانون کو لغو اور بے معنی سمجھنے لگے۔ انہوں نے اگر کسی قانون یا مذہب کا احترام کیا تو محض اپنی جیب یا پیٹ کی خاطر، یا پھر اکثریت کے مظالم سے گلو خلاصی کرانے کے لئے۔ سپین اور ہالینڈ کے مرانو یہودیوں کو دیکھئے جنہوں نے تین سو سال تک دو عملی سے کام لیا، اور دکھاوے کے لئے عیسائی بنے رہے، نیو کرسچن کہلائے لیکن نسلاً بعد نسلاً اپنے بچوں کے خون میں یہودیت ماں کے دودھ کے ساتھ داخل کرتے رہے۔ ان کے گھر کنسیا بنے رہے اور ڈاکٹر مہا سبھائی قسم کے کیتھولک بھی ان کی ظاہر داری پر انگلی نہ اٹھا سکے۔ یہاں تک کہ حالات ساز گار ہوئے اور انہوں نے علی الاعلان یہودی ہونے کا ڈھول پیٹ دیا۔

کہا جاتا ہے کہ سپین میں دو یہودیوں نے قبولِ عیسائیت کے لئے رضامندی ظاہر کی تو پادری کو بلایا گیا۔ پادری کے آنے میں دیر ہو گئی۔ شام قریب تھی کہ ان یہودیوں نے غم و غصے کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ عیسائی حیران تھے کہ انہیں عیسائی بننے کے لئے ایسی کیا جلدی ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انہیں یہودی عقائد کے مطابق مغرب کی دعا پڑھنے میں دیر ہو رہی ہے۔

یہ لوگ تھے، جنہوں نے یورپ کو "لادین جمہوریت" کے آگے جھکایا، اور خود اپنے دین کے علمبردار بن کر یورپ کو ہر قد، ہر عقیدے اور ہر فلسفے سے محروم کر کے اسے گمراہی اور جہالت کی پٹی اوڑھا کر "جدیدیت" اور ترقی پسندی کے خالی خولی نعرے لگانے پر راضی کر دیا۔

جمہوریت کے اس سراب کے بارے میں فرانسیسی مؤرخ ایچ فرینکفرٹ لکھتا ہے۔

"جدید تاریخیات کے عریض وبسیط افق پر اہلِ اسرائیل ہی باقی کے مشرق کے یکساں ماحول سے مختلف نظر آتے ہیں۔ یہوواہ سے ان کے عجیب و غریب عہد کی بنا پر انہیں بڑی زبردست قربانیاں دینا پڑیں۔ وہ اہم ترین مفادات جو مشرق قریب کے

مذاہب نے اپنے پیروؤں کو بخشے' حیاتِ فطرت کا حیاتِ انسانی سے متوازن اتحاد......
کائنات کے ساتھ مکمل یگانت اور ربط کا شعور......اپنی تکمیل کی سرشاری۔ "

گویا یہود فطرت' آئین فطرت' فطرت کے ساتھ اپنی مربوط ہم آہنگی اور اپنی تکمیلی کے شعور سے محروم ہیں۔

اس پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے لوئی ڈائزڈل کرال اپنی تصنیف "ریپ آف یورپ" میں لکھتا ہے:

اسرائیل کے مافوقی مذہب نے وحدت فطرت کے مکمل مظہر (انسان) کی قیمت کو کمتر بنا دیا۔ وہ یوں کہ اس نے بادشاہت کے مقدس کردار سے انکار کیا۔ وہ کردار جو زندگی کے مختلف مدارج کے درمیانی رابطے بہم پہنچاتا تھا' جو پُل کی حیثیت رکھتا تھا۔ انہوں نے اس سادہ سے گروہ کو توڑ دیا' جس نے انسان کو فطرت سے وابستہ کر رکھا تھا۔ "

یہود نے جس گروہ کو آج سے کئی سو سال پہلے توڑا' اسے دوبارہ استوار کرنے کی آرزو' ہمارے دور میں بیشمار لوگوں کے دلوں میں کروٹ لیتی ہے۔ جو یہودیوں کے خیالی پلاؤ اور ذاتی کرب کے اس ناقابلِ تردید احساس سے بچنا چاہتے ہیں' جس نے انہیں قدیم زمانے سے اپنے ذاتی معراج کی لگن دے رکھی ہے' کیا عیسیٰؑ نے فطرت کی الوہیت سے انکار کر کے انسان کو کائنات پر اختیار کی وہ بنیادی اور محکم شرط عطا نہیں کر دی تھی جس کی وجہ سے وہ آدم کی طرح کائنات کا حکم بن گیا۔ (اہل بائبل کے الفاظ میں) "خدا سے کچھ کمتر مقام دے دیا" تاکہ وہ اپنے ارادے اور فکر سے اسے زیرِ نگیں لاسکے۔ "

"اور کیا انسان اور فطرت کے درمیان اس ٹوٹے ہوئے رشتے کو ہمارے زمانے میں وہ زبردست سائنسی ہتھکنڈے' ٹیکنیک اور پیداوار کی تنظیم بروئے کار لا سکتی ہے۔ جس نے اتنی عظیم سیاسی طاقت کو لادین بنا دیا۔ کیا یہ نظامِ زندگی کے مختلف شعبوں کو مربوط بنا سکتی ہے۔ کیا یہ خواہش اس اضطراب وانتشار سے نجات دلا سکتی ہے۔ جس نے ہزارہا سال سے یہود کی روح کو بے چین رکھا ہے اور جس کی تسکین کے لئے اسے یہ حرب اختیار کرنے پڑے اور کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہود مغرب کے تہذیبی ورثے سے قطعی طور پر بے بہرہ ہیں اور محض اپنی امید کے ہالے اور اسی امید کے حصول وشکست کو ناجائز مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ "

اس فلسفیانہ استدلال کو اپنی زبان میں منتقل کر کے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہودیوں نے سائنسی اور

ٹیکنیکی کمالات کا تماشہ دکھا کر پوری اقوام کو اپنا اس قدر گرویدہ کر لیا کہ وہ اپنے تہذیبی سرمائے' مذہبی سر رشتے' سماجی اور سیاسی نظم و ضبط سے کٹ گئے اور اس کے ساتھ ہی انسان کی خلافت و بادشاہت کا وہ عطیہ جو خدا نے اسے کائنات کی حکومت کے لئے بخشا تھا' نابود ہو گیا اب انسان دنیا کے دوسرے جانوروں کی طرح ایک جانور ہے جس کا فطرت اور مافوق الفطرت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس حیوانیات کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کی وہ قدریں بھی مفقود ہو گئیں۔ جنھوں نے اسے ہوا و ہوس' شیطنت' خود غرضی' لالچ اور شہوانیات پر غلبہ پا کر فرشتوں سے برتر کر دیا تھا۔

جمہوریت اور لادینیت کے رجحانات پیدا کرنے سے یہود کا مقصود یہ تھا کہ وہ انسان کو عقل کی بادشاہت میں لے جائیں' تاکہ ہر شخص' جو دو آنکھیں' دو کان' دو ٹانگیں' ایک پیٹ' دو ہاتھ اور ایک سر رکھتا ہے اپنا حق مانگے۔ اپنی عقل سے اپنے گردوپیش کا جائزہ لے' اپنا فیصلہ صادر کرے۔ بچہ جوان کے خلاف اور جوان اپنے بزرگوں کے خلاف اعلانِ جنگ کرے۔ ماں باپ کا تسلّط اٹھ جائے کہ انہیں اپنے بچوں پر عقلی اور مذہبی فوقیت رکھنے کا کوئی حق نہیں۔ گھر کی دیواریں مسمار ہو جائیں اس کے بعد سیادت و قیادت کی چھت تھی جس کا کوئی والی وارث نہ تھا۔ مذہب پر کسی کی ذاتی چھاپ نہ تھی۔ عقیدہ عقل کی مار نہ سہ سکتا تھا۔ بادشاہت کی طاقت فوج اور ملازمین کے ساتھ وابستہ ہو گئی لیکن انہیں انسان ہونے کے ناطے نے بغاوت کرنے کی ترغیب دلائی لہٰذا سارا نظام دھڑام سے زمین پر آ رہا۔ رہے یہودی تو انہیں صدیوں کے قوانین نے اس طرح مربوط کر رکھا تھا کہ ساری دنیا کے انقلابات بھی انہیں متزلزل نہ کر سکے۔ وہ ساری دنیا میں پھیل کر بھی کہیں کے نہ تھے۔ انہیں ملکوں ملکوں میں شہری حقوق ملے بھی تو اس لئے کہ سرمائے کے بل بوتے پر ان میں اپنے اقتدار کا سکّہ جمائیں۔ ان کا یروشلم اور ان کے دل میں آباد تھا۔ انہوں نے ہزاروں سالوں کی قربانی جس مقصد کے لئے دی تھی وہ کبھی ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوا' اور وہ وقت کا انتظار کرتے ہوئے مخالف قوتوں کو بڑی صفائی اور دیانتداری سے کچلتے گئے۔ وہ ہر ملک کے شہری ہونے ہوئے بھی فلسطینی تھے' جس کے بغیر ہر ملک کی شہریت بھی انہیں "جلاوطنی" اور "آوارگی" کے شکنجے سے آزاد نہ کر سکی۔ فردی حیثیت سے انہیں کچلا جا سکتا تھا' دنیا کے انعامات سے محروم رکھا جا سکتا تھا۔ لیکن عقبیٰ میں سونے کی کرسیوں اور یہولہ کے خاصان خاص کی محفلوں پر انہی کا حق تھا' جہاں انہوں نے ابد الآباد تک رہنا ہے۔

فرانسیسی مؤرخ بوسّے (BOSSUET) نے جس غصے کا اظہار کیا ہے' اس کی وجہ بھی شاید یہود کا یہی تصوّر ہے۔ وہ کہتا ہے:

> "دنیا میں جو کچھ ہوا' یہود ہی کی وساطت سے ہوا' اگر خدا نے اہل بابل کو ایشیا پر تصرف بخشا تو اس لئے کہ یہود کو سزا دیں۔ اگر خدا نے رومنوں کو بھیجا تو اسی لئے کہ انہیں دوبارہ سزا دیں۔"

سوشلزم

روس کے لئے یہودی بلائے بے درماں تھے۔ اس کے لئے ان کا وجود کبھی قابلِ برداشت نہ تھا۔ انہیں پولینڈ میں پناہ ملی اور اس کا جو انجام انکے ہاتھوں ہوا وہ اہلِ روس کی عبرت کے لئے بہت تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ ان پر اپنے دروازے بند کرتے' یہ لوگ پولینڈ سے تجارت کرتے ہوئے بحیرۂ بالٹک کے ساتھ ساتھ بستیاں آباد کر چکے تھے۔ تاہم انہیں خیوہ سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ ملی۔

پولینڈ میں ان کا استیصال ہوا تو اچانک روسی عوام کو پتہ چلا کہ دس لاکھ یہود ان کی سرزمین میں داخل ہو چکے ہیں۔ روسی عوام کے لئے ان کا مذہب اور اقتصادی منافع انگیزی بہت پریشان کن تھی۔ چنانچہ انہوں نے ان کا جینا حرام کرنا شروع کر دیا۔ روس میں ہر قوم کے باشندے آ جا سکتے تھے لیکن یہ رعایت یہود کے لئے نہ تھی۔ یہودیوں نے اس کے خلاف فریاد کی اور اپنی کاروباری صلاحیتوں سے روس کو متمتع کرنے کا یقین دلایا تو جواب ملا کہ "ہم عیسیٰؑ کے دشمنوں سے کوئی مفاد نہیں چاہتے۔" اس کے باوجود انہیں روس کے چند علاقوں میں بعض شرطوں کے ساتھ رہنے کی اجازت مل گئی۔ یہ علاقے بحیرۂ بالٹک سے بحیرۂ اسود تک پھیلے ہوئے تھے۔

زار الیگزینڈر اوّل 1801ء تا 1825ء نے اپنی سلطنت میں بسنے والے یہود کے لئے "یہود کا آئین" نافذ کیا۔ اس کی رو سے انہیں زمینیں حاصل کرنے اور کاشت کاری کرنے کا حق ان علاقوں میں دیا گیا جن کے باشندے بے حد پسماندہ اور وحشی تھے۔ انہیں ملک کی تمام یونیورسٹیوں اور سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت تھی۔ اس شرط کے ساتھ کہ ان کے لئے عیسائی تعلیم کا حصول لازمی ہوگا۔

اس کے جانشین نکولس اوّل (1825ء تا 1855ء) نے ان کو فوجی ملازمت اختیار کرنے کا حق دے دیا۔ اس غرض کے لئے بارہ برس کے یہودی بچے اپنے والدین سے چھین لئے جاتے اور انہیں یہودی اثرات سے پاک کرنے کے لئے مختلف قسم کی تعلیم وتربیت دی جاتی' مار پیٹ' بھوکا مارنا' برفانی پانی میں غوطے دلانا' سؤر کا گوشت کھلانا اور یہودیت کے مقابلے میں عیسائیت کی برتری تسلیم کرانا درس میں شامل تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہود کا اپنا مرکزی نظام' جسے وہ کہل کہتے تھے' کمزور کر دیا گیا اور انہیں اپنی قوم کے عقیدے کے مطابق اپنے جھگڑے خود طے کرنے کا اختیار نہ رہا۔ البتہ اس کو یہودیوں کے بارہ برس کے بچوں کو فوجی تربیت کے لئے چننے کا حق دے دیا گیا جس سے عوام اور کہل کے درمیان نفرت کی ایک خلیج قائم ہو گئی۔

1836ء میں روسی پادریوں نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا کہ تلمود ہی ہر فساد کی جڑ ہے۔ اسی نے انجیل کی تقدیس پر حملہ کیا اور یہود کو عیسائی بننے سے روکا۔ 1844ء میں کہل سے تمام تر اختیارات چھین لئے گئے۔ اس کے ساتھ ہی ایسے اقدامات بھی کئے گئے جن سے یہود کے وہ بچے بھی جو فوجی تعلیم کے قابل نہ سمجھے گئے' عیسائیت کی تعلیم وتربیت حاصل کر سکیں۔ اکثر یہود اپنے بچوں کو عیسائی سکولوں میں بھیجنے کے بجائے خود تعلیم دیتے تھے' اس لئے انہیں مجبور کیا گیا وہ انہیں سکولوں میں بھیجیں اور اس کی ترغیب یوں دلائی گئی کہ جن بچوں کو ان سکولوں میں تعلیم پانے کے لئے بھیجا جاتا وہ فوجی تعلیم سے مستثنیٰ قرار دیئے جاتے۔ ان سکولوں کے تمام تر ہیڈ ماسٹر عیسائی ہوتے اور اساتذہ میں ان لوگوں کو ترجیح دی جاتی' جو یہودیت سے تائب ہو کر عیسائی ہو جاتے۔ اس تعلیم کا مقصد بچوں کو بپتسمہ دے کر عیسائی بنانا تھا۔ نکولس کے عہدِ حکومت کے آخر میں یہودیوں کو پھر اس جرم کی سزا ملی کہ انہوں نے ایک عیسائی بچے کا خون بہا کر یہواہ کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔

54۔1856ء کی جنگ کریمیا میں مزید فوجیوں کی ضرورت لاحق ہوئی تو یہودی بچوں کو بھرتی کا حکم دیا گیا اور انکار پر شدید سزائیں مقرر کی گئیں۔ یہودی ماؤں نے اپنے بچوں کو بھرتی سے بچانے کے لئے ان کے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ جوانوں نے خوفزدہ ہو کر خودکشی کر لی۔ یہ عالم تھا کہ 1855ء میں زار نکولس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے جانشین الیگزنڈر دوم (1855ء تا 1881ء) نے یورپ کے اکثر ممالک کی طرح اپنے کاشتکاروں کی بہود کے لئے اصلاحات نافذ کیں اور یہود کا مقدر بھی بدل دیا۔ اب ان کی تعداد تیس لاکھ ہو چکی تھی۔ چنانچہ اب ان کے بچوں کی بھرتی کا قانون کالعدم قرار پایا۔ انہیں ایک حد تک دولت جمع کرنے کا اختیار دیا۔ انہیں روس کے علاقوں میں بھی تجارت کا حق دے دیا گیا لیکن عوام اور پولیس نے ان اصلاحات کی پیش نہ چلنے دی اور جب یہود روس کے شہروں میں پھیل گئے تو انہیں اپنے ٹھکانے اور پناہ لینے کے لئے رشوت دینے کے علاوہ بھی طرح طرح کے ظلم اٹھانے پڑے۔ اب ان کی اکثریت واقعی آوارہ تھی سوائے ان کے جنہیں کاروبار اور ملازمت نے مصروف کر دیا' یا جو یہودیت سے تائب ہو گئے اور یا پھر وہ اتنے آزاد خیال ہو گئے کہ انہیں اپنے بچوں کو عیسائی

سکولوں میں بھیجنے میں عار محسوس نہیں ہوتا تھا۔

اس صورتِ حال کو ایک سابق یہودی "جیک بریف مین" نے اور بھی نازک بنا دیا۔ 1858ء میں اس نے عیسائیت قبول کر کے عبرانی کی تدریس شروع کی اور کہل کی کتاب "دی بک آف کہل" تصنیف کر کے ثابت کر دیا کہ یہود عیسائیت کو ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں۔ 1866ء میں اس کتاب کو سرکاری سرپرستی میں شائع کیا گیا۔ اس کے نتیجے کے طور پر 1871ء میں یہود کا قتلِ عام شروع ہوا، جو چار دن جاری رہا اور حکومت نے اسے روکنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس واقعہ کے بعد جگہ جگہ یہود کا قتل کر دیا گیا۔ اس کا الزام بھی یہود کے سر منڈھ دیا گیا۔ عوام کی نفرت اور غضب سے بچنے کے لئے یہودیوں کی اکثریت نے راہِ فرار اختیار کی۔ امریکہ اور مغربی یورپ کے یہودیوں نے انہیں اپنی پناہ میں لیا اور منظم طریقے سے انہیں اپنے اپنے علاقوں میں آباد کیا۔

زار الیگزینڈر دوم کے قتل کے بعد اس کا بیٹا الیگزینڈر سوم (81-1894ء) تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانے اور اس کے جانشین زار نکولس ثانی (1894ء-1917ء) کے دور میں یہود کا استیصال جاری رہا۔ روسی چرچ کے اسقفِ اعظم نے انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ 1898ء میں جب یہود اس کے پاس فریاد لے کر گئے تو اس نے کہا "میری پالیسی یہ ہے کہ میں روس کے ایک تہائی یہودیوں کو قتل کرا دوں۔ ایک تہائی کو فرار پر مجبور کروں اور ایک تہائی کو عیسائی بنا دوں۔"

اس حقارت و نفرت نے یہود کو کچل کر ختم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ لیکن تین ہزار سال میں انہوں نے ظلم کو انعام سمجھ کر قبول کرنا اپنا شعار بنا لیا تھا۔ ان کے لئے اب کوئی سختی نئی نہ تھی۔ وہ سب کچھ سہتے اور اپنے انتقام کا انتظار کرتے۔ چنانچہ 1917ء میں جب بغاوت کا لاوا پھوٹا تو یہود ہی اس کے مشعل بردار تھے۔ انہوں نے زار کو ختم کیا، روسی چرچ کو فنا کیا اور کمیونزم کی آڑ میں اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے کر اس لادینیت اور کفر کو رائج کیا جس کے شعلے رفتہ رفتہ تمام مذاہبِ عالم کو آنچ دکھانے لگے۔ ایک یہودی نے اس مذہب کی بائبل "داس کیپٹل" لکھی، دوسرے یہودیوں (لینن اور ٹراٹسکی) نے اس کو روس کے سرکاری مذہب کے طور پر اپنا لیا۔ پھر اس کی تبلیغ مشرق و مغرب کے ممالک میں اس طور کی گئی کہ لادین جمہوریتیں لرزہ براندام ہو گئیں۔

آیئے اب ہم مارکس کے فلسفے اور یہود کے اس کارنامے کا جائزہ لیں جس نے مذاہبِ عالم کو ناکارہ بنا دیا اور ان کے پیروؤں کو "پس ماندہ" "رجعت پسند" اور "سرمایہ پرست" کے ذلت آمیز خطابات دے کر ڈانوں ڈول کر دیا۔

اس سلسلے میں ہم نیٹشے کی کتاب "یوں کہا زرتشت نے" کے مرتب ڈاکٹر آسکر لیوی کے دیباچہ سے پھر رجوع کرتے ہیں کہ اس یہودی نے گھر کا بھیدی بن کر اپنی لنکا خود ڈھائی ہے۔ تاریخ کے عوامل کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر لیوی کہتے ہیں:

"سوشلسٹ ہماری دنیا کو مادی مفادات ہی کے وسیلے سے جانتے ہیں لیکن وہ

جنہیں فہم وفراست حاصل ہے۔ تاریخ کے فیصلے کو سنتے ہیں اور جانتے ہیں کہ انسان کو محض مادی محرکات ہی نے عمل پر نہیں اکسایا۔ انسان کے دل میں جو نور فروزاں ہے اسے بعض عناصر سے تحریک ملتی ہے۔" وہ عناصر کیا ہیں؟

"ان عناصر کا مطالعہ کرنے کے لئے ہمیں پھر اس کے سرچشمے کی طرف لوٹنا پڑے گا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ قدیم دنیا کو یہود کے خیالات نے مسخر کیا ان کا مرکز ایشیا اور افریقہ کے سنگم پر ایک چھوٹے سے گوشے میں واقع فلسطین میں معلق تھا۔ جدید زمانے میں یہ گوشہ یورپ کے دل میں منتقل ہو گیا۔ یہی دل اس کا دماغ بھی بن گیا اور معمولی نفسیات بھی دل و دماغ کی وحدت کو نعمت سے کم نہیں سمجھتی۔ یہودی اقدار کو اس عیسائی قوم نے اختیار کیا۔ جو تجربے کو پس پشت ڈال کر' ہمارے خیال کو اس کے منطقی نتیجے تک لے جانے کی قائل ہے اور جو قاعدے اور تنظیم کی یہاں تک گرویدہ ہے کہ اپنے مقصود کو جرمن اکملیت کے ساتھ خیال اور عمل تک پہنچاتی ہے۔ عیسائیت' جسے اپنے مرکزی چرچ کے گڑھ میں بھی شکست ہو چکی تھی۔ اسی جرمنی میں وقعت نظر سے دیکھی گئی۔ یہودی عیسائیت کے اصولوں کا احیاء بھی یہیں عمل میں آیا جس کے ردِ عمل کے طور پر روم کا چرچ بھی زندہ ہو گیا۔ لیکن جرمن اصلاحاتِ مذہب' جسے اوہام پرست پادری لوتھر کی قیادت حاصل تھی نہ صرف کیتھولک دنیا کے لئے نئی روح کا پیغام لایا بلکہ ساری دنیا کے لئے بھی ایک نئے تاثر کا باعث بنا۔

اس نے عیسائی اقدار کو ان کافروں تک بھی پہنچایا' جنہوں نے "سیناد بیتہلم" کا نام تک نہ سنا تھا۔ یہود' ہماری اخلاقیات کے خالق' اپنی عیسائیت کو لے کر اٹھے اور انہوں نے ہماری قدیم دنیا کو شکست دے کر رہبری کی۔ جرمن ان کے باوفا دستگیر اپنی اصلاحات سے جدید دنیا کو فتح کر کے اس کے پانچوں برِاعظموں کو متاثر کرنے لگے۔ چنانچہ جرمن مذہبیات اور فلسفہ کا تعلق آج تک ساری دنیا سے ہے بالکل اسی طرح ہے جس طرح آج سے سو سال پہلے ہائنے کے زمانے میں تھا' جب اس نے کہا تھا:

"لوتھر کا مذہبی دور گزر گیا' لیکن جرمن جو اپنے مثالی کردار کی طرح باشعور ہیں' انسانی ذہن سے اپنے پنجے ہٹانے کے لئے تیار نہ ہوئے اس زمانے میں جب مذہب کا فیشن اٹھ گیا' جب "نئی روشنی" ہمارے براعظم پر طلوع ہوئی' تو جرمنوں نے اپنا "مذہبی لبادہ" اتار دیا اور "فلسفی کا جامہ" اوڑھ لیا۔ انہوں نے "آزاد خیالی" کا بھرم رکھ کر "مقدس سرزمین" (یہودیہ) سے پرانے ورثے یورپ میں سمگل کئے اور اپنی دلیل بازی اور منطقی الٹ پھیر سے اسے پھر فروغ دیا اور چونکہ ہر تقدیس کے لئے ظرف کی ضرورت ہے اور ہر ماہ لازمی طور پر شکل اختیار کرتا ہے۔ جرمنی فلسفیوں نے بھی جن کے اب وجد نے روما کے چرچ کو ترک کیا تھا' محسوس کیا کہ انہیں اپنا چرچ قائم کرنا چاہئے۔ ایسا چرچ جس کا کوئی پوپ نہ تھا' لیکن ایک ایسا چرچ' جس کا مقصود اپنے پیشرو کی طرح اپنے وفاداروں کے شعور کو دوبارہ عیسائیت کے آگے جھکانا تھا۔ اس چرچ کو انہوں نے اپنی ریاست میں قائم کیا۔ اپنے آبائی چرچ کی طرح اس ریاست کا دائرہ ہمہ گیر اور آفاقی نہ تھا۔ وہ بھی قومی تھی اور اسے بھی قومی ہونا تھا کہ یہی اس کی خصوصیت تھی۔

اصلاحات کا سورج بھی پہلے پہل اسی جرمنی پر طلوع ہوا اور اس کے نور کا پہلا دن یہیں گزرا تھا۔ اپنی برگزیدہ قوم کے درمیان...... اس کو بھی...... اپنے رقیبوں کی طرح دنیا میں ایک خاص اخلاقی فریضہ سرانجام دینا تھا۔ جرمن چرچ کے "ربی" اس حقیقت کو نہ بھولے کہ ان کی ریاست کوئی معمولی سیاسی جمعیت نہیں، کہ وہ دوسری ایسی ریاستوں سے اس امر میں مختلف تھی کہ اس کی اپنی "روح" بھی تھی اور اس کی اخلاقی عظمت ہی دوسری تمام قوموں اور مقابلتاً کم خوش نصیب قوموں پر ماضی، حال اور مستقبل میں اس کی سبقت کی ذمہ داری تھی۔ "

جرمن چرچ...... یا دوسرے لفظوں میں چرچ، ریاست، یا "ریش" (یہ لفظ تورات سے لیا گیا تھا اور اس کا مطلب ہے: آسمان کی بادشاہت) کے ربی جرمنی فلسفی کانٹ، نیٹشے اور ہیگل تھے۔ انہوں نے دوسرے ملکوں کو بھی متاثر کیا، لیکن انہوں نے اپنے وطن میں خاص طور پر اپنے خیالات کی آگ لگا دی۔ کانٹ کی روح تو آفاقی تھی اور اس کا کسی "آسمانی بادشاہت" سے براہِ راست کوئی تعلق نہ تھا، جو اس دنیا میں عیسائی اخلاقیات کی تکمیل کی ضامن ہو سکتی ہے۔ لیکن اسی کانٹ کی خدمات کو (جو نسب کے اعتبار سے سکاٹ لینڈ کا پیورٹین تھا) جرمن ریاست نے بڑی چالاکی اور کامیابی سے اپنے عقائد کی ترویج کے لئے رہنما بنا کر استعمال کیا۔ یہی کانٹ جو "بقدر اہمیت شیرازہ بندی
CATAGORICAL IMPERATIVE کا موجد تھا۔ "أنا کے ضبط" کا معلم تھا۔ جس نے ذاتی مسرت کے لئے ہر خوشی کو گناہ ٹھہرایا جس نے نہ صرف ان عوامل کو جائز قرار دیا، جن سے کوئی خوشی حاصل نہ ہوتی ہو، اور 'جو' پیٹ کے دشمن ہوں۔ یہی کانٹ تھا جو جرمنوں کو "دن رات کام" کی ترغیب دلاتا تھا تاکہ وہ اپنی "فطری بدی" پر قابو پا کر بادشاہ، ریاست، ملک، سوسائٹی، پڑوسی، غریب اور امیر سبھی کے لئے اپنا فرض بجالائیں، لیکن جرمن ذہن کی یہ اخلاقی سپردگی بعد میں اس وقت رنگ لائی، جب ملک کو ایک عظیم سیاسی مقصد نے یہاں تک متحرک کیا کہ اس کی جذباتی اور روحانی جڑیں تک ہل گئیں (اس سے جرمن قوم کا نپولین کے خلاف ردِّعمل مراد ہے)

نیٹشے نے تعلیم دی کہ "ایک ضابطۂ اخلاق، اس قدر بلند، اتنا پاکیزہ، اتنا مقدس کہ جس کی مثال بھی دنیا نے نہیں دیکھی، مرتب کیا جائے، اس کے بقول جرمن کا مقدس فریضہ یہ ہے کہ "انسانیت کو دوبارہ زندہ" کرے اور "روح و عقل کی بادشاہت" کی بنیاد رکھے۔

یہ کام تیسرے جرمن فلسفی کا تھا کہ اپنے چرچ اور ریاست کا نمائندہ، ربی بن جائے۔ اس کے نزدیک تقدیس جسمانی تھی۔ آسمان زمین پر اتر آیا تھا۔ اخلاق کی چاندنی بجھ گئی کہ اس کا حصول تو ہیگل کی مقدس ریاست میں ہوگا جو زمین پر خدا کی نمائندہ قرار پائے گی............

گویا خدا کا مثالی وہ جرمن ریاست ہوگی، جس میں پراٹسٹنٹ بادشاہت کارفرما ہوگی۔ جرمن چرچ کے تیسرے ربی کے نزدیک "روح کائنات" کا مقصود اسی کا حصول تھا۔ "

اس طویل اقتباس سے ہم نے جرمن فلسفے کی حقیقت معلوم کرنی چاہی ہے کہ یہی جرمن فلسفہ مارکس

کا سنگِ بنیاد بھی ہے۔ مارکس نے ہیگل کی اخلاقیات کے چراغ سے تاریخ کے مادی تصوّر کا چراغ روشن کیا۔ ڈاکٹر لیوی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

> "مقدّس ریاست" کے خیال کو بسمارک نے لے کر اچھال دیا لیکن اس کے نظریۂ اخلاق کا مبلغ ایک یہودی تھا۔ مارکس تاریخ کے مادی نظریئے کا علمبردار ہے۔ اس نے ہیگل کے پیغام کو الٹ دیا۔ ہیگل کے لئے ایک خیال نے حقیقت کا روپ دھارا تھا۔ یہاں حقیقت نے خیال کا روپ دھار لیا۔ مارکس کے نزدیک اقتصادی حالت ہر حالت میں سیاسی طاقت کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ ایک زمانے میں اس طاقت کے حاملوں نے اقتدار کو جنم دیا' اور اپنے دور کے نظریات کو فروغ دیا۔ اس طرح مارکس کے خیال میں تاریخ اس جدل کا نام ہے جو "دولت مندوں" اور ناداروں" کے درمیان جاری ہے۔ چنانچہ ہیگل کی روحِ کائنات کی جگہ مارکس کی "طبقاتی کشمکش" رائج الوقت سکّہ بن گئی۔

ڈاکٹر لیوی نے مارکس کی ذہنیت کا تجزیہ یوں کیا "مارکس نے ہیگل کے عکس کو اختیار کیا۔ اس نے نہ صرف اپنے استاد کی روح کو مادّہ بنا دیا بلکہ اس کی آسمانی بادشاہت کو بھی بادلوں سے نکال کر زمین پر لا کھڑا کیا۔ ہیگل نے کہا تھا "جو کچھ بھی موجود ہے' دلیل کے مطابق ہے" مارکس نے کہا کہ "جو کچھ بھی معقول ہے' وجود رکھتا ہے' یا کم از کم اسے وجود رکھنا چاہئے" ہیگل کے نزدیک "جو کچھ ہونا چاہئے' وہ روح کے حصول کے لئے ہے۔" اور اس بات کو اس نے اپنی آسمانی ریاست کا بنیادی مقصد قرار دیا۔ یہ "اخلاقی نظریہ" "عیسائیت" کے نظریہ سے جدا نہ تھا۔ مارکس نے اسی طور جان لیا کہ یہ مقصد یورپ کی کسی جمہوریت یا بادشاہت میں ناقابلِ حصول ہے۔ کیا اب بھی غریب ہر جگہ پریشان حال نہیں؟ کیا طاقتور کمزور کی کمزوری کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھاتے؟ کیا اہلِ علم و کتاب ان پڑھوں کو جاہل رکھنا نہیں چاہتے۔ اور کیا عیسائیت انہیں کمزوروں اور جاہلوں کو نجات کا وعدہ نہیں کرتی؟ کیا انہیں دنیا میں اس کا موقع بہم نہیں ہونا چاہئے؟ کیا وہ زمین کا نمک نہیں؟ کیا انہیں امیروں کے خلاف فیصلہ نہیں دینا چاہئے۔ اس تمام کے لئے دولت مندوں کو ختم کر دینا چاہئے۔

"ابھی دن نکلے دیر نہیں ہوتی کہ سورج کی تپش جلانے لگی ہے اور اس سے گھاس مرجھا جاتی ہے اور اس کا پھول کملا کر گر جاتا ہے اور اسکے حسن کی شادابی فنا ہو جاتی ہے اور اسی طرح امیر بھی ناپید ہو جائے گا۔"

جیمز نے یوں کہا تھا "جو خدا کا خادم" تھا' اور کارل مارکس نے بھی یہی کہا' جو اسی خدا کا خادم تھا۔ اس نے یہی بات 1947ء کو کمیونسٹ منشور میں لکھی' لیکن اسے جیمز ہونے کا شعور نہ تھا۔ مارکس کے شاگردوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ "مذہب لوگوں کے لئے افیون ہے۔" مارکس خود اسی افیون

کے زیر اثر خود کو آزاد خیال لکھتا رہا۔ وہ ایک یہودی ربی کا پوتا تھا۔ اس کو کیا معلوم کہ اسکے دل میں اپنی قوم کے کتنے نبیوں اور پیغمبروں کے اقوال کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔ اسے اپنی مذہبی آرزوؤں کا اتنا ہی شعور تھا، جتنا اس کے ہم وطن جرمنوں کو "آسمان کی بادشاہت" "یہواہ کی برگزیدہ قوم" "مسیحا کے متمنی لوگ" وغیرہ کا علم تھا، جنہیں اس دنیا میں اپنا مقصود حاصل کرنا تھا۔ یہ توان لوگوں کا زمانہ ہے، جو آنکھیں بند کر کے ایمان لے آتے ہیں۔

تاریخ میں ایسے لوگ کب پیدا ہوئے؟ پہلی جنگ عظیم کے دوران لینن اٹھا، اس نے اخلاقی نظریئے کے بم کو سوئٹزرلینڈ سے لے کر جرمنی سے ہوتے ہوئے روس میں وہ دھماکہ کیا کہ یہ آسمانی بادشاہت خطرے میں پڑ گئی اور وہ لوگ جنہیں ہیگل اپنی اولاد تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا، اس کے حرامی بچے، کہ وہ حرامی تھے یا نہ تھے، بہرکیف اسی کے تھے، اپنا کام نہایت خوبصورتی سے سرانجام دے گئے۔ انہوں نے اس کے اخلاقی نظریئے کو پروان چڑھایا اور اپنی بادشاہت قائم کی۔ انہوں نے کاشت کاروں، مزدوروں، کچلے ہوئے لوگوں اور بے گھر لوگوں کی "عیسائی ری پبلک" کی بنیاد رکھی۔ حالانکہ آج سوویت روس کے دشمن اسے "عیسائیت" کا نام دینے کے لئے تیار نہیں اور وہ خود بھی اس پر ایمان لانے کے لئے رضامند نہیں...... اس کے برعکس وہ اسے "جدید سائنس" کا نام دیتے لیکن یہ خشک اور بے جان سائنس اپنی کتاب "سرمایہ" میں کچھ اور زیادہ خشک اور بے جان نظر آتی ہے، تاکہ اپنے ماننے والوں کو شک و شبہ نہ ہونے دے اور وہ اسکے متعین پیغام کے پردے میں کچھ اور بات نہ دیکھنے لگ جائیں لیکن اس پیغام کے پردے میں دیوانگی ہے۔

"سینٹ مارکس" کا یہ پیغام نیا نہیں۔ سینٹ مرقس نے آج سے دو ہزار سال پہلے اس کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کی بائبل میں عیسیٰؑ نے اسے اپنی بادشاہت قرار دیا تھا۔ جہاں ایک نئے انصاف کی پیش گوئی کی گئی۔ "ایک نیا یروشلم" "زمین پر ایک نیا آسمان" "جہاں موت نہ ہوگی"...... نہ وہاں ماتم کرنے والے ہوں گے، نہ رونا ہوگا، نہ دکھ ہوگا، لیکن اس سے تمام منکروں اور گنہگاروں کو دور رکھا جائے گا اور ان لوگوں کے دشمنوں کو بھی، جن سے اس آسمانی بادشاہت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ کارل مارکس نے ہیگل کے فلسفے کی تہہ تک پہنچ کر اس مرکزی اور خفیہ حقیقت کا سراغ لگالیا اور اس نے اپنے قدیم عقیدے، "قیام بادشاہت" اور قدیم موعود سرزمین" کا راز پالیا تھا۔ اس کا سوشلزم اس عیسوی تصوّر کو جدید بنانے کے سوا کچھ نہ تھا، یعنی یہ پرانا "عیسوی کفر" جسے چرچ نے بارہا "مردود" ٹھہرایا لیکن تاریخ پر نظر رکھنے والے اسے بآسانی پہچان لیتے ہیں اسے وہی لوگ "جدید" اور "ترقی پسند" کہتے ہیں، جو ماضی میں اس کے بھک سے اُڑ جانے کی صلاحیت سے غافل تھے۔ مارکس کا نظریہ انقلابی نہیں، بلکہ ردِّ عمل ہے۔"

ڈاکٹر لیوی کا یہ دوسرا طویل اقتباس مارکس اور اس کے تمام تر فلسفے، اور اس فلسفے کے عظیم نتائج کو بیک قلم موقوف کر دیتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ مارکس اور اس کے کمیونزم کے پردے میں یہودیت کس طرح

آسیب بن کر چھپی تھی۔ اس تجزیئے سے بخوبی بے نقاب ہو جاتی ہے لیکن ہم محض اسی تجزیہ پر اکتفا نہیں کریں گے اور آئندہ باب میں دیگر مورخین اور مبصرین کی تحریروں کی روشنی میں مارکس کے نظریئے کا مزید جائزہ لیں گے۔

کمیونزم

پچھلے باب میں مارکسی نظریات پر گفتگو کا آغاز کیا گیا تھا۔ اس وقت ہم بلاتبصرہ بین الاقوامی شہرت کے حامل ہسپانوی مؤرخ لوئی کرال کی تصنیف "دی ریپ آف یورپ" میں سے مارکسی نظریئے کے بارے میں چند اہم حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔

"مارکس، جدلیاتی تاریخ کے ٹیڑھے میڑھے راستے پر اس روحانی سطح کی وساطت سے نہیں پہنچا، جس کا حوالہ ہیگل نے دیا تھا، بلکہ تاریخی و اجتماعی فکر کی بدترین، پست ترین اور ناقص ترین سطح سے ہو کر گزرا۔ کوئی یہودی اپنی تاریخ کو حال کے مثبت زاویئے سے نہیں دیکھ سکتا، بلکہ اسے مستقبل میں لے جا کر اس کا جائزہ لیتا ہے کہ اس کا ماضی محض خیالی اور روایتی نہیں بلکہ تاریخی ہے۔ یہ تاریخ ایک تجربے کی شکل میں مرتب ہوئی اور تیر کی طرح حال سے ہوتی ہوئی مستقبل کی تکمیل میں کھو جاتی ہے۔ اس منتخب قوم کا ذاتی شعور واضح طور پر تاریخی ہے اور اس کا مدار ماضی کے ایک مثبت وعدے کی تکمیل کے شدید انتظار پر ہے۔ جو کسی نامعلوم مستقبل میں پورا ہونے والا ہے۔ ایک امید، یہوا کے نئے الہام کی، جس کی بنیاد ماضی کے ایک الہام پر ہے اور جس نے یہواہ اور اس کی قوم کو ایک زبردست معاہدے سے جکڑ رکھا ہے۔ اس کی رو سے وقت لمحۂ حال کی مسلسل تکرار کا نام ہے جسے مسلسل گردش کرنے والے زمانے میں نہیں ڈھالا جا سکتا۔ یہ لمحۂ حال، مستقبل میں داخل ہو جاتا ہے کہ اس کی ذات منفرد اور پلٹ سکنے سے قاصر ہے۔"

(152-151)

"اگر ہیگل کے نظریئے کے مطابق تاریخ اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ کر رک چکی تھی تو مارکس نے اسے نشیب کی طرف دھکیل دیا تا کہ گردش میں رہے، خواہ یہ گردش اس کو ٹکڑے ٹکڑے ہی کیوں نہ کر

دے۔ اس لئے مارکس اسے "قبل از تاریخ" کا نام دیتا ہے، کہ یہ تاریخ ہے ایک نادار انسانیت کی، جنت سے نکالی ہوئی انسانیت، جسے خدا نے بھی معاف نہ کیا۔ قدیم یہودی تصور کے عین مطابق وہ قوم جسے ترقی کی امید رکھنے والے مؤرخین کبھی کے بھول چکے ہیں اور جو اب لادینیت کا روپ دھار کر سامنے آئی ہے۔" (167)

"مارکس کے نظریئے کے مطابق ابن آدم کی نجات، یوم حساب، اور خدا کی بادشاہت ایک ہی وقت میں ظہور پذیر ہو گی۔ لیکن ترقی کے نظریات اور مارکسی نظریات میں یہ بنیادی فرق ہے کہ ترقی کا تصور نجات اور یوم حساب کے مفروضوں کو غیر جمہوری، مبہم اور مخفی سمجھتا ہے حالانکہ مارکس نجات کو فوری، انقلابی، قیامت خیز اور گوشت پوست کے انسانوں کا عمل ٹھہراتا ہے جو کسی اور دنیا سے نہیں، بلکہ ہمارے ہی معاشرے کے جنموں سے ابل کر باہر آ جائیں گے۔ مارکس کے نزدیک ایک نجات دہندہ کا تصور بھی اسرائیلی قوم کے تاریخی اور معاشرتی تصور کے مماثل ہے۔ اگرچہ جماعتی طور پر ہم اس کا موازنہ اس سے نہیں کر سکتے۔ یہ ایک ایسی "برگزیدہ" قوم ہے جس کو اپنی ناداری کا شعور بھی ہے (اس شعور کا تجربہ خود یہودی مارکس کو ذاتی اور جماعتی طور پر ہوا) اور بے یار و مددگار ہونے کا احساس بھی اور وہ پختہ ایمان بھی، جو یہود کا خاصہ ہے۔ اگرچہ یہ ایمان کسی آسمانی طاقت پر نہیں، بلکہ اپنی ذات اور اپنے مقصود مقسوم پر ہے۔

یہ منتخب قوم اپنے بے شمار عوام کے ساتھ ارض موعود کی چوکھٹ پر کھڑی ہے" مارکس کا روحانی یقین محکم، حال کے مکمل شعور پر ایمان لانے کے مترادف ہے۔ اس سے ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اسے صدیوں کا توقع کا پورا ہونا واضح طور پر نظر آ رہا ہے۔ خدا کی بادشاہت حاصل ہونے والی ہے لیکن یہ حصول ایک مسلسل عمل کا نتیجہ نہیں۔ یہودی قوم کا عقیدہ یہی ہے کہ یہ بادشاہت طویل، مسلسل، تاریخی عمل کا منطقی نتیجہ ہے۔ نہیں یہ بادشاہت، جو اچانک اپنے شباب کو پہنچی اور ایک مکمل سماجی مدعی نے اسے طاقت سے اس طرح حاصل کیا کہ اس نے یورپ کی پختہ تاریخی اور سماجی عمارت کے ڈھانچے کو ڈھا کر رکھ دیا۔" (170)

مارکس یہودی النسل تھا اس کے عقائد کی پختگی، روپ بدل کر جس طرح ظہور پذیر ہوئی وہ سامنے ہے۔ کرال نے لگی ڈھکی رکھے بغیر کمیونزم کو مارکس کی یہودیت کا معرکہ بنا کر پیش کیا ہے کہ آخر کار مارکس اقتصادیات کے فلسفی ہی کی حیثیت سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے نظریات کو روس نے عملی جامہ پہنایا لیکن اسے اتفاق کہئے یا ملی بھگت کہ اس کا سہرا بھی ایک یہودی لینن کے سر ہے۔ گویا ایک سو پانچ برس تک روس میں مارے مارے پھرنے اور اپنے لئے سر چھپانے کے لئے جگہ تلاش کرنے کے بعد یہود نے زار کا تختہ الٹ دیا اور نظامِ حکومت کو اپنے ہاتھوں میں اس طرح لیا کہ بادشاہت، پاپائیت اور عیسائیت تو ایک طرف، تمام اقتصادی تمدنی اور سماجی نظام بھی درہم برہم کر دیا اور تاریخ ان کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

مارکس کے دوست اینگلز نے جو عیسائی تھا، شاید غیر محسوس طور پر اپنے یہودی دوست کی فکر میں یہودیت کی بو سونگھ لی تھی کہ اس نے اس کے نظریات میں ترمیم کرنا چاہی لیکن یہودی فنکار اپنا کام کر گیا تھا اور اس کا زہر سارے یورپ کی رگوں میں دوڑ چکا تھا۔

"اینگلز نے خود اپنے دوست کی موت کے گیارہ برس بعد اس کے نظریات کو روسی سرمایہ داری کے

پیشِ نظر نرم اور مختصر کرنے کی کوشش کی لیکن لینن نے مارکس کے خیالات کو اپنایا اور انہیں پوری طرح استعمال کیا" (174)

"بنیادی طور پر لینن نے مارکس کو جو معانی پہنائے اس کا مطلب سارے یورپ اور اسکے سماجی طبقات کو ذلیل کرنا تھا یا کم از کم ان ملکوں کو ہدف بنانا تھا جو صنعتی ترقی کی قیادت کر رہے تھے۔ مارکسزم نہایت بے حیائی سے انتقام کا آلہ کار بن گیا۔ اس نے بغاوت کا علم اٹھایا اور اس کے ساتھ ہی اس نظریئے کے جراثیم نے یورپ کے جسم میں پھیل کر خوفناک نتائج پیدا کئے انہوں نے اس کی توانائی کو مفقود کر دیا اور اس کے تاریخی عمل کے توازن کو بگاڑ دیا۔ یہ صورتِ حال کمیونسٹ پارٹیوں کے زیر اثر نہ صرف شدید تر ہو جاتی ہے، بلکہ بورژوا، آزاد خیالوں اور سرمایہ کاروں کو بھی اس کے اثرات کی کمزوری اور بے طاقتی لاحق ہو جاتی ہے۔

ایک اور مفکر جیرالڈ ابراہام، اپنی تصنیف "دی جیوئش مائنڈ" (یہودی ذہن) میں لکھتا ہے:

"کال مارکس ایک اچھے یہودی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اجتماعیت پسند اور اپنے ہم قوم ہائنے کی طرح باغی تھا۔ یہود کے بارے میں اسکی تحریریں انہیں مردود ٹھہرانے اور باقی قوموں میں مدغم ہونے کی تلقین کرتی ہیں بائر کے جواب میں ایک مضمون لکھتے ہوئے مارکس نے یہود کے خلاف یہ اعتراض کیا کہ وہ اپنے مذہب پر پوری طرح سے کاربند نہیں رہے۔ قومی طور پر ان کی کوئی نمایاں حیثیت نہیں۔ وہ ایک مصنوعی طور پر قائم کئے ہوئے اقتصادی گروہ کی حیثیت رکھتے ہیں جو عالمی یکجہتی میں اپنے وجود کو مدغم کر لے گا۔ یہ تلخ نوائی، اس کے مادی تصورات سے بھی ہم آہنگ ہے اور اس کے نظریئے سے بھی کہ مذہب ایک افیون ہے، جسے محنت کشوں کے استحصال کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان باتوں کی وجہ سے ابتدائی "مارکسی" یہودیت کو زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ بعد میں انہیں محسوس ہوا کہ یہود کے خلاف جو تحریک چل رہی ہے وہ اس سے بھی بدتر افیون ہے۔ بیبل نے بڑے وثوق سے اعلان کیا کہ "یہود سے منافرت پاگلوں کا سوشلزم ہے" جدید سوشلزم میں بعض اختلافات سے قطع نظر ہم دیکھتے ہیں کہ یہود کی

لینن نے یہود کے عملی علمبردار کی حیثیت سے جو کردار ادا کیا اس کی وضاحت کے لئے ایک دستاویز کی ضرورت ہوگی جس کا یہ مقام نہیں تاہم اتنا ہی اشارہ کافی ہے کہ اسے روس میں زار کے خلاف نفرت پھیلانے کے جرم میں جنگِ عظیم میں جلاوطن کر دیا گیا تھا اور وہ جرمنی میں بیٹھا جرمنوں کا بیڑہ غرق کر رہا تھا۔ جیسے ہی 15 مارچ 1917ء کو زار نے تخت سے دستبرداری کا اعلان کیا۔ لینن دو سو مسلح یہودی کامریڈوں کے ساتھ سپیشل ٹرین کے ذریعہ رات کے اندھیرے میں روس کی سرحد پر پہنچا۔ ٹراٹسکی، جو بغاوت کے جرم میں روس بدر کیا جا چکا تھا تین سو مسلح یہودی کامریڈوں کے ہمراہ روس پہنچا۔ دونوں نے کامریڈ سٹالن کو اپنی آمد سے مطلع کیا اور تینوں نے بالشویک تحریک کو سنبھال لیا۔ یہی تحریک بعد میں سرخ انقلاب کا روپ دھار گئی۔

سرخ انقلاب کی کامیابی نے آگ کی طرح پھیل کر روسی مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ان کی خفیہ پولیس "چیکا" نے مسلم کشی اور مسلم آزاری کے سلسلے میں جو کچھ کیا، اس کی اندوہناک اور لرزہ خیز داستان ابھی تک رقم نہیں کی جا سکی کہ داستان طراز یہودی ہیں یا کیمونزم کے سربر آوردہ علمبردار، اور خون مسلمانوں کا ہے۔

جسے وہ مذہب کی حیثیت سے پہچاننے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے، لیکن جو مذہب اور صرف مذہب ہی کی نسبت سے بہایا گیا تھا۔

حقیقت کو سماجی طور پر تسلیم کیا گیا ہے اور ان کی زبان کو جرمن آلود لاطینی ٹھہرایا گیا ہے جسے یڈش (YIDDISH) کا نام دیا جاتا ہے"

"یہود ایک سے زیادہ انقلابات کے رہنماؤں میں سے تھے۔ انہوں نے ادب' اور پروپیگنڈہ کے سلسلے میں جو کچھ سیکھا۔ اسے انہوں نے جلاوطنی میں جان بچانے کے لئے عملی طور پر استعمال کیا۔ جب سوشلزم کی تاریخ دوبارہ لکھی جائے گی' تو یہ قابل قدر حقیقت ضرور درج ہو گی کہ اس میں انکے ایک سوشلسٹ اصول کی پوری پوری ترویج کی گئی۔ " ہر ایک سے اتنا لو' جتنا اس کے امکان میں ہے۔ ہر ایک کو اتنا ملنا چاہئے جتنا اس کے لئے ضروری ہے"

"جب انیسویں صدی کی مادیت نے مارکسزم وغیرہ کے بڑے بڑے نظریات پیش کئے' تو یہودی ذہن اور یہودی سرمایہ کارانہ شعور کو ان کے مطالعہ کا اشتیاق پیدا ہوا۔ جب بیسویں صدی میں سوشلزم ظہور پذیر ہونے لگا تو بورژوا جماعتوں کی نفسیاتی مادیت کے خلاف اس اقدام سے وہ بہت خوش ہوئے کہ ابھی تک انہیں اپنے ہی استحصال کا غم تھا۔ چنانچہ وہ جماعتی جنگ بازوں اور قومیت پرستوں کے ساتھ صف آراء ہو کر بڑے شدومد سے جلوسوں میں پیش پیش چلنے لگے' لیکن انکے گھروں کا حال دوسرا تھا۔ ان کے عقیدے بدستور فعال تھے اور ان کے خیالات کی اصلاح کرتے ہوئے' یہودیوں کی مسلسل پریشانیوں نے بہت سی باتیں سکھائی ہیں جن میں سے اکثر خراب اور غلط ہیں' لیکن ان کے گروہ کو انہوں نے تیز' حساس نقاد اور معاملہ فہم بنا دیا ہے۔ یہودی قوم انسانی فطرت کے بدلتے ہوئے جذبات و خیالات کا مرغ باد نما اور آلۂ پیمائش ہے۔ پندرہ سو برس پہلے انہوں نے شمالی افریقہ کے وینڈلوں کو رومنوں سے بہتر پایا تھا۔ پھر سپین کے ظالم "موروں" کو انہوں نے عیسائیوں سے کم سخت گیر پایا اس صدی میں جب خود اختیار رحمیت کا مصنوعی نظریہ فروغ پانے لگا تو وہ غور کرنے لگے کہ کیا رومانیہ دنیا کے آزاد ملکوں کی پیشانی کا جھومر بنے گا یا پولینڈ کا۔ جب آسٹریا کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوئی تو یہود کو ہیپسبرگ کے بادشاہوں اور رئیسوں کے جاگیردارانہ مظالم یاد آئے۔ لیکن پھر خیال آیا کہ یہ ستم بھی دوسرے کے مقابلے میں زیادہ نرم تھے۔ اس طرح جب کئی قوموں کے عوام سوشلسٹ ہو گئے تو ان کے رہنماؤں نے اعلان کیا کہ نئے سماج کے آغاز کا مطلب مظالم اور استحصال کا خاتمہ ہے۔ تاہم ہر یہودی یہ سوچنے لگا کہ اگر اسے اس سماج میں روٹی ملنے لگی یا اسکی حکومت بدل گئی تو کیا اس کے ساتھ یہود کشوں کی یہود کشی بھی ختم ہو جائے گی۔"

یہ جواز یہود کا تھا من حیث الجماعت کیمونزم کے سلسلے میں' چنانچہ انہوں نے حقیقت کو پا لیا کہ بادشاہت' پاپائیت' سامراجیت اور ہر قسم کا سرمایہ دارانہ نظام ایک ایسے تعصب کو جنم دیتا ہے جس سے ٹکرا کر یہود ٹکڑے ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔ انہیں شہریت کے حقوق سے محروم رکھا جا سکتا ہے' انہیں جانوروں سے بدتر سمجھا جا سکتا ہے لیکن انہیں یہولکی بادشاہت نہیں مل سکتی کہ یہ ان اقدار کا محافظ ہے جو یہودی ذہنیت کی دشمن ہیں۔ اس کے مقابلے میں کیمونزم ان تمام اقدار' مذہبی تصورات اور عقائد' انسانی برتری اور نظم و ضبط کو مٹانے کا نام ہے' جن کے بعد میدان یہود کے کارہائے نمایاں کے لئے ہموار ہو جاتا ہے تاکہ اس کے پردے میں وہ انسان کو حیوان قرار دے کر مادے کا غلام بنا دیں۔ نیکی' عاقبت' یوم حساب اور روح کے عقائد سے نکال کر آج کی روٹی کی طلب کو مفقود بنا دیں اور جب آج کی محنت سے

آج کی روٹی مل جائے تو ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر سو جائیں کہ اس کے بعد انہیں اپنے گردوپیش سے کوئی غرض نہیں۔ وہ ایک ہی خدا کے پجاری ہیں "وطن' وہ ایک ہی دعا مانگتے ہیں۔ روٹی' وہ ایک ہی اصول کو جانتے ہیں "لادینیت' وہ ایک ہی مقصود کو پہچانتے ہیں' دنیا کے ہر انسان کو اپنی طرح مادہ پرست بنا دیں۔ ان کی ایک ہی بائبل ہے۔ "سرمایہ" ا نکا ایک ہی عملی پیغمبر ہے۔ لینن! اس حقیقت کے بارے میں کمیونزم کے دوسرے بڑے بت ٹراٹسکی نے 1918ء میں لکھا:

تمام مذاہب کے علماء دوسری دنیا کی جنت کی آرزو میں بھاگتے پھرتے ہیں اس مقابلے میں ہم اس دنیا میں انسان کے لئے حقیقی جنت بنانے کے درپے ہیں۔ ہمیں اس عظیم مقصود سے ایک لمحے کے لئے بھی بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔ یہ مقصود ان تمام پاکیزہ مقاصد سے بلند تر ہے جو انسانیت نے کبھی اپنا مطمع نظر بنایا۔ قدیم مذاہب کی تعلیمات کو لیجئے گا۔ عیسیٰؑ کے پیغام کو لیجئے' اس کے پاکیزہ ترین' حسین ترین اجزاء ہمارے سماجی پیغام میں سوئے ہوئے ہیں۔"

کیا یہ حقیقت حیرت انگیز نہیں کہ کمیونزم کا خالق مارکس بھی یہود تھا اور اس کے دو عظیم ترین پجاری لینن اور ٹراٹسکی بھی یہودی تھے۔ روسی کمیونزم کو معنی عطا کر کے روس کو دشمن عناصر سے پاک کرنے والا مردِ آہن سٹالن ایک یہودی ماں کی آغوش کا پروردہ تھا۔ ہمارا مقصد ان حقائق سے پردہ ہٹا کر یہودی ذہنیت کو بے نقاب کرنا ہے کہ سرِدست ہمیں کمیونزم یا سوشلزم سے براہِ راست کوئی علاقہ نہیں۔

جرمنی مفکر گستاف لی بان اپنی تصنیف "سوشلزم کی نفسیات" "میں کمیونزم کی شکست" کے موضوع پر لکھتے ہیں:

جس امر نے سوشلزم کو اس قدر خطرناک بنا دیا ہے وہ یہ نہیں کہ اس نے لوگوں کی روحوں میں اس قدر بے معنی تبدیلیاں کی ہیں۔ بلکہ وہ زبردست تغیرات ہیں جو اس نے حکمران طبقے کی روحوں میں برپا کر دیئے ہیں۔ آج کے درمیانی طبقات اپنے حقوق کے بارے میں متزلزل ہو چکے ہیں۔ انہیں کسی بات کا یقین نہیں رہا۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ اپنا تحفظ کس طرح کریں وہ ہر بات کو سنتے ہیں اور اس سے پریشان ہوتے ہیں وہ بڑے مقرر کی آواز سے کانپ اٹھتے ہیں یعنی کہ اقدار سے محروم عوام تقریروں کے فریب سے حرکت میں آ جاتے ہیں اور ان کا نزلہ درمیانی طبقے پر جو بقول مارکس سماج کی ریڑھ کی ہڈی کا کام دیتا ہے' گرتا ہے۔ ان میں ارادے کی پختگی کا مادّہ مفقود ہو چکا ہے۔ وہ نظم وضبط کی پابندی اور موروثی جذبات کی وحدت سے محروم ہو چکے ہیں' جو ہر سماج کی بنیاد ہوتے ہیں اور جن کے بغیر آج تک کوئی انسانی جمعیت باقی رہنے کے قابل نہیں پائی گئی۔

لیکن یہود علم اور پراپیگنڈہ کے استاد ہیں۔ انہوں نے انسانی ذہن کو آلودہ کرنے کے لئے ہر ہتھیار اپنی تحویل میں لے لیا۔ انہوں نے مذاہبِ عالم کے خلاف وہ زہر اگلا کہ کٹر سے کٹر' متعصب سے متعصب' جاہل سے جاہل' یہاں تک کہ غاروں میں بسنے والے جہلا بھی ان سے دانستہ یا نادانستہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انہوں نے دنیا کی ہر قدر' ہر مقصود کو پامال کیا اور اس کی جگہ انسان کو شراب' ہوس' چرس' فریبِ نفس' فریبِ علم اور فریبِ حیات کے کھلونے دے دیئے۔ اس سب کو آج کا یورپ' امریکہ اور دوسرے

غیر کیمونسٹ ممالک ترقی کا نام دیتے ہیں لیکن ترقی کیا ہے۔ اسکے بارے میں جے بی بری اپنی کتاب "ترقی کا نظریہ" میں لکھتے ہیں:

"ترقی کا تصور اس قسم کا ہونا چاہئے کہ وہ نہ صرف مستقبل میں لامحدود تک پھیلتا نظر آئے بلکہ بذاتِ خود محفوظ و یقینی بھی ہو۔ یہ اس نظریئے کی دوسری بنیادی شرط ہے۔ اس نظریئے کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی اگر مستقبل کی ترقی کا پس منظر محض قیاس یا غیر متعین حد تک کسی خارجی ارادے پر مبنی ہو۔"

آج کی دنیا دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک طرف جمہوریت کے مدعی ہیں جن کی طاقت ان جاہل، بے دست و پا، بے سروسامان گندی گلیوں اور تاریک گھروں کے مکینوں کے ہاتھ میں ہے جنہیں وطن، مذہب، اقدار، انسانیت اور شرافت کی حقیقت کا علم بھی نہیں، دوسری طرف کیمونزم کے محنت کش، فیکٹریوں کے مزدور اور کسان ہیں، جنہیں عقل و فہم سے محروم کر کے ایک مشینی طاقت بنا دیا گیا ہے۔ ایک اندھی طاقت، جو سیلاب کی طرح بپھری ہوئی ہے۔ مذاہبِ عالم سر بگریبان ہیں۔ انسانیت معدوم ہو چکی ہے۔ دنیا کے ہر ملک کے نوجوان بغاوت کر رہے ہیں۔ اپنے اب وجد سے، اپنے ماحول سے، اپنی صدیوں کی اقدار سے۔ وہ چمکدار شے کو سونا سمجھنے پر مجبور ہیں اور ان سب طاقتوں کے ہاتھوں میں جدید ترین فیکٹریوں کی مصنوعات، ان کے آسمانوں پر پرواز کرتے ہوئے جہاز ان کے میدانوں میں چپ راست کرتی ہوئی فوجیں، ان کے شہروں میں دھواں اگلتی ہوئی چمنیاں، آسمانوں سے باتیں کرتی ہوئی عمارتیں۔ یہ سب کچھ کیا ہے۔ تہذیب، تمدن، صداقت، اس سب کا مستقبل کیا ہے؟ یہ سب کس کا کیا دھرا ہے؟ ان سوالوں کو پوچھنے، سمجھنے، سوچنے اور ان کا جواب دینے کی کسی کو فرصت نہیں کہ ان کا جواب دو عظیم جنگیں، ایٹمی دھماکے، چاند پر پہنچنے والے راکٹ دے چکے ہیں اور انکا جواب سننے والے حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے ہیں۔ اس سارے ہنگامے میں صرف ایک قوم ہے جو اپنے مذہب کے نام پر جنگ کر رہی ہے۔ اپنے مذہب کے نام پر اپنا وطن حاصل کرنے کے لئے ساری دنیا کو انگلیوں پر نچا رہی ہے۔ وہ کسی سے اپنا حق نہیں مانگتی۔ وہ حق لینا جانتی ہے کہ اب اس کے سامنے ساری دنیا کے انسان کیڑوں مکوڑوں سے کمتر ہیں۔

مشہورِ عالم مفکر تاریخ پسینگلر نے اس مادی ترقی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا

"یورپ کے تکنیکی اصولوں کی عمومیت، اس کی اقتصادی فضیلت کو ختم کر دے گی۔ اس کی تکنیکی معلومات میں اضافہ نہیں ہو سکے گا۔ تکنیک ایک ہتھیار ہے۔ شیطانی تہذیب کو کچلنے کے لئے۔ لاٹھی کی طرح کہ جب اس کا مقصد پورا ہو جائے تو اسے پھینک دیا جائے۔ میکانیکی تکنیک شیطانی انسان کو ختم کر دے گی اور خود بھی ختم ہو جائے گی اور پھر ریل اور بحری جہاز خواب و خیال ہو جائیں گے۔ اسی طرح جس طرح روما کی سڑکیں اور دیوارِ چین یادگار بن کر رہ گئیں۔ تکنیکی تاریخ اپنے انجام کو پہنچنے والی ہے کہ یہ اندر سے کھوکھلی ہے مردہ ہے؟" (آدمی اور سائنس)

یہی کھوکھلی اور مردہ تیکنیک آج انسان پر حکمران ہے۔ انسان جو نفسیات اور سائنس دونوں کی رو

سے حیوان ہے۔ آج مشینوں کی گراریوں میں گندم کی طرح پس رہا ہے۔ وہ اپنے ماضی سے کاٹ دیا گیا ہے اس طرح کہ اب مستقبل کے خوابوں کو اوہام بنانے کے لئے اپنے گھر اور بچوں کو محبت کی شفق کے بجائے وہ بجلی کے چراغوں سے روشن کرنے لگا ہے۔ اس کا دل نورِ حق سے فروزاں ہونے کے بجائے ہوس اور شہوت کے انگاروں سے دہکایا گیا ہے۔ اس کا سکون خدمتِ خلق اور پاکبازی کے بجائے شراب، نفس اور دوسروں کی حق تلفی سے عبارت ہے۔ ہوس اور خود غرضی اس کے مقصود بھی ہیں اور وسائل بھی۔ اشتہار بازی اور ملمع سازی کی اس تجارت کا پیمانہ ہیں۔ کیا یہ وہی انسان ہے جسے خدا نے اپنا نائب ٹھہرایا تھا۔ جو اشرف المخلوقات قرار پا کر ابلیس کے حسد کا باعث بنا تھا۔ جس کے لئے دنیا کی تمام نعمتیں ارزاں کی گئیں جسے جنّت کی بشارت دی گئی تھی۔ نہیں یہ انسان تو یہود کا کھلونا ہے اور یہود خود اپنے یہوواہ کو اپنے لئے مخصوص کئے بیٹھا ہے تاکہ آسمانی بادشاہت زمین پر اتر آئے تاکہ یروشلم اس بادشاہت کا دل بن جائے، تاکہ وہ ہر ملک اور ہر قوم کے لوگوں سے انتقام لے سکے۔ انتقام! صدیوں کے استحصال کا انتقام !!

بیسویں صدی

انیسویں صدی میں یہود کی سازش نے مجوسی نظریات کے فروغ سے بادشاہوں کو اپنی بساط سے شطرنج کے مہروں کی طرح ختم کر دیا اور مغربی یورپ میں جمہوریت کے نام پر جاہل 'ان پڑھ عوام کو ووٹ کا حق دے کر ایک ایسا نظام قائم کروا دیا جس میں کسی ایک کے ہاتھ میں لامحدود طاقت مرکوز نہ ہو سکتی تھی لیکن انہیں ایک اور مصیبت نے گھیر لیا' ان پڑھ عوام سے ووٹ حاصل کرنے کے لئے سیاسی جماعتیں اپنے انتخابی منشور میں بلند بانگ دعوؤں سے کام نہ لے سکتی تھیں کہ عوام ان کاغذی باتوں کو سمجھنے سے قاصر تھے اس لئے انتخاب جیتنے کے لئے ایسے حربے استعمال کئے جانے لگے 'جن کا عقیدت یا سیاست سے دور کا واسطہ بھی نہ ہوتا۔ لوگ ابھی تک فلسفے ' سائنس اور دوسرے علوم سے پوری طرح بہرہ ور نہ تھے لیکن وہ اتنا ضرور دیکھتے تھے کہ فیکٹریوں میں کام کرنے والے ' زمینوں کا سینہ چیرنے والے ' کانیں کھود کر لوہا اور کوئلہ نکالنے والے اپنی جانوں پر کھیل کر بھی دو وقت کی روٹی مشکل سے حاصل کرتے ہیں لیکن ان کے وطن میں غاصبوں کی طرح دھرنا مار کر بیٹھنے والے 'خود کو لاوطن سمجھنے والے ' عوامی مقاصد سے ہمدردی نہ رکھنے والے یہود ' عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی اور تجارت پر قابض ہیں۔ امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتے ہیں۔ انہیں اعلیٰ مقامات پر رسائی ہے 'وہ ملکوں ملکوں کے معاملات میں مداخلت کرتے ہیں۔ وہ حکومتوں کو قرضہ دے کر اپنا مطیع بناتے ہیں اور اپنا مخصوص مذہبی شعور لئے لئے پھرتے ہیں۔ یہ فیکٹریوں اور بنکوں کے مالک ہیں' روپیہ لگاتے ہیں اور کئی گنا روپیہ کماتے ہیں۔ انہیں دلچسپی ہے تو اپنوں سے ' یا پھر یروشلم سے ' جس سے وفاداری کا عہد وہ ہر روز تازہ کرتے ہیں " یروشلم! اگر میں تجھے بھول جاؤں تو میرا دایاں ہاتھ اپنی

عیّاری بھول جائے۔"

عوام کی یہود سے ویسے بھی صدیوں پرانی دشمنی تھی۔ وہ خدا اور چرچ سے بغاوت کرنے کے بعد بھی عیسیٰؑ اور خدا کے پرستار تھے۔ عیسیٰؑ جسے یہود نے صلیب پر چڑھایا۔ چنانچہ انتخابات کے موقع پر ہر ملک کا سیاسی نمائندہ اپنے ملک اور علاقے کی پس ماندگی کے لئے یہود کو ذمہ دار ٹھہراتا۔ مخالف امیدوار کو یہودی یا یہود نواز قرار دیتا اور عوام کا ترجمان بن جاتا۔ چنانچہ ہر انتخابی مہم میں یہ بات ایک بار پھر دوہرائی جاتی۔ "ہر مصیبت یہودیوں کی پیدا کردہ ہے۔ اس رویّے کی وجہ سے مغربی یورپ میں ایک تحریک ابھری جسے "سامی کش" (ANTISEMITISM) تحریک کہا جاتا ہے اور جو آج بھی اس شدومد سے جاری ہے کہ روس کے نامور یہودی ادیب ایلیا اہرن برگ نے اعلان کیا کہ "جب تک ایک سامی بھی موجود ہے میں خود کو یہودی کہتا رہوں گا۔"

اس تحریک کو اتفاقات اور واقعات نے بھی ہوا دی۔ 1870ء میں فرانس کی تجارتی منڈیوں میں بحران پیدا ہو گیا۔ سرمایہ یہودیوں کے ہاتھ میں تھا چنانچہ وہ اس بحران کے مجرم بھی ٹھہرے۔ اسی دور میں ایک جرمن ولیلم مار نے ایک کتاب لکھی "یہود کی جرمن پر فتح" غیر مذہبی نقطۂ نظر سے محاسبہ یہ کتاب سامی کش تحریک کی بائبل بن گئی۔

فرانس میں یہود کے خلاف نفرت کی آندھی جرمنی تک پھیل گئی اور بیس برس تک ملک کی سیاسی زندگی کو متاثر کرتی رہی۔ اس سلسلے میں کئی مذہبی اور غیر مذہبی تحریکیں یہود کے خلاف ابھریں۔ یہاں تک کہ ان کا حلقۂ اثر کالجوں اور یونیورسٹیوں تک پھیل گیا۔

جرمن قوم سیاسی وحدت، آریائی نسل اور دوسری اقوام پر اپنی سرفرازی کے نشے سے چور تھی۔ اس جذبے نے عیسائیت کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا کہ وہ بھی یہودیت کی پیداوار تھی لیکن حضرت عیسیٰؑ کو اس سے مستثنیٰ قرار دینے کے لئے آریائی ثابت کیا گیا کہ آپ یروشلم کے بجائے جلیلہ کے باشندے تھے۔ اس شعور کو پروان چڑھانے کے لئے جرمن فلسفی اور مؤرخ تریشکے (TREITSHKE) نے بڑا کام کیا۔ اس کا مقولہ تھا "یہودی ہماری بدقسمتی ہیں"

فرانس میں یہود نے طاقتور اور وقیع وزیرِاعظم کلیمنشو کو خریدا اور اس کی وساطت سے پانامہ شہر بنانے کا ٹھیکہ لیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے اتنا روپیہ خورد برد اور غبن کیا کہ فرانس کے ہزاروں حصے دار پائی پائی کو محتاج ہو گئے۔

اس سے سامی کش تحریک کو بے حد تقویت پہنچی، لیکن یہ نفرت سرمایہ دار یہود کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ اس کے علاوہ وہ یہود جو سرکاری ملازمتوں میں اعلیٰ عہدوں اور فوجی مہمات پر مامور تھے۔ فرانسیسی حکومت کے خفیہ کاغذات دشمن حکومتوں کے ہاتھ بیچتے اور بڑی بڑی رقمیں حاصل کرتے۔ اس سلسلے میں ایک یہودی کپتان الفرڈ ڈریفس کا نام بہت مشہور ہے جس کا بغاوت کے جرم میں کورٹ مارشل کیا گیا تو انہوں نے ساری دنیا میں ظلم کے خلاف ہنگامہ برپا کر کے آخر کار اسے بری کروایا اور ترقی دلوا کر دوبارہ

فوج میں اعلیٰ تر مقام دلوایا۔

یہ اور اس قسم کے واقعات فرانس میں یہود کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکاتے رہے لیکن یہودیوں کی پشت پر راتھس چائلڈ کا مضبوط ہاتھ تھا۔ یہ یہودی خاندان جس کی دولت کا شمار نہ تھا فرینکفرٹ' وائنا' لندن' نیپلز اور پیرس میں بینکوں میں شاخیں پھیلائے بیٹھا تھا۔ اکثر حکومتیں اس کے زیرِ اثر یا مقروض تھیں۔ اپنی شاخوں کے حوالے سے راتھس چائلڈ نے پہلی جنگِ عظیم میں جرمن فوج اور اس کے جنگی نقشوں کا راز اتحادی طاقتوں تک پہنچائے اور اس کی قیمت کے طور پر یہود کے لئے فلسطین حاصل کیا لیکن اس سازش کی ہٹلر نے یہود کو وہ سزا دی' اسے یہ قوم قیامت تک فراموش نہ کر سکے گی۔ نازیوں نے جرمنی میں ساٹھ لاکھ یہودیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ اس سلسلے میں یہود نے سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ اپنی بے گناہی اور نازیوں کے مظالم کا رونا رویا لیکن اس کے جرائم کس طرح چھپائے جاسکتے ہیں۔

جرمنی میں یہود کی تباہ کاریاں، سرمایہ داری اور سیاسی عیاری تک ہی محدود نہ تھیں۔ انہوں نے نوجوانوں کے اخلاق بگاڑنے اور جرمن تہذیب کو تخریب میں بدلنے کا بیڑا اٹھایا۔ عریانی اور فحاشی کے ساتھ ساتھ انہوں نے قحبہ خانے اور لواطت کے اڈے قائم کئے۔ ماہرِ جنسیات ہیولک ایلس کے ایک تخمینے کے مطابق برلن شہر میں بیس ہزار لونڈے' جنس فروشی کرتے ہیں۔ جرمن اخبار نویس جولیس سٹریچر نے اس کاروبار کا ذمہ دار یہود ہی کو ٹھہرایا۔

"بین الاقوامی یہود" کے نام سے جیرالڈ سمتھ نے ایک کتاب لکھی' جسے ناپید کرنے کے لئے یہودیوں نے ایک ایک جلد آٹھ آٹھ سو ڈالر میں خرید کر "امیوں" کے ہاتھوں میں پہنچنے سے بچالی۔ اس کتاب میں جرمنوں کے خلاف یہود کی کارگزاریوں پر تبصرہ کرتے ہوئے مصنف لکھا ہے:

"یہود نے ہمیشہ یورپی قوموں کے باہمی مناقشات میں جائز دخل اندازی کی اور امن و جنگ دونوں صورتوں میں اس کے شیریں ثمرات حاصل کئے۔ راتھس چائلڈ خاندان نے ان معاملات میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور دوسرے اہم متمول یہودی خاندانوں کے ساتھ مل کر پہلی جنگِ عظیم میں جرمنوں کو شکست دلانے کے لئے بھرپور حصہ لیا۔ وہ امیر یہودی جو جرمن فوجوں کو خوراک' اسلحہ اور بارود پہنچانے کے ذمہ دار تھے' بدترین سامان ترسیل کرواتے۔ جرمن مزدوروں اور کارکنوں کو ہڑتالیں اور تشدد آمیز مظاہرے کرنے کی ترغیب دلاتے اور اس کارگزاری کو اس خلوص اور صفائی سے سرانجام دیتے' کہ جرمنوں کو ان کے سبوتاژ کا احساس تک نہ ہوا۔ اس پر مستزاد یہ کہ انہوں نے حکومتِ امریکہ پر دباؤ ڈال کر جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے پر آمادہ کر لیا۔ یہ یہود کا انفرادی کمال ہے کہ اول تو وہ جنگ کا میدان گرم کرتے ہیں۔ پھر حریفوں کی امداد کے لئے نکلتے ہیں اور طرفین سے اپنا مفاد حاصل کرتے ہیں۔ جنگ کے اختتام پر فاتح اور مفتوح کے درمیان صلح کی شرائط طے کرتے ہیں اور ہر طریقے میں اپنی جیت کا واضح اطمینان کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ شکست کھانے والے ملک سے بھی اپنے دیئے ہوئے قرضوں کی رقمیں وصول کر لیتے ہیں۔ صلح نامہ ورسیلز اسکی واضح ترین مثال ہے۔"

پہلی جنگِ عظیم میں امریکہ کی شمولیت' امریکی یہودیوں کے شدید تقاضے کا نتیجہ تھی۔ جب جنگ شروع ہو گئی تو امریکی حکومت نے اس سے علیحدگی کا فیصلہ کیا' لیکن یہودی اس میں شریک ہونے کے لئے بے چین تھے۔ انکی یہ خواہش برنارڈ باروچ کی کوششوں سے پوری ہوئی جو صدر ولسن کا دوست اور دست راست تھا اور اس طرح نارضامند امریکی جنگ میں کودنے پر مجبور ہو گئے۔ وہائٹ ہاؤس میں باروچ اس قدر بارسوخ شخص تھا کہ خود کو امریکہ کا ڈزرائیلی قرار دیتا تھا۔ جنگ کے دوران اس نے امریکی کانگرس سے خطاب کیا اور کہا میرے اثر کو امریکہ میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا' یہ فیصلہ کرنا اس تنہا شخص کا کام تھا کہ امریکی قوم اس جنگ میں حصہ لے یا اس سے اجتناب کرے۔ جہاں تک امریکی عوام کا تعلق تھا کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ کسی نے جنگ چھڑنے سے پہلے اس کا نام نہ سنا تھا' لیکن جنگ کے زمانے میں وہ حقیقی معنوں میں امریکہ کا ڈکٹیٹر بن گیا' فی الواقع وہ امریکیوں کی رہنمائی اور انکے طرزِ عمل کا فیصلہ کر رہا تھا۔

جنگ کے بعد صلح کانفرنس میں باروچ نے بڑا اہم کردار ادا کیا' وہ اس کانفرنس میں وفد کے ایک رکن کی حیثیت سے شریک ہوا جو صدر ولسن کی زیرِ صدارت منعقد ہوئی۔ باروچ کے علاوہ بھی کئی یہودی کانفرنس کے خفیہ جلسوں اور نشستوں کا بغور احتساب کر رہے تھے۔

جیسے الڈ سمتھ نے بین الاقوامی یہود میں ایک امریکی یہودی کی خوفناک کارستانی کا پردہ چاک کیا ہے لیکن امریکہ کے ایک یہودی ہفت روزہ نیوز ویک نے اپنی اشاعت بابت 5 جون 57ء میں یہودیوں کے برطانیوں سے خفیہ معاہدے کو از خود طشت از بام کیا ہے وہ لکھتا ہے:

"پہلی جنگِ عظیم کے دوران جرمنی کے خلاف یہود کی اعانت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ حکومت برطانیہ نے بالفور کا اعلان جاری کیا جس میں صیہونی اغراض کی حمایت کا وعدہ کیا گیا تھا۔"

اس امر کی تائید فلسطین رائل کمیشن رپورٹ کے اس اقتباس سے ہوتی ہے "یہودی لیڈروں نے ہم سے یہ حتمی وعدہ کیا تھا کہ اگر اتحادیوں نے فلسطین میں ان کے قومی وطن کے قیام کے لئے سہولتیں بہم پہنچانے کا عہد کر لیا تو وہ اتحادی مقاصد کی حمایت کے لئے یہودیوں کے جذبات اور اعانت مجتمع کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔"

یہ معاہدہ رنگ لایا۔ یہود نے جرمنی کی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ جس ملک میں انہیں پناہ دی گئی' ان کو وطنیت کا حق دیا گیا۔ انہیں تجارت اور کاروبار کے اختیارات دے کر سارے حقوق سونپ دیئے جن کی دولت اور عزت کا دارومدار جرمنوں کے خون پسینے پر تھا۔ انہیں یہود نے اس جرمنی کو ایسے نازک مرحلے پر جُل دے کر اس طرح پامال کیا کہ اسے پندرہ برس تک سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اسے ایسا معاہدہ صلح قبول کرنا پڑا جس کی رو سے وہ سانس تک نہ لے سکتا تھا۔ یہ یہودی سازش کا ادنیٰ سا کرشمہ ہے لیکن یہ واقعہ صرف جرمنی ہی میں رونما نہ ہوا تھا اس سے پہلے مسلمانوں سے انہیں سپین میں کلی اختیارات بخشے تھے۔ بغداد میں مساوی حقوق دیئے' ترکی میں وزارتیں عطا کیں' مصر میں شاہی طبیبِ خاص

تک کے عہدے پر فائز کیا لیکن انہوں نے ہر مقام پر سازشیں کر کے مسلمانوں کے ایمانوں میں رخنے ڈالنے اور ہر مقام پر انہیں بے دست و پا چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی میں یورپ کے دین و مذہب' اخلاق و اقدار' قومیت و وطنیت تک کو تہہ و بالا کر کے وہ فلسطین کی طرف بڑھے تو انہوں نے قبلۂ اوّل کے نگہبانوں کو مسلمان کی حیثیت سے نہیں بلکہ عرب بن کر سامنے آنے کی دعوت دی۔ وہ پہلے عربوں سے نپٹنا چاہتے تھے۔ عرب جن کے سامنے وہ اب بھی "بے حقیقت اور مٹھی بھر ہیں لیکن جن کے خلاف ان کی سازشیں اسقدر دوررس ہیں کہ وہ ان کے سینے پر مونگ دلتے ہیں اور اف تک نہیں کرنے دیتے اور پھر مسلمانوں' دنیا بھر کے مسلمانوں دیکھ لیں گے کہ اس مہم کو سر کرنے کے لئے انہوں نے پہلے ہی سے بندوبست کر رکھا ہے۔ انہوں نے یورپ میں بیٹھ کر فاتحینِ عالم یورپی طاقتوں کا حلیہ بگاڑ دیا تو دنیا بھر کے مقہور اور راندۂ درگاہ مسلمان ان کے سامنے کیا ہیں۔ سمگلنگ' ایل ایس ڈی' شراب' فحاشی' حرص' لالچ' رشوت' پراپیگنڈہ' یہ اور اسی قبیل کے یہودی ہتھیار ہر ملک اور ہر قوم میں آزمائے جا چکے ہیں ان کی تعلیم رائج الوقت سکہ ہے۔ انکی دولت دنیا کی ٹکسال ہے۔ انکا شعور دنیا کا حاکم ہے۔ یہ باتیں جذباتی نہیں حقیقت ہیں اور اس حقیقت کا سراغ لگانے کے لئے ہم ایک بار پھر فلسطین کی صورتِ حال کا جائزہ لیں گے۔

عرب اور یہود

ہم دیکھ چکے ہیں کہ مسلمانوں کے زیرِ اثر ہسپانیہ کے یہود' اپنی تہذیب' مذہب اور انفرادی عظمت و خوشحالی میں دوسرے یہود کے مقابلے میں یہاں تک آگے نکل گئے تھے کہ انہوں نے خود کو سفار دیم اور دوسروں کو اشکنازی کہنا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنے ان بھائی بندوں کو بھی منہ لگانا چھوڑ دیا۔ جو جرمنی' فرانس' اٹلی اور دیگر ممالک میں رہتے تھے۔ پولینڈ' روس اور امریکہ کے یہودی بھی اسی قبیل میں شمار کئے جانے لگے۔ بظاہر یہ تمیز محض تہذیبی نظر آتی ہے لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان ملکوں کے ترقی یافتہ یہودی بھی سفار دیوں کی نظر میں نہیں جچتے اور سفار دی یہودی اپنی سازشوں اور خفیہ تحریکوں کے سلسلے میں ساری دنیا کو روندتے پھرتے ہیں تو گمان ہوتا ہے کہ اس تقسیم کے پردے میں کوئی فتنہ چھپا ہے۔ یہود اپنے رازوں کے سلسلے میں یہاں تک محتاط ہیں کہ کسی بات کی کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتے' کہ ان کا اصول ہے:

"راز کی بات کسی دوست سے نہ کہو کہ اس کا کوئی اور دوست بھی ہے اور اس دوست کا کوئی اور دوست بھی۔"

اس میں مزید حکمت یہ ہے کہ دوستوں میں راز فاش ہونے سے اسکا سراغ لگانا آسان ہو جاتا ہے۔ یہودی جانتے ہیں کہ ردِ سامیت کی تحریک کے زیرِ اثر کسی یہودی پر کسی لمحے بھی مصیبت ٹوٹ سکتی ہے اور وہ مجبوراً راز اگل سکتا ہے اس لئے سفار دی یہودیوں نے یورپ کو انقلابات کی جولان گاہ بناتے ہوئے اپنے اس

گروہ سے علیحدگی اختیار کی، جس کی وفاداری مشتبہ ہو سکتی تھی اور اس پر کوئی خارجی دباؤ پڑ سکتا تھا۔
چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہود کی یہ دونوں شاخیں الگ الگ پروان چڑھیں اور دونوں نے جہاں ایک دوسرے کی سیاسی اور مادی پشت پناہی کی وہاں ایک دوسرے سے اس طرح الگ تھلگ رہے کہ گویا ایک کو ایک کی خبر نہ تھی۔
سفاردیوں نے بڑے بڑے نامور مفکر، فلسفی، اطباء، بنکار، تاجر، سیاست دان اور با اثر لوگ پیدا کیے لیکن جیسے جیسے تعلیم عام ہوتی گئی، اشکنازی بھی ہر طبقے، اور شعبۂ حیات میں اپنا مقام پیدا کرتے چلے گئے اور انہوں نے سفاردیوں کو ہیچ سمجھنا شروع کر دیا۔ اشکنازی یورپ سے نکل کر ایشیا اور امریکہ میں پھیل گئے اور سفاردی سپین سے اسلامی دنیا کی طرف رجوع کرنے لگے۔ اشکنازیوں کی زبان جرمن زبان میں لاطینی کی آمیزش سے پیدا ہو کر یڈش (YIDDISH) قرار پائی۔ اور سفاردیوں کی ہسپانوی آلود لاطینی کا مرکب لادینو بن گئی۔ دونوں لاطینی سے مختلف لب ولہجہ سے بولتے۔ ان اختلافات نے ان کی مذہبی عقائد اور رسومات کی ادائیگی میں بھی مختلف روشیں پیدا کر دیں۔ نازیوں کے اقتدار سے پہلے دنیا میں ایک کروڑ پینسٹھ لاکھ یہودی تھے جن میں ڈیڑھ کروڑ اشکنازی اور باقی سفاردی تھے چنانچہ تمام مہمات کے رہنما اور فعال کارکن اشکنازی طبقے ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ دوسری جنگِ عظیم میں جب نازیوں نے ساٹھ لاکھ یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تیس لاکھ روس میں کیمونزم کے محافظ و نگراں اور اس کی ترویج واشاعت کے ذمہ دار بن گئے اور باقی ساٹھ لاکھ اس طرح منتشر و آوارہ ہوئے کہ ان کی مرکزی قوت محدود ہو گئی تو سفاردیوں کو پھر موقع ملا کہ اپنی ریشہ دوانیوں کا جال پھیلائیں اور ساری دنیا کے یہود کو راستہ دکھائیں۔
سفاردی یہودی اپنی خصوصیات میں منفرد ہیں، ان کے عقائد، عالمی تحریکات اور سازشوں سے اس طرح ملوث نہیں ہوئے۔ جس طرح اشکنازیوں کے ہیں کہ وہ سپین سے مراکش، مصر اور وہاں سے فلسطین کے چار شہروں میں آ بسے۔ یروشلم، ہبرون، سفید اور طابیریہ، یہاں انہوں نے یورپ کی جدید سائنس اور فکر کے غلبے سے ہٹ کر تلمود و تورات کے وظیفے کو اپنا شعار بنایا۔ چھوٹے چھوٹے کاروبار اپنائے اور مذہبی عقیدوں کے علمبردار بن کر دنیا بھر کے یہودیوں کو وفاو پائیداری کا درس دینے لگے۔ انکے نزدیک تورات و تلمود کا ہر حرف ایمان کا جزو جسے آسمانی قدروں کے ساتھ مکمل کرنا ان پر فرض ہے۔ اسی طرح جہاں اشکنازی یہود یورپ کے علم وافکار، نمود ونمائش، نو آبادیات و جدیدیت سے متاثر ہو کر یروشلم کو شہر کے بجائے دل سے تعبیر کرنے لگے تھے۔ وہاں سفاردی اپنے قدیم روایات کے مطابق فلسطین کو یہودیہ یا اسرائیل اور ساری دنیا کو اپنا غلام بنانے کو اپنا مقصودِ حیات ٹھہراتے رہے۔ گویا ایک تقسیم کار تھی، جس کی رو سے اشکنازیوں کو کارگاہوں، عشرت کدوں، محلوں، حکومتوں اور درس گاہوں پر چھاپہ مارنا تھا اور سفاردیوں کو یہود کی بادشاہت پر اپنا تسلط قائم کر کے دنیا کے غلام زادوں کے دل ونظر پر پنجے گاڑ کر قدموں میں جھکانا تھا۔

جہاں تک ان کے مذہب کا تعلق تھا اس کے چراغ کو ہر فکر اور ملک و مذہب نے اپنے خون کا تیل ڈال کر روشن کر رکھا تھا۔ صحرائے سینا میں جو کچھ موسیٰؑ نے انہیں عطا کیا وہ آٹھ سو سال کے عرصے میں سینہ بہ سینہ روایت بن کر رہ گیا تھا۔ یہاں تک کہ 700ق م انہوں نے تورات کو مرتب کرنا شروع کیا تو اس میں ان کے اپنے افکار و تصورات در آئے۔ خمیس موسیٰؑ میں نبیوں کے اقوال کسی نہ کسی طرح سلامت رہ گئے لیکن خود نبی' ان کے رندوں سے چھیلے گئے۔ آج سے دو ہزار سال پہلے انہوں نے عیسائیت کو فروغ دیکر اپنے دین کی شاخ بنانا چاہا تو وہ ان کی دسترس سے نکل کر ایسی شکل اختیار کر گئی کہ انہیں اس کے پیروؤں کے ہجوم نے روند ڈالا۔ اس خود کاشتہ پودے کی نشوونما سے بچنے کے لئے انہوں نے تلمود کو مرتب کر کے ایسے قوانین وضع کئے جس کے جال سے ایک ہزار برس تک یہود قوم باہر نہ نکل سکی۔ یورپ 1500ء میں احیاء علوم اور نشاۃ ثانیہ کا دور دورہ ہوا تو انہیں استحصالی قوتوں کی جڑیں کاٹنے کا موقعہ ملا اور سپین سے قبالہ کی روحانیت کا نیا عقیدہ لے کر مذہب کو ایک نئی جہت پر لے جانے کا شعور حاصل ہوا۔ اس روحانیت کا مرکز یروشلم اور اس کے گردونواح کی پہاڑیوں میں تھا۔ جہاں یہواہ کے نام کا تصور چراغ طور کی طرح ان کی راہوں کو واضح اور متعین کرنے لگا۔ انیسویں صدی کے آواخر میں یہودی مذہب شجر زیتون کے ایک خشک ٹھنڈ سے مماثل تھا۔ جس کے ایک گوشے سے نئی کونپلیں پھوٹتی دکھائی دیتی تھیں۔ ایک بے جان روایت جس میں نمود و نمو کی گنجائش نہ تھی لیکن ماننے والوں کے خون کے آبیاری نے اسے بت کی طرح زندہ رکھا۔ یہ بُت انیسویں صدی کے آخر میں صیہون کے پہاڑ پر نصب ہوا' اور یورپ کے یہودیوں کو واپسی کا پیغام دینے لگا۔ وہ یہودی جن کا دین مصر سے یروشلم کی واپسی نے عطا کیا تھا' دو ہزار سال تک یورپ میں آباد و برباد ہوئے' لیکن ان کی تخم کاری بدستور فلسطین کی مٹی سے وابستہ رہی کہ فلسطین ان کے خیالوں کی جنت بھی تھا اور ارادوں کا مقصود بھی۔ انہوں نے اپنی فضیلت کو برقرار رکھ کر تمام بنی نوع انسان کو ذلیل' ہیچ اور بے حقیقت جانا' کیڑے مکوڑے' جنہیں منہ لگانا انکی شان کے خلاف تھا اور اب جب یورپ کے ایوان ان کی سازشوں سے کھوکھلے ہو کر دھڑام سے گرنے کو تھے انہیں تیزی سے اپنی عظمت کی طرف لوٹنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

ایک جرمن یہودی موسیٰ ہیس (1812-1875) نے صیہونیت کا علم بلند کیا۔ اس نے فلسفے' سوشلزم' سائنس اور مذاہب عالم کی بنیادوں پر اپنے فکر کی تعمیر کرتے ہوئے ثابت کیا کہ دنیا کا مستقبل یہود کے ہاتھ میں ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ فوراً اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کر کے ایسے مقام پر پہنچ جائیں جہاں سے وہ ساری دنیا کا احاطہ کر سکیں۔ مقام! انکے دلوں کا مرکز ان کی مقدّس سرزمین۔ یہواہ کی بادشاہت کا وطن' ہیس نے "روم اور یروشلم" کے عنوان سے ایک کتاب 1862ء میں لکھی جس نے سارے یورپ کے یہود میں آگ لگا دی۔ روسی یہود کی حالت زار نے ویسے بھی انکے حق میں سارے یورپ کے "جمہور" کے جذبات کو مشتعل کر رکھا تھا۔ 1881ء سے 1914ء کے دوران اٹلی اور روس سے بیس لاکھ یہودیوں نے نقل مکانی کی۔ تجارتی اور صنعتی اداروں

نے انہیں جذب کیا لیکن ان میں سے وہ لوگ جو زیادہ متعصب اور تنگ نظر تھے انہوں نے فلسطین کا رخ کیا۔ یورپ کے یہودیوں نے "اتحادِ عالمیٔ یہود" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ جس نے کروڑوں پونڈ جمع کر کے روس سے آنے والے ہزاروں پناہ گزینوں کی آباد کاری کا اہتمام کیا۔ ان کی اکثریت نے امریکہ کا رخ کیا اور وہاں بھی یہود پناہ گزینوں کی امداد کے لئے سوسائٹی قائم ہو گئی۔ اس صورتِ حال نے امریکہ ' برطانیہ ' جرمنی ' کینیڈا ' جنوبی افریقہ اور جنوبی امریکہ میں ارجنٹائن میں یہودیوں کے گڑھ بنا دیئے۔ یہ لوگ جب آئے تو کوڑی کوڑی کے محتاج تھے ' چندے پر پلتے تھے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اتنے خوشحال اور فارغ البال ہو گئے کہ انہوں نے نیویارک ' برلن اور لندن کی تجارتی منڈیوں پر قبضہ کر لیا اور جہاں جہاں ان کے لئے دولت کمانے کے مواقع کم تھے ' وہاں نئی فیکٹریاں اور نئے کاروبار فروغ پانے لگے۔

فلسطین

پُرامن ماحول نے یہود کو ہمیشہ شیطنت پر اکسایا۔ بغداد میں انہیں برابر کے حقوق حاصل تھے' انہوں نے اسلام کے بنیادی عقائد میں تھگلی لگا کر اسے جڑ سے اکھیڑنا چاہا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اس دین مبین کا محافظ خود خدائے بزرگ و برتر ہے' تو انہوں نے اپنی توجہ کا مرکز اپنے محسنین یعنی عباسی حکمرانوں کو بنایا اور ان کی دنیا و عاقبت ہر دو کو تاریک کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔

روم نے انہیں پناہ دی تو اس عظیم سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس پر عیسائیت کی چھاپ لگا دی۔ سپین میں انھیں عروج اور خوشحالی حاصل ہوئی یہاں تک کر ان کے پیرو کار وزیر اعظم کے مقتدر عہدے تک پہنچے تو انہوں نے سپین سے اسلام کو بر طرف کر کے مسلمانوں کا قتل عام کروا دیا۔ فرانس میں انقلاب برپا کروا کر انہوں نے اپنے لئے شہری حقوق اور بادشاہت کے لئے تختۂ دار حاصل کیا۔ روس میں اقتدار اور زار کے تمام خاندان کے لئے موت کا پروانہ صادر فرمایا۔

یہ برادران یوسف' یہ فرزندان یعقوب' بھائی کے دشمن' باپ کو رلا رلا کر اندھا کرنے والے' اب یورپ اور امریکہ کی قسمتوں کے مالک تھے۔ اب عیسائیت بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکتی تھی۔ یورپ کو اپاہج اور بے ضرر بنا کر "ویٹکان" کی برجی میں بند کر دیا گیا تھا۔ دو ہزار برس کے بعد انہیں فلسطین پر اپنا تسلط قائم کرنے کا خیال آیا کہ اس مرکز پر دنیا ان کی گود میں پکے ہوئے انگور کے خوشے کی طرح گر سکتی تھی۔

موسیٰ ہیس نے جس یہودیت کو صیہونیت کی راہ دکھائی تھی اسکی فکر کے دھارے مل کر فلسطین کی طرف بہنے لگے۔ اس سلسلے میں کئی کتابیں لکھی گئیں۔ آسٹریا' روس' جرمنی ہر جگہ یہودی مفکرین اپنی

یہودی ریاست قائم کرنے کے سلسلے میں پروپیگنڈہ کرنے لگے۔ یہ لوگ جو دو ہزار برس سے یورپ کو لوٹ کر کھا رہے تھے' یورپی فکر کو پستی کی طرف دھکیل رہے تھے' کسی زمانے میں بھی یورپ کے نہ ہوئے۔ وہ اپنے ماحول سے متاثر بھی ہوئے' تباہ و برباد بھی ہوئے لیکن نسل' بعد نسل' عہد بہ عہد ان کو ایک ہی دُھن کشاں کشاں لئے جاتی رہی' کہ وہ فلسطین میں اپنا جھنڈا گاڑ دیں گے۔

ایک تو اس لئے کہ وہ دوسروں کو یہودی بنا کر یہودیت کو اتنا عام کرنا نہیں چاہتے تھے کہ وہ کسی ملک کا سرکاری مذہب بن سکے' اس کی ایک بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کے نزدیک یہودیت' یہولا کا انعام خاص تھی جس کا سزاوار ہر شخص نہیں ہو سکتا تھا کہ یہودیت ماں کے دودھ کے ساتھ خون میں شامل ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ جو اس کے عقائد کو تسلیم بھی کر لے' اس مذہب کا پیرو کار نہیں بن سکتا۔ یوں دیکھا جائے تو یہ قوم بذاتِ خود انسانیت کے خلاف سازش کی حیثیت رکھتی ہے کہ اس کا موقف ہی دوسروں کو غلام بنانا ہے۔ اس سازش کے ساتھ ساتھ انہوں نے کئی خفیہ تحریکوں سے دوسروں کے مذاہب اور عقائد کو تباہ کرنے کا بیڑہ اٹھا رکھا تھا جن میں فری میسن (FREE MASON) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں جو لوگ شریک ہوئے انہیں حلف اٹھانا پڑتا۔ بڑی بڑی آزمائشوں کے بعد انہیں اگلے مراتب ملتے' اعلیٰ عہدوں پر فائز کئے جاتے اور اگر ان میں کوئی راز فاش کرنے کی جرأت کرتا تو اسے نہایت پراسرار طریقے پر ٹھکانے لگا دیا جاتا تاکہ دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو۔ یہ تحریک انیسویں اور بیسویں صدی میں حسن بن صباح کی "حشیش" سے کمتر نہیں' لیکن کمال یہ ہے کہ اسے دنیا کے ہر بڑے شہر کے دل میں جگہ حاصل ہے اور دنیا کی کوئی حکومت اسے ختم کرنے کی جرأت نہیں کر سکی۔

سازشوں کے وسیع جال بننے کے بعد اب وہ فلسطین یں مرکزی حیثیت سے مستقل ہونا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں 1887ء میں روسی یہودیوں نے "فدائین صیہون (LOVERS OF ZION) کے نام سے ایک پارٹی کی بنیاد رکھی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس سے چھ برس پیشتر زار ایلگزنڈر ثانی کے قتل کا الزام انہی پر لگا تھا اور روس میں ان کی جو درگت بنی تھی اسکے بعد سے ان کی جمعیت بھی پارہ پارہ ہو چکی تھی اور ان کی اکثریت بھی روس سے بھاگ کر امریکہ اور مغربی یورپ کے شہروں میں پناہ لے چکی تھی۔ یہ دیدہ دلیری اس قوم کی ہے کہ زار کو قتل کرنے کے بجائے اپنے مستقبل کا تصور سامنے رکھ کر "فدائین صیہون" کا نعرہ لگایا۔ بعض روسی یہودی فلسطین آپہنچے اور انہوں نے طابریہ سفید اور یروشلم میں زمین خریدنے اور مکان بنانے کیلئے خلافت عثمانیہؒ سے اجازت چاہی۔ اجازت کے اس پروانے کو حاصل کرنے کیلئے انہوں نے رشوت اور سازش دنوں سے کام لیا لیکن ان تمام سہولتوں کے باوجود جو تُرک حکومت نے یہودی اور عیسائی زائرین کو دے رکھی تھیں' انہیں فلسطین میں آباد کاری کی اجازت نہ ملی۔ وائنا کے ایک یہودی فلسفی اور صحافی تھیوڈور ہرزل نے فرانس میں یہودیوں کے خلاف عوام کے مظاہرے دیکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ جب تک یہودیوں کو اپنا وطن نہیں ملتا' انہیں سکون نصیب نہیں ہو سکتا فرانس میں ایک یہودی کپتان ڈرائفیس کے خلاف سخت غم و غصہ پایا جاتا تھا' کیونکہ اس نے حکومت

کے راز بیچ دیئے تھے جو کسی خوددار قوم کو قابل قبول نہیں ہو سکتا لیکن ہرزل یہود کے اس مقولہ پر کاربند تھا

"اپنے مقصود کو حاصل کرنے کے لئے ہر حربہ جائز ہے
زر' زن' زمین' رشوت' شراب' فحاشی یہ کام نہ
کریں تو قتل "

چنانچہ ہرزل نے "یہودی ریاست" کے نام سے 1897ء میں ایک کتاب لکھی۔ اسے کئی روسی پناہ گزین ہم خیال ملے جن سے مل کر اس نے اسی سال باسکے میں یہود کی ایک کانفرنس بلائی۔ جس میں یہودی مورخ' ربی' باغی' سوشلسٹ' نیشنلسٹ' طلبہ مزدور' تاجر غرضیکہ ہر طبقے کے دو سو نمائندے شامل ہوئے اور انہوں نے طے کیا کہ یہودی قوم کے لئے فلسطین میں وطن حاصل کیا جائے اور اس کے لئے قانونی وسائل استعمال کئے جائیں۔

ہرزل کے خیال کے مطابق ساری دنیا کے یہود کو اس کے لئے کام کرنا چاہئے' فضا ہموار کرنی چاہئے! اور ترک حکومت سے اسکی اجازت لے کر فلسطین میں یہود کی آبادکاری کا سلسلہ شروع کر دیا۔ فلسطین میں 1838ء سے ایک برطانوی کونسل موجود تھا' چنانچہ انہوں نے انگریزوں کو ساتھ ملانے کی سازش کی اور مشہور یہودی ڈاکٹر ویز مین کے ذریعے 1901ء میں یہودی قومی فنڈ قائم کر کے "سازش' رشوت اور عملی اقدامات" کے لئے تیاری شروع کر دی۔ 1906ء میں ہرزل نے ترکی کے سلطان عبدالحمید سے فلسطین میں "اسرائیلی ریاست" کے لئے ساز باز کرنا چاہی اور اس سلسلے میں دولت اور لالچ کے تمام ہتھیار استعمال کئے لیکن ترکوں نے قسطنطنیہ میں یہود کو اختیارات دے کر جو دکھ اٹھائے تھے اور وہاں ان کی سازشوں نے جو گل کھلائے تھے' اس کے پیش نظر سلطان ان کی حقیقت خوب سمجھتا تھا۔ لہٰذا اس نے یہ سودا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

1902ء میں عربوں اور ترکوں میں جنگ چھڑ گئی' اسی سال شاہ سعود نے ریاض فتح کر لیا۔ انگریز شاطر ایک عرصے سے ترکی کو "مرد بیمار" سمجھ کر ختم کرنے پر تلا بیٹھا تھا۔ اس نے لارنس آف عربیا (LAWRENCE OF ARABIA) جیسے عیار کو آگے کیا' تاکہ خلافت عثمانیہ کو ختم کر کے مسلمانوں کی مرکزیت اور جمعیت کو منتشر کر دے۔ انگریز شاہ سعود کی پشت پناہی کرتے رہے' یہود ان کے پیچھے اس آس پر لگے رہے کہ ترکوں کی شکست کے بعد فلسطین انہیں مل جائے گا۔ یہ صورتِ حال تھی کہ پہلی جنگِ عظیم چھڑ گئی۔

پہلی جنگِ عظیم نے یہود کو سوچ میں ڈال دیا کہ وہ کس کا ساتھ دیں' وہ ترکی' برطانیہ' جرمنی' فرانس' روس' غرضیکہ ہر ملک میں موجود تھے لیکن اپنے ہی مفادات کے وفادار تھے' انہیں کسی ملک سے ہمدردی یا فتح و شکست سے کوئی سروکار نہ تھا اور اپنی عیاری اور بنکاری پر فخر تھا۔ چنانچہ جہاں "راتھس چائلڈ" نے جرمنی اور برطانیہ دونوں کو قرضے دے کر اپنا خیر خواہ بنا لیا تھا' وہاں یہودیوں نے برطانیہ کو

جرمنی کے فوجی راز مہیا کرنے کا یقین دلایا اور اس طرح ان سے عہد کر لیا کہ جنگ کے بعد وہ انہیں فلسطین میں اپنی ریاست قائم کرنے میں مدد دیں گے' اس سلسلے میں لارڈ بالفور نے راتھس چائلڈ کو ایک خط لکھا جس کا متن مندرجہ ذیل ہے:

دفتر خارجہ

2 ر نومبر 1917ء

ڈیئر لارڈ راتھس چائلڈ'

میں ہز مجیسٹی کی حکومت کی طرف سے یہودی صیہونیت کے تقاضوں سے ہمدردی کا اعلان آپ کو پہنچاتے ہوئے بڑی خوشی محسوس کرتا ہوں جسے کابینہ کے سامنے پیش کیا گیا اور اس کی تائید بھی حاصل کی گئی۔

ہز مجیسٹی کی حکومت فلسطین میں یہودی قوم کے "قومی وطن" کے قیام کو حمایت کی نظر سے دیکھتی ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سہولتیں بہم پہنچانے کی انتہائی کوشش کرے گی۔ یہ بات واضح طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ فلسطین میں موجودہ غیر یہودی قوموں کے شہری اور مذہبی حقوق کو متاثر کرنے کے لئے یا یہودیوں کے ان حقوق اور سیاسی حیثیت کے خلاف جو انہیں دوسرے ملکوں میں حاصل ہیں' کوئی اقدام نہیں کیا جائے گا۔ ممنون ہوں گا اگر آپ اس اعلان کو صیہونی فیڈریشن کے علم میں لے آئیں۔

آپ کا مخلص

آرتھر جیمس بالفور

یہ خط 1917ء کے نومبر میں لکھا گیا' اس سے دو سال قبل 1915ء میں انگریزوں نے اسی قسم کا معاہدہ شریف مکہ سے بھی کیا۔ اس کے برطانوی سفیر سر ہنری مکموہن نے امیر مکہ شریف حسین کو خط لکھ کر یقین دلایا تھا کہ فلسطین کو سعودی عرب میں شامل کیا جائے گا۔ شریف حسین نے فلسطین کے علاوہ شام اور میسوپٹامیہ (عراق عرب) کو بھی عرب میں شامل کرنے کا مطالبہ کیا تھا' تاکہ بحیرہ قلزم کو مغربی سرحد کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔

عربوں کا کہنا یہ تھا کہ سر مکموہن نے ان کے اس مطالبے کو اس معمولی اختلاف کے ساتھ قبول کر لیا تھا کہ دمشق' حمص اور علی پور کے اضلاع اس معاہدے سے خارج سمجھے جائیں گے۔ انگریزوں نے حسبِ معمول اپنی سیاسی قلابازیوں سے اس استثنٰی میں فلسطین کو بھی شامل کر لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک ہی گھوڑے کو دو خریداروں کے پاس بیچا اور خود کو مصیبت میں ڈال لیا۔ اب عرب اور یہود دونوں فلسطین کے لئے جھگڑنے لگے اور یہ خطہ حقیقی معنوں میں "ارض موعود" بن کر رہ گیا۔

جنگِ عظیم اوّل کے خاتمے نے خلافتِ عثمانیہ کا کانٹا یورپی طاقتوں کے دل سے نکال دیا کمال اتاترک نے اگرچہ ترکی کو سنبھال لیا لیکن امید کی وہ کرن بھی غروب ہو گئی' جس کے سبب مسلمان خود کو ایک لڑی میں سمجھتے تھے اور وہ عظیم وحدت جس کا ادنیٰ سا سہارا خلافتِ عثمانیہ نے مہیا کیا تھا' ختم ہو گئی۔ یہود نے بالفور کے اعلان کا خیر مقدم کیا' اور امریکہ کو برطانیہ کی حمایت پر اکسا کر میدانِ جنگ میں لا کھڑا کیا۔ ترکی اور جرمنی کے راز اتحادیوں کو بہم پہنچائے' یہودی رہنما ڈاکٹر ویزمین نے بارود میں ایک کیمیاوی عنصر دریافت کر کے انگریزوں کے حوالے کیا۔ جسے ان کی خوشنودی حاصل کرنے میں بڑا دخل ہے۔ برطانیہ کو یہودی کے اس تعاون کا بہر طور حق ادا کرنا تھا لیکن عربوں نے ترکوں کو اپنے علاقوں سے نکالنے کے لئے جو خون دیا تھا' برطانیہ کے لئے اس کی قیمت ادا کرنا بھی ضروری تھا۔ انھوں نے عرب' ترک منافرت کا زہر گھول کر مسلمانوں کے حصے بخرے کئے اور عربوں سے کئے گئے اپنے وعدوں سے روگردانی کر کے اتحادی فرانس کو شام کا ساحلی علاقہ اور عراق و فلسطین کو برطانیہ کے زیرِ اثر رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے کو روس کی تائید بھی حاصل تھی جس پر لینن کا پرچم لہرا رہا تھا۔ اس معاہدے کی رو سے یہ بھی طے پا گیا کہ فلسطین کے ان علاقوں کو بین الاقوامی انتظامیہ کی تحویل میں دے دیا جائے' جن میں مقاماتِ مقدسہ شامل ہیں۔

1917ء میں ویزمین صیہونی تحریک کا مسلّمہ رہنما بن چکا تھا اس نے "آر یجنی بم" بنا کر برطانیہ پر بڑا احسان کیا تھا۔ 1917ء میں جب انگریزوں نے جنرل ایلن بی کی قیادت میں فلسطین کو فتح کر لیا تو وہ بھاگ کر یروشلم پہنچا' تاکہ جنگ ختم ہوتے ہی بالفور کے وعدے کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ اس نے شریف مکہ کے فرزند امیر فیصل سے بات چیت کی اور انہیں سبز باغ دکھا کر فضا ساز گار بنانا چاہی' لیکن اسے کوئی نمایاں کامیابی نہ حاصل ہو سکی۔ ملک کے عرب عوام بالفور کے لکھے پر مہرِ تائید ثبت کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ انگریزوں نے شرارت یہ کی کہ فلسطین کی کل آبادی سات لاکھ تھی جس کی بھاری اکثریت عربوں پر مشتمل تھی۔ صیہونی ہائی کمشنر نے یہود کی آباد کاری کرنا چاہی تو صیہونی تحریک بارہ ہزار یہودی کاشت کاروں کو صحرا میں لے جا سکی۔ وہ یہود جو برطانیہ' جرمنی' فرانس' روس اور دوسرے متمدن ممالک میں رہتے آئے تھے' جب اس تپتے دوزخ میں پہنچے تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ جنت کہاں ہے۔ کہاں ہیں دودھ اور شہد کی نہریں۔ تو ان کے ربی انہیں دلاسا دیتے' وہ نہریں 'اُمتی' پی گئے۔ مسلمان اور عیسائی یہواہ نے ان نہروں کو دنیا سے اٹھا لیا کہ میرے منتخب لوگ جب دوبارہ آباد ہوں گے تو میں انہیں نواز دوں گا اور حیرت زدہ یہود جلتے ہوئے ہونٹوں پر خشک زبان پھیر کر رہ جاتے۔ انہیں راتوں کو مچھر کاٹتے۔ ان کے اپنے سفاردی بھائی انہیں منہ نہ لگاتے انہیں بے دین اور دہریہ سمجھتے۔ یہ لوگ جو نئی تہذیب کے دلدادہ ہیں جو مچھروں کی شکایت کرتے ہیں' یہواہ کی سرزمین کے مچھروں کی! اگر راتھس چائلڈ ان آباد کار یہودیوں کی دستگیری نہ کرتا' تو یہ یہودی فلسطین میں زندہ رہنے کے بجائے یورپ میں بے موت مرنا گوارا کر لیتے۔ انہوں نے انگور کی کاشت کر کے شراب سازی شروع کر دی اور ام الخبائث کے وسیلے

سے اس مقدّس ماحول کو عیش و عشرت کا اکھاڑہ بنا دیا۔

1917ء میں بالشویک انقلاب نے روس کی زمامِ اختیار لینن اور اسکے ساتھیوں کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ اس اختیار کے باعث جہاں امریکہ نے فلسطینی یہودیوں کی اعانت کے لئے امریکی یہودی متحدہ تقسیم کمیٹی

(AMERICAN JEWISH DISTRIBUTION COMMISSION)

قائم کر دی اور لاکھوں بے گھر اور بے سروسامان یہودیوں کو مالی اور مادی مدد بہم پہنچائی وہاں روسیوں نے دو کمیٹیاں بنا دیں۔ ایک تنظیم حفظان صحت (O.S.E) اور دوسری صنعت کاروں کی ترتیب دی ہوئی O.R.T یہ "یہود اندیشی" اس ملک کی طرف سے ہو رہی تھی' جسے کسی مذہب سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور جو سرمایہ داروں کا بدترین دشمن کہلاتا ہے لیکن بالفور کی دستاویز پر عمل کرانے کی جدوجہد ابھی باقی تھی کہ مغرب یورپ میں ایک زبردست دھماکہ ہوا۔ یہود کی ایک عظیم سازش پکڑی گئی۔ ایک قرارداد جس نے سارے یورپ کو ہلا دیا۔

PROTOCOLS OF THE ELDERS OF ZION

زارِ روس کی لائبریری سے ایک ایسی دستاویز ملی جس میں یہود کے وہ منصوبے درج تھے' جو انہوں نے دنیا کو اپنا غلام بنانے کے سلسلے میں تیار کئے تھے۔ روسی یہودیوں نے زار ایگزنڈر دوم کو ٹھکانے لگایا' اس کے بعد ان کے حوصلے تو بڑھ گئے لیکن ماحول ناسازگار تر ہو گیا۔ فرانس میں ڈریفس کی غداری نے یہودیوں کے لئے مصیبت کھڑی کر دی۔ جرمنی میں بھی ان کو کھل کھیلنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ چنانچہ باسلے کانفرنس میں "یہودی ریاست" کے مصنف تھیوڈر ہرزل کے زیرِ قیادت ایک مسودہ تیار کیا گیا' جس کی رو سے یہود کا آئندہ لائحۂ عمل مرتب کیا گیا جس کی اہم قراردادیں حسبِ ذیل ہیں:

(1) یہود یورپی ممالک اور امریکہ میں بدستور تجارت اور صنعت و حرفت پر چھائے رہیں اور اپنے مادی وسائل کو پھیلاتے چلے جائیں' یہاں تک کہ انہیں اپنے اپنے ملک کے بنکوں اور سرمایہ پر پورا قبضہ حاصل ہو جائے۔

(2) جب فلسطین میں یہودی ریاست قائم ہو جائے تو بین الاقوامی یہود اس کی اعانت کے لئے روپیہ اور طاقت کا پورا پورا استعمال کریں۔

(3) یہود چونکہ دولت مند ہیں اور اس لئے بارسوخ بھی ہیں' چنانچہ وہ نہایت آسانی سے اپنے اپنے ملکوں کی حکومتوں پر یہودی ریاست کے قیام کے لئے دباؤ ڈال سکتے ہیں۔ انہیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے تاکہ یہ قیام جلد از جلد عمل میں لایا جا سکے۔

(4) یہودی ریاست کو فلسطین تک محدود نہ رکھا جائے اور اسے لازمی طور پر یہوواہ کے حکم کے مطابق پھیلایا جائے۔

(5) یورپی ممالک اور امریکہ کے تمام کروڑ پتی اُمیّوں اور حکومتوں کو جو تجارت اور تیل پر قابض ہیں

اپنے مصرف کے لئے استعمال کیا جائے اور مستقل عیاری و چالبازی سے انہیں ذلیل و بدنام کر کے اپنے جال میں لایا جائے۔ "پروٹوکول" کا مطالعہ بے حد دلچسپ اور حیرت انگیز حد تک چشم کشا ہے اور 1918ء میں اس کے افشا نے سارے یورپ میں آگ لگا دی لیکن یہود نے مسلسل اصرار کیا کہ اس کا وجود ان کی ذات پر سراسر بہتان ہے۔ انہوں نے عالمی انصاف کو پکار پکار کر اپنی بے گناہی اور نیک نیتی کی داد چاہی۔ اس سلسلے میں کہا گیا کہ الیگزنڈر دوم کی موت کا الزام ان کے سر پر تھوپنے کے لئے یہ من گھڑت "پروٹوکول" تصنیف کئے گئے اور یہود کے نام منڈھ دیئے گئے ان کی نقول نکولس دوم کو بہم پہنچائی گئی جو 1894ء میں تخت نشین ہوا۔ اس سے پہلے ایک یہودی جیکب بریف نے جو یہودیت سے تائب ہو کر عیسائی ہو گیا تھا اور 1858ء میں آرتھوڈاکس سیمناری میں عبرانی زبان کا استاد مقرر ہوا تھا' یہ ثابت کیا کہ روس کے یہود سرکاری احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی قومی عدالت اور جماعت "کہل" کو خفیہ طور پر چلا رہے ہیں جس کا مقصود عیسائیت کی تخریب کر کے ساری دنیا میں یہودی حکومت قائم کرنا ہے۔ ان دستاویز اور پروٹوکول کی نقول بھی زار نکولس دوم کو ان کی بدنیتی اور تعصب کے خلاف نہ اکسا سکی اور آخر کار اسے اس چشم پوشی کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی" 1917ء میں اس کے بیوی بچوں کو اس کی آنکھوں کے سامنے قتل کیا گیا اور پھر اسے بھی گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ زار روس کی یہ حالت زار خود اس امر کی گواہی دے رہی ہے کہ یہ "پروٹوکول" صداقت پر مبنی ہیں۔ یہود کی تصنیف ہیں اور وہ اگر اپنی بے گناہی کے ثبوت میں آسمان کے تارے بھی توڑ لائیں تو ان کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ مشہور ادیب' صحافی اور مورخ ایچ جی ویلز (H.G. WELLS) اپنی تصنیف THE OUTLOOK FOR HOMOSAPIENS میں صفحہ 208 پر لکھتے ہیں؛

> "دنیا کی بدی سے ٹکرانے والی تمام طاقتیں مل کر بھی ایک بری روایت کو اچھا نہیں بنا سکتیں۔ کسی شخص کو قتل کرنے یا اس پر ظلم کرنے سے ہم اسے مجرم ثابت نہیں کر سکتے لیکن ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس سلوک کی وجہ سے ہم اسے بے قصور بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ یہود کا اپنے بارے میں برگزیدہ قوم کا تصور بنیادی طور پر ایک یہودی نظریہ ہے اور یہ بنیادی یہودی نظریہ ہر قسم کی نیشنلزم کی طرح انسانیت کے اتحاد کے خلاف جرم عظیم ہے۔"

جہاں تک "پروٹوکول" کا تعلق ہے' ان کے سلسلے میں ویلز ایک نامور مصنفہ مسز نیسٹا وبیسٹر کا حوالہ دیتے ہیں جو دنیا میں عیسائیت کے علاوہ ہر شے کو باطل سمجھتی ہیں اور عیسائیت کے دشمنوں نبالہ والوں' ناستکوں' فری میسنوں' سوشلسٹوں اور کیمونسٹوں کو شامل کرتی ہیں۔ ویلز نے لکھا ہے:

"محترمہ نے ان جعلی Protocols of the Elders of Zion کے بارے میں اپنی رائے ظاہر نہیں کی اور انہیں سازش کے طور پر پیش نہیں کیا۔ ان کا عقیدہ ہے

کہ ممکن ہے یہ کتاب مصدقہ نہ ہو' لیکن اس سے ان حدوں کا پتہ چلتا ہے' جہاں تک یہودی سازشوں کی رسائی ممکن ہے"

حقیقت بھی یہی ہے۔ ہم بھی یہی کہیں گے کہ ممکن ہے یہ پروٹوکولز جعلی ہوں' لیکن کیا گزشتہ ،، سال کی تاریخ نہیں' انیس صدیوں کی تاریخ (انہیں رومن جنرل وسپاشین نے 70ء میں یہودیہ سے نکال کر مشتِ کاہ کی طرح اس دور کی مہذب دنیا میں بکھیر دیا تھا) اس امر کی شاہد نہیں کہ یہود ساری دنیا پر اپنا تسلّط قائم کرنے کے لئے اپنے مخصوص نظریئے کی پیروی کر رہے ہیں اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہواہ کے عہد کو پورا کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ ان پروٹوکولز کو اگر کسی دشمن نے ان کے گلے منڈھ دیا ہے تو کیا یہ خود عملاً اس کی حرف بحرف تائیدو تصدیق نہیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے فلسطین کو اپنی سازشوں کا مرکز بنانے کے لئے اسرائیل کا نام دیا' امریکہ اور روس دونوں کی معیشت' دونوں کی معاشیات کا نظام اپنے ہاتھوں میں لیا۔ زار کو قتل کر کے اس کی حکومت پر اپنا گھناؤنا سایہ پھیلایا' عیسائیت کو روس میں ختم کیا اور یورپ میں برائے نام حیثیت سے باقی رکھا' امریکہ میں اس کی حیثیت ایک روایت کی سی رہنے دی" یہاں تک کہ عوام ایک دوسرے سے بہ آواز بلند یہ سوال کرتے ہیں:

"کیا خدا مر چکا ہے۔؟" اور اس سلسلے میں کتابیں اور رسالے یہودی کتاب گھروں سے درجنوں کی تعداد میں چھپ کر لوگوں کے دلوں میں چور داخل کر رہے ہیں۔ کیا آج کے نوجوان کی عالمگیر بغاوت کے پیچھے انہیں "پروٹوکولز" کا بھوت رواں نہیں کہ وہ اپنے ماضی سے کٹ کر اپنے مستقبل سے بے خبر ہو کر "ایل ایس ڈی" اور اسی قسم کے دوسرے زہر کھا کر' پی کر' جواں مرگی کا شکار ہو رہے ہیں' کیا وہ عالمگیر جنگیں اور مشرق و مغرب کی آویزش' سرمایہ دار یہود کے کارخانوں سے ڈھلے ہوئے خوفناک بموں کی خریداری کا نتیجہ نہیں جن کے دھماکے سالہا سال سے ویت نام کے جوانوں کو کھاد بناتے رہے ہیں اور امریکہ جوانوں کو اس کی بھٹی کا ایندھن بننے پر مجبور کرتے رہے ہیں۔ دنیا کا بیشتر سرمایہ توپوں' ٹینکوں اور بم سازی میں صرف ہوتا رہا ہے اور دنیا بھوک' ننگ' افلاس' بیکاری اور بیماری کی مصیبتوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ یہ سب تماشے کون دکھا رہا ہے۔ اس سب کے پیچھے کس کی سازش کام کر رہی ہے۔ یہود کہتے ہیں پروٹوکولز جعلی ہیں۔ کیا واقعی وہ جعلی ہیں؟ لیکن فلسطین......! اسرائیل......!! اس استفہام کا جواب کون دے گا؟

ایچ جی ویلز کا تبصرہ اس مقام پر بہت معنی خیز ہے وہ لکھتے ہیں: "جدید علوم کے انوار کے باوجود بعض لوگ اپنے قدرتی رجحان اور تعلق کی بناء پر اپنے وطن اور تربیت کی بناء پر اپنی ان روایات سے چمٹے ہوئے ہیں' جو ان کو بے حد عزیز ہیں اور ان کے وجود کا لازمی جزو بن چکی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ "برگزیدہ قوم" کی توجیہ کرتے ہوئے اسے محض روحانی سربلندی کا وسیلہ ٹھہراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب ان کے لئے یہ

تصور کسی معرکے کی طرف رہنمائی نہیں کرتا' بلکہ محض ارتقائی کیفیت رکھتا ہے۔ اس کا مقصود ساری دنیا کی خدمت کرنا اور اسے سربلندی عطا کرنا ہے۔ وہ خود اس خدمت کی نوعیت کے سلسلے میں واضح نہیں لیکن وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ خود بائبل کی کوئی حکایت وہ معنی نہیں رکھتی جو اس کے الفاظ سے بر آمد ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ اپنی قومی خصوصیات اور علیحدگی کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ مل کر اپنی ایک سرزمین میں رہنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اپنے عبرانی علوم کی تجدید چاہتے ہیں اپنے ڈرامہ 'ادب اور علم کو مربوط کرنا چاہتے ہیں تاکہ تازہ دم ہو کر انہیں اور دوبارہ دنیا کی ذہنی زندگی کو نا اہل اُمیّوں کے ہاتھ سے نکال کر اپنے اختیار میں لے لیں۔ موجودہ دور کے سیانے ہمیں جو محرک کرنے' منظم کرنے اور ہماری تطہیر کرنے والے اعمال دیئے ہیں وہ بھی دنیا کے ڈرامے' ادب' تنقید' فنون لطیفہ پر شدید طور پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے ایک خود سراُمّی کے لئے ان لوگوں کی نیک نیتی کا مناسب شکریہ ادا کرنا مشکل ہے۔ "

ویلز کی دور بین نگاہوں نے یہودیوں کے ناپاک منصوبوں اور سازشوں کو ان کی پُرفریب معصومیت کے دبیز پردوں سے جھانک کر دیکھ لیا تھا۔ لیکن وہ آئن سٹائن اور فرائیڈ کو ان یہودیوں کی طرح کا یہودی نہ سمجھ سکا اور ان کی سازشوں کو علم محض کی تلاش جانتا رہا۔ اس کے باوجود ایک بات اس کی سمجھ میں نہ آئی۔ ایک یہودی مسٹر جوزف کاسٹیس نے اپنی تصنیف "یہود کی تاریخ اور مقدر HISTORY AND DESTINY OF THE JEWS قطعاً غیر متعصب آئن سٹائن کے نام ان الفاظ میں معنون کر دی' حالانکہ دونوں میں کوئی تطابق نہیں کہ :

.... ہم کبھی مصر میں بھی تھے............ ہم نے ایک فرعون کو مجبور کیا کہ وہ ہمیں آزاد کر دے' ہم ان لوگوں کے تشدد سے بھی گزر جائیں گے جو ہمارے گردو پیش ہیں۔ "

ویلز اس جملے کی معنویت نہ جان سکا۔ نہیں وہ آئن سٹائن ہی کو نہیں سمجھ سکا' وہ اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ یہودی کا سچ بھی فریب ہے اور اس کی ذات بھی فریب کہ صدیوں کے شدائد نے انہیں سراسر فریب بنا دیا ہے کہ صدیوں سے ایک واہمے کو مقصود ٹھہرانے کے بعد وہ اس کے حصول کے لئے پاگل ہو چکے ہیں۔ اب انہیں محسوس ہو رہا ہے کہ انکی منزل قریب ہے۔ اگر انھوں نے اس لمحے سے فائدہ نہ اٹھایا تو دو ہزار برس کی قربانیاں اکارت جائیں گی۔ ان واقعات' تاریخی شواہد اور نفسیاتی حقائق سے کون انکار کر سکتا ہے تو یہ ہے وہ پس منظر جس میں ہمیں مسئلہ فلسطین کو دیکھنا ہے لیکن کیا اسے فلسطین پر غلبہ حاصل کرنے کا کوئی حق بھی ہے؟

1914ء میں یہود کو فلسطین میں عربوں کے مقابلے میں ایک اور آٹھ کی نسبت حاصل تھی۔

یورپ میں جب انہیں مار پڑتی تو وہ فلسطین کا رخ کرتے لیکن اس کے وحشت خیز صحراؤں اور بے آب وگیاہ زمینوں میں آباد ہوتے تو ان کا مذہبی جذبہ سرد پڑ جاتا اور جب کبھی انہیں خبر ملتی کہ جرمنی' سپین' اٹلی' برطانیہ' پولینڈ' ترکی' غرضیکہ یورپ کے کسی علاقے میں بھی یہود کو قدرے سکون کی زندگی میسر ہے تو وہ پھر بھاگ نکلتے اور یہواہ کی موعود سرزمین سے فرار حاصل کرنے ہی میں عافیت سمجھتے۔ یورپ ان کی عیاری' دولت سے کھیلنے' لوگوں کے مذہبی عقائد کو کھلونا بنانے' ان کے سیاسی تصورات کو نئے معانی پہنانے اور حکومتوں کے تختے الٹنے کا میدان تھا۔ جہاں ان کا جی لگتا تھا اور فلسطین میں رکھا ہی کیا تھا۔ تلمود و تورات مسلسل پڑھتے رہنا پانی کی کمیابی کی وجہ سے گندے میلے چغے پہننا' بستیوں میں اشکنازی اور سفاردیم کی خطرناک تقسیم کی وجہ سے ایک دوسرے سے ڈرتے رہنا۔ چھوٹے چھوٹے مٹی کے گھروں میں بسنا جن میں کھٹملوں اور مچھروں کی بہتات' رات کو عذاب اور قیامت کی دھوپ دن کو دوزخ بنا دیتی۔ یہ مصیبت یورپ میں مستقل طور پر جان کے دھڑکے کی مصیبت سے زیادہ اذیت بخش تھی۔ فلسطین میں تو چین کا ایک لحہ بھی نصیب نہ ہوتا۔ یہاں کی عورتیں جانوروں سے بدتر تھیں' مسلسل بک بک' جھک جھک کرنے والی عورتیں جو دھڑا دھڑ بچے جنیں' ننگے مریل' بیمار' جاہل کمزور بچے' جن کا راتوں کو چیخنا' کھٹملوں اور مچھروں کا شکار ہو کر آسمان سر پر اٹھا لینا ناقابلِ برداشت تھا۔ اور یورپ! یورپ میں یہودی اس فلسطین کے قصے سن سن کر اور نسلوں کو سنا سنا کر وہ سحر آلود فضا بُنتے کہ وہاں دلکش موسم' سریلی دھوپ' برستے بادل' چھلکتے آبشار' مخملیں مرغزار' گھنے جنگل اور گاتے ہوئے پرندے بھی اذیت ناک ہو جاتے "سبت" کی شاموں کو یہی یہود یورپ کی سہانی فضاؤں میں ڈوبتے ہوئے سورج سے رنگین سحابوں کے دلربا اثرات کے تحت حضرت سلیمانؑ کا یہ گیت گاتے اور ان کی آنکھیں یروشلم کے غم میں بھیگ جاتیں:

"دیکھ! تو کتنا حسیں ہے
میرے محبوب!
دیکھ! تو کتنا حسیں ہے
تیری آنکھیں قمری کی سی ہیں
دیکھ! تو کتنا حسیں ہے
میرے محبوب! ہاں میرے دلکش محبوب'
ہمارے صحن میں سبزہ اگا ہے
ہمارے گھر کی چھت کے بالے صنوبر کے ہیں
اور کڑیاں شاہ بلوط کی
اے لو' سرما ختم ہوا

بارش برسی اور گئی
زمین پھولوں سے لد گئی
گاتے پرندوں کا زمانہ آ گیا
ہمارے کھیتوں سے جھینگر کی آوازیں ابھریں
...... تیرے نوخیز اشجار کا باغیچہ اناروں کا ہے
ان کے ثمرات کتنے شیریں ہیں
...... الائچی' دار چینی' لوبان' کیوڑہ' بنفشہ اور تمام مصالحے
باغات میں فوارے اچھلتے ہوئے'
زندہ پانیوں کے کنویں
اور لبنان سے آتی ہوئی بہتی ندیاں
جاگ! اے بادِ شمال' اور آ......
جنوب کی سمت آ
میرے باغ سے ہو کر چل
کہ اس کی خوشبوئیں چھلک جائیں"

یہ گیت ان کے دلوں کو مقناطیسی قوت سے جکڑتے اور اڑ کر فلسطین پہنچنے کی دعوت دیتے' اور جب' جب یہ کشش ناقابلِ برداشت ہو جاتی اور وہ بہزار وقت یروشلم کی یاترا کو نکلتے' راستے کی صعوبتیں اٹھاتے ہوئے فلسطین کی جھلستی ہوئی سرزمین پر پہنچتے تو ان کے خواب دھجیاں بن بن کر بکھر جاتے' وہ سمجھتے تھے شاید فلسطین کے پہاڑوں میں ان کے خوابوں کی جنت آسودہ ہے لیکن جب وہ ان خشک چٹیل پہاڑوں پر مارے مارے پھرتے۔ مقدس اردن' کوہِ موریا' یروشلم میں ہیکل کا مقام' نبیوں کے مزارات' صیہون کا پھاٹک اور حضرت سلیمانؑ کی نہر...... یہ اور دوسرے مقدس مقامات بھی انہیں تسکین نہ پہنچا سکتے۔ ان کی پیاس نہ بجھا سکتے کہ وہ تو کچھ اور دیکھنے آئے تھے کہ بقول غالب۔

جنت نہ کند چارۂ افسردگیِ دل
تعمیر بہ اندازۂ ویرانیِ مانیست

تو ان کی افسردگی کا باعث ان کی ویرانی بخت' جو ان کے اندازوں کے خلاف ہر شے پر محیط تھی کیا وہ اس کے لئے اپنے بچپن کی معصومیت' اپنی جوانی کی آرزوئیں اور عمر بھر کی حسرتیں سینے میں دبائے دبائے نہ پھرتے تھے۔ یروشلم بھکاریوں' کوڑھیوں' معذوروں' کنگلوں اور میلے کچیلے بچوں کی سرزمین۔ اس سے تو لندن کی تنگ و تاریک گلیاں اور تاریکی میں ڈوبے ہوئے چھوٹے چھوٹے ڈربے ہی بہتر تھے۔ ان کا

دل ڈوب جاتا۔ کہاں رہ گئے وہ اناروں کے باغیچے' وہ بادِ شمال' وہ برستے بادل' وہ لوبان' کیوڑے اور بنفشے کی خوشبوئیں۔ یہاں تو ایک دیوار ہے۔ دیوارِ گریہ۔ اور ان کا مصنوعی دل سے رونا حقیقی ہو جاتا۔ نہیں وہ اس مقدس سرزمین کو اپنے خوابوں کی جنت بنا کر رہیں گے۔ یہوؔوا جھوٹا ہو یہ ممکن ہی نہیں حضرت سلیمان کے گیت بادلوں سے برسیں گے اگر یہاں بادل نہیں تو انہیں آنا پڑے گا۔ اگر باد شمال نہیں تو اسے چلنا پڑے گا کہ ہم یہود ہیں۔ یوسف اور برادران یوسف کی اولاد یعقوب کو رلا رلا کر اندھا کر دینے والے بیٹے نہیں۔ یہ ویرانی ہمیں دھوکہ نہیں دے سکتی۔ ہم اسے یہود کا وطن بنائیں گے اور ان صحراؤں کو گلزار اگلنے پر مجبور کریں گے کہ آخر ہمارے دادا ابراہیم نے آگ کو گلزار بنایا تھا۔ اس فلسطین میں مسلمانوں' عیسائیوں' یورپیوں' شامیوں' ترکوں' قبطیوں' حبشیوں اور عربوں کو دیکھ کر ان کی آنکھوں سے شعلے نکلتے۔ یہ ہمارا وطن ہے۔ یہ ہماری سرزمین ہے۔

کیا واقعی فلسطین سرزمینِ یہود ہے' موجودہ دور کے عظیم برطانوی مؤرخ ٹائن بی کا فیصلہ ملاحظہ ہو۔

اٹھارہ سو برس کے بعد یہ بات ہرگز نہیں کہی جا سکتی کہ فلسطین یہود کا وطن ہے ورنہ اضلاع متحدہ امریکہ ریڈ انڈینوں کی ملکیت ہے ورنہ برطانیہ اور دوسرے کئی ممالک کی صورت حال ہی بدل جائے گی۔ میرے خیال میں یہود کا فلسطین پر بجز اس کے کوئی حق نہیں کہ وہ وہاں ذاتی جائیداد حاصل کر سکتے ہیں۔ انہیں وہاں ریاست قائم کرنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ بے حد بدنصیبی کی بات ہے کہ وہاں مذہب کی بنیاد پر ایک ریاست قائم کر دی گئی ہے۔"

ایچ جی ویلز اس کی تائید کرتے ہوئے اپنی کتاب THE OUT LOOK FOR HOMOSAPIENS میں لکھتا ہے۔

"ہمیں جاننا چاہئے کہ بائبل کا تربیت یافتہ یہودی سخت ہٹ دھرم ہے اس نے وکیلانہ استدلال کی تربیت پائی ہے۔ عیسائی نے گھاٹے کا سودا کیا' لیکن اپنی بات پر اڑا رہا۔ یہاں سے عرب قوم کی مصیبت کا آغاز ہوا۔ شیکسپیئر نے یہود کی بے رحم ضد کو شائی لاک کی صورت میں لکھا۔ یہ یہود آج بھی یہواہ کی جان کو آنے کے لئے "دیوار گریہ" سے لپٹ کر اس وعدے کی تکمیل چاہتے ہیں۔ جس سے اس نے مستقل طور پر انحراف کیا اور اب وہ غریب حکومت برطانیہ کا سر کھا رہے ہیں کہ اعلان بالفور کی روشن امیدوں کو پروان چڑھائے انہیں اس سے غرض نہیں کہ برطانیہ متضاد معاہدوں میں جکڑا ہوا ہے۔ ان لوگوں کو' ان صیہونوں کو باہمی خطرات اور اپنی قوم کے باہمی مفادات کا بھی غم نہیں۔ ساری دنیا جائے جہنم میں ان معاملوں میں صیہونیوں کو دنیا کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں۔ ان کا طرزِ عمل غضب ناک قرض خواہ کا سا ہے۔ ان کے لئے معاہدات اعلانات اور عہد نامے رگِ جاں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں اس سے بحث نہیں کہ اُتنی دنیا طرح طرح کے مصائب سے دوچار ہے۔ .... دنیا کی کوئی قوم انہیں ان کی اپنی شرائط پر قبول نہیں کر سکتی۔"

اسرائیل کا قیام

محض بالفور کا خط اور یہودیوں کی جرمنوں کے خلاف سازش انہیں فلسطین پر تسلّط دلوانے کے لئے کافی نہ تھیں۔ اس کے لئے کئی دوسری وجوہ بھی سازش کا حکم رکھتی ہیں۔ جنہیں سمجھنے کے لئے ہمیں کسی دوراز کار منطقی تاویل و دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

○ ...... امریکہ اور یورپ کے تمام ممالک یہود کو آزادی شہری بنا کر انکی ریشہ دوانیوں اور ہوسِ زر کا مزا دیکھ چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ عیار قوم ان کی بادشاہتوں' سلطنتوں' مذہب' تہذیبوں اور سرمائے پر ہاتھ صاف کر چکی ہے اور اگر اسکے یہی اطوار رہے تو وہ دن دور نہیں جب یورپ اور امریکہ کا ہر شخص انکا غلام بنا' ان کی ہوس کی چکی میں پس رہا ہو گا۔ چنانچہ وہ انہیں ہر قیمت پر اپنے ملکوں سے بے دخل کرنا چاہتے تھے۔

یہود نے امریکہ اور برطانیہ کے اشاعتی اداروں' اخبارات' ہفت روزوں اور پریسوں پر اس طرح قبضہ کر لیا ہے کہ ان دونوں ملکوں کے ذہن انکے فراہم کئے ہوئے مواد پر پلتے ہیں' تمباکو سگریٹ کی صورت میں ہو یا سگار اور پائپ کے تمباکو کی شکل میں' یہود کی جاگیر بن کر رہ گیا ہے۔ امریکہ کے نشریاتی ادارے یہود کی ملکیت ہیں۔ بنکوں پر ان کا تسلّط بلا شرکتِ غیرے قائم ہے۔ ہوٹلوں' کلبوں اور راگ رنگ کے اداروں پر ان کی اجارہ داری ہے۔ شراب کشید کرنے سے فروخت کرنے تک ان کے تصرف میں ہے۔ گویا ملک کی معیشت اور معاشرے کی تخریب ہر دوان کے انگوٹھے کے نیچے ہے' بارود سے تیار ہونے والے ہتھیار اور دوسری اسلحہ ساز کمپنیاں ان کی ملکیت ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ جب حکومت ان سے

خریداری کی ضرورت محسوس نہیں کرتی اور انہیں یہ کارخانے بند ہوتے نظر آتے ہیں تو یہ دور دراز کے ممالک میں میدانِ کارزار تیار کرتے ہیں۔ کوریا' ویت نام' لاؤس دور جدید میں انہی کی اسلحہ فروشی کے کرتب ہیں۔ روس کے ساتھ نظریاتی کشیدگی پھیلانے اور چین کا ہوا کھڑا کرنے میں انکی ذہانت اور عیاری واضح ہے اور فلمی دنیا تو ان کے حق میں بیع ہو چکی ہے۔ رہے امریکہ کے غیر یہودی عوام' تو انہیں سمگل کی ہوئی افیون' چرس' ایل ایس ڈی شراب' راگ رنگ' نیم عریاں رقص' جنسی بے راہ روی اور سیاہ و سفید فام کی مسلسل چپقلش سے فرصت ملے تو سوچیں کہ وہ خود کہاں ہیں، حکومت یہودیوں کی دست نگر ہے۔ بین الاقوامی سیاست انکی رہینِ منت ہے، کالجوں کے نوجوان ان کے پھیلائے ہوئے لٹریچر کی بدولت آوارہ' اوباش اور بے فکرے ہو چکے ہیں۔ سارے امریکہ میں چودہ برس کی بچی کم ہی ملے گی جو ہوس کی بھینٹ نہ چڑھ چکی ہو ' سکول کی بچیوں کے بستوں میں آبادیاتی منصوبہ بندی کے ربڑ موجود ہوتے ہیں۔ انسانیت کہیں تو سر بگریباں نظر آئے لیکن اسے تیز رفتار گاڑیوں' تیز رفتار نغموں' تیز رفتار رقص' تیز رفتار نشوں' تیز رفتار طیاروں اور چاند سے پلٹ کر آنے والے تیز رفتار راکٹوں نے کچل دیا ہے۔ انسانیت آئے تو کہاں سے آئے۔ !

اس کا علاج یہی ہے کہ یہود کو فلسطین میں آباد کرا یا جائے' تاکہ یہ اپنے خوابوں کی جنت میں آباد ہوں اور یورپ اور امریکہ کے باشندے اپنی باعزت زندگی کی جانب لوٹ جائیں۔

ہٹلر نے جرمنی کی نجات یہود سے چھٹکارے کی صورت میں محسوس کی' لیکن یہود نے نہ صرف اس کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دیا بلکہ آنے والی نسلوں تک کے لئے اس کا نام وحشی درندے کے مترادف محفوظ رکھا' دیگر اقوام نے اس سے سبق سیکھا اور ہٹلر کی داستان دہرانے سے گریز کرتے ہوئے انہیں فلسطین کا کھلونا دے کر پہلوتہی کرنے کی کوشش کی ہے' لیکن یہود اس کھلونے پر قابو رکھتے ہوئے بھی' دنیا کی اقوام کو ذہنی اور معاشی آزادی دینے پر تیار نہیں۔ اسی لئے تو شاعر مشرق نے کہا تھا۔

فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے

○ .... 1914ء میں پہلی جنگِ عظیم کے آغاز پر ساری دنیا کے مسلمان کسی نہ کسی یورپی طاقت کے غلام ہو چکے تھے۔ اگر آزاد تھے تو ترک' جسے مغربی استعماری طاقتیں "یورپ کا مردِ بیمار" کہہ کر خوش ہوتی تھیں۔

دوسری جنگِ عظیم کے نتیجے کے طور پر یورپ کی طاقتیں سائے کی طرح سمٹ سمٹ کر اپنے اپنے ملکوں کو پلٹ چکی ہیں۔ خود یورپ سرخ و سفید کی تلوار سے دو حصوں میں منقسم ہو چکا ہے جبکہ ترکی یورپ کا دستِ شمشیر زن بن کر پوری صحت سے کھڑا ہے۔ عرب ممالک تیل کے چشموں کی بدولت مائع سونے میں نہا رہے ہیں۔ ایشیا میں انقلابات کے گرداب برپا ہیں جن سے بظاہر آزاد مسلمان ممالک' انڈونیشیا' پاکستان' افغانستان، ایران' عرب' عراق' شام' اردن' لبنان' مصر' مراکش حتیٰ کہ افریقہ کے بیشتر

مسلمان ممالک یورپی امداد کے داخلی اور خارجی بندھن توڑ کر نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔
بیشتر مسلمان ممالک میں آزادی اور خود مختاری کا مفہوم ابھی نامکمل ہے لیکن یہ خطرہ کہ اگر یہ خواب مکمل ہو جائے اور مسلمان آزاد خود مختار اور باوقار حیثیت اختیار کر کے ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مل جائیں کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہ رہے۔ کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر فوقیت نہ ہو تو دنیا کی غیر مسلم اقوام کا مستقبل کیا ہو گا؟؟؟
اس خطرے کا تدارک کرنے کے لئے ضروری تھا کہ مسلمانوں کے سینے میں ایک ایسا کیل گاڑ دیا جائے۔ 'ایک ایسا رستا ہوا ناسور' ایک ایسا سرطان جوان کو گھل گھل کر مرنے پر مجبور کر دے' کہیں سرمایہ دار عرب خوشحال ہو کر یورپ کی منڈیوں اور کارخانوں کا رخ نہ کر لیں' کہیں یہود کی عرق ریزی پر پانی نہ پھر جائے' ان کے لئے مختلف یورپی اور غیر یورپی ممالک میں عیاشی کے اڈے کھول دیئے گئے۔ انہیں اخلاقی اور معاشی طور پر بدحال کیا جائے اور اس مقصد کے لئے سب سے اہم اقدام' ان کی شہ رگ پر آزاد اسرائیل کا قیام تھا تا کہ یہ ہیولا انہیں چین اور سکون سے کسی ایک جانب اپنی توجہ مبذول نہ رکھنے دے تا کہ دین کی احیاء کا اسلامی خواب کبھی حقیقت کا روپ نہ دھار سکے تا کہ وہ دنیا کے دو قطبین کے درمیان ایک تیسری بڑی طاقت کے طور پر نہ ابھر سکیں تا کہ وہ اپنے سرمائے سے کوئی آزاد سود مند منفعت بخش کاروبار نہ کر سکیں تا کہ ان کی دولت یہودیوں کی طرح خود سے بڑھنا نہ شروع کر دے چنانچہ انہیں بیک وقت ان دو کشتیوں میں بٹھا دیا گیا' جن میں سے کسی کا رخ بھی ان کی منزل کی طرف نہیں لمبی لمبی کاریں' ایئر کنڈیشنر' ہوائی جہاز' عیش و نشاط کے مراکز ایک طرف اور جنگ کی وہ دہکتی ہوئی بھٹی دوسری طرف' جس میں وہ اپنی دولت کا بڑا حصہ خود اسلحہ خرید خرید کر جھونک رہے ہیں۔ انھیں عرب کا نعرہ خود یہود سے مہیا ہوا ہے کہ وہ کہیں مسلمان بن کر یہودیوں کے خلاف اسلامی جنگ کا آغاز نہ کر دیں' کہیں انکے رنگ برنگے پرچموں میں علم جہاد نہ بلند ہو جائے۔ کہیں وہ شرق سے غرب تک اسرائیل کے خلاف یا کسی بھی اور مسئلے پر یک جان نہ ہو جائیں۔ انہیں اپنے سرحد پار ترک بھائیوں سے متنفر کیا گیا اور کہیں یہود کے خلاف متحدہ محاذ میں بہادر ترک شامل نہ ہو جائیں اور ہمارے عرب بھائی ہنوز اپنے ذہن اس اہم مسئلے پر اس زندگی اور موت کی کشمکش میں تاریخ کے اس کٹھن موڑ پر استعمال کرنے سے معذور ہیں

○ .... اسلام اپنے پیروؤں کے طرز عمل اور سوچ اور فکر کے زاویوں کے باوجود آج بھی عیسائیوں' یہودیوں اور کیمونسٹ طاقتوں کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہے۔ اگرچہ عیسائیت مذہب کے بجائے نمائشی عقیدے میں ڈھل چکی ہے' لیکن اسکے پیرو کاروں کے دل میں وہ بغض ملی جو اسلام کے آج سے چودہ سو برس قبل انتہائی تیزی سے پھیلنے اور پھر اس کے ماننے والوں کے ہاتھوں پے در پے صلیبی جنگوں میں شکست کھانے سے پیدا ہوا' آج بھی بری طرح کروٹیں لے رہا ہے۔
کیمونسٹ جانتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل نظام ہے اور جب بھی انکے ملکوں میں کیمونزم کو شکست ہوئی

اور ان کے عوام کو پیٹ بھر کر کھانے کے بعد' حال کی چکاچوند سے فکر و نظر تک پہنچنے کی فرصت ہوئی اور انہیں اپنی مرگ و حیات کے فلسفے کو پرکھنے کا موقع ملا تو وہ امریکہ کے "بلالی مسلمانوں" کی مانند از خود اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے کہ اس ضابطے میں معیشت' معاشرت' اعتدال' عدل' مساوات' انسانیت' باہمی اخوت اور خیر کل کے وہ قوانین موجود ہیں جن پر کاربند ہو کر مزدور اور سرمایہ دار آجر و اجیر' سب ایک ہی لڑی میں پرو دیئے جائیں گے۔ چنانچہ دونوں اسلام کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہیں۔ اسی خطرے کو سر اٹھانے سے پہلے کچلنے کے لئے یہود کو اپنی فنکاری' چابک دستی اور تیز دماغی دکھانے کا موقع فراہم کیا گیا۔

○ .... چائم ویزمین جس نے 1904ء میں فلسطین کو "خریدنے" کے لئے چندہ جمع کرنے کی مہم شروع کی تھی۔ اپنی تصنیف "ٹرائل اینڈ ایرر" میں ایک اور راز طشت از بام کرتا ہے:

"اگر فلسطین یہودیوں کے ہاتھ آ گیا تو برطانیہ کے لئے نہر سویز محفوظ ہو جائے گی۔"

یہ کتاب 1949ء میں شائع ہوئی جب امریکہ' برطانیہ اور روس انہیں اسرائیل بنا کر دے چکے تھے۔ یہ عیار یہودی انہیں سبز باغ دکھا کر اور سویز نہر کی حفاظت کا ذمہ لے کر جون 67ء کی جنگ کے لئے میدان ہموار کر رہے تھے ان کے عزائم کیا ہیں اس کی وضاحت ہم بعد میں پیش کریں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ برطانیہ ان کی اس صلاحیت اور یقین دہانی سے بہت پہلے سے باخبر تھا۔ اس نے 1919ء میں پہلی جنگ کے خاتمہ پر انہیں اسرائیل عطا نہ کیا کہ اس وقت ان میں جنگ کرنے کی ہمت نہ تھی۔ دو ہزار برس سے یہود نے ہتھیار تو کیا' چھڑی بھی اٹھا کر نہ دیکھی تھی۔ انہیں جنگ کا عملی تجربہ حاصل کرنے اور لڑنے مرنے کی مشق کرانے کا موقع دوسری جنگ عظیم میں فراہم کیا گیا۔

یہودیوں کی ایک برطانوی پلٹن فلسطین میں رومیل کے خلاف لڑنے کے لئے بھیجی گئی لیکن حالات نے رومیل کو حد سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ دی۔ چنانچہ پھر اس پلٹن کو اٹلی کے محاذ پر روانہ کیا گیا۔ یہیں اسرائیل کے لئے ہتھیار اٹھانے والوں کو دشمنوں کی صفوں میں بارودی سرنگیں بچھانے' گوریلا جنگ لڑنے اور خفیہ راز معلوم کرنے کے ساتھ ساتھ دست بدست جنگ کا حوصلہ بھی ہوا۔

دو ہزار برس سے ہر تلوار' ہر نیزہ' ہر تیر اور آخر میں ہر بندوق کا رخ انہی کی جانب رہا۔ اب انگریز کی سیاست نے انہیں جنگجو بنا کر اپنا اسلحہ مہیا کر کے اور اپنے ہاتھوں سے اقتدارِ حکومت دے کر انہیں عربوں کے سینے چھلنی کرنے کے لئے تیار کر دیا۔ ان کے علاوہ امریکی یہود بھی تو تھے' جنہیں زمین سمندر اور ہوا میں لڑنے کا تجربہ حاصل تھا اور جو فلسطین کے تلمود خوانوں کو ریگستانوں' پہاڑوں اور میدانوں میں عربوں کے وطن' ان کی عزت اور ان کی جانوں کو لوٹ لینے کا درس دیتے تھے۔ امریکہ اور یورپ کے کروڑپتی اسرائیل کے نام پر بڑی بڑی رقمیں جمع کر کے اسلحہ' جہاز اور دوسرا سامانِ حرب اپنے بھائیوں کو بھجوانے لگے۔

○ .... پہلی جنگِ عظیم اور دوسری جنگِ عظیم کے دوران مشرق وسطیٰ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے عرب

مسلمانوں کو جس طرح ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑا کر دیا گیا اور اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کیا گیا' وہ بھی اسلام دشمنی اور اسرائیل کے قیام کا واضح ثبوت پیش کرتی ہے۔

پہلی جنگ عظیم ختم ہوئی تو شکست نے خلافتِ عثمانیہ کے مردِ بیمار کو بسترِ مرگ تک پہنچا دیا۔ اتاترک مصطفیٰ کمال کو صاف نظر آرہا تھا کہ اگر انہوں نے خلافت کے تصور کو زندہ رکھنا چاہا تو یورپی طاقتیں ترکی کی اینٹ سے اینٹ بجانے کیلئے یکجا ہو جائیں گی۔ چنانچہ 1924ء میں ملک کو بچانے کے لئے انہوں نے خلافت کا خاتمہ کیا اور ملک میں غیر مذہبی جمہوریت قائم کر کے اس عظیم رشتے کو توڑ دیا' جو گزشتہ ساڑھے چار سو برس سے ساری دنیا کے مسلمانوں کو رشتۂ تسبیح کی طرح پروئے ہوئے تھا۔ عربوں کو پہلی جنگِ عظیم میں ترکوں کے خلاف استعمال کرنے کے بعد اتحادیوں نے عرب ممالک میں بندر بانٹ شروع کر دی۔ اس صورتحال نے ان میں شدید غم و غصہ پیدا کیا۔ برطانوی اور فرانسیسی سامراج نے تمام عرب ممالک کے حصے بخرے کر دیئے لیکن عالمی مسلمانوں کے جذبات کے خوف سے انہوں نے حجاز مقدس کو شاہ حسین کے ایک فرزند اور شرقِ اردن کو دوسرے فرزند کے حوالے کر دیا۔ ترکوں کے خلاف انہیں اکساتے ہوئے جس عربی تصور کو ہوا دی گئی تھی' اس کی وحدت کے منافی اقدام کر کے انگریزوں نے عراق کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ بہانہ یہ تھا کہ

"عراق اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں' اس لئے برطانیہ' عراق کو مدد اور مشورہ دے گا اور اس کی خود مختاری پر آنچ نہیں آنے دے گا۔"

برطانیہ کے عوام بھی اس ظلم کے خلاف تھے اور سمندر سے دُور دوسرے ملکوں کے درمیان اس سرزمین پر برطانیہ کے غاصبانہ اقدامات کو نامناسب سمجھتے تھے' چنانچہ 1932ء میں برطانوی "انتداب" ختم کر دیا گیا۔

فرانس کا انتداب شام اور لبنان کے علاقوں پر تھا۔ لبنانی عیسائیوں نے فرانسیسی حاکموں کو تقویت دے کر عربوں کا کچومر نکال دیا۔ اس کے مقابلے میں شام کے عرب اپنے اپنے علاقوں کی آزادی کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہے 1925ء میں ان کی بغاوت کو کچلنے کے لئے فرانسیسیوں نے دمشق پر ہوائی جہازوں سے بمباری کی۔ 1933ء اور 1936ء میں یہ کوششیں جاری رہیں' یہاں تک کہ 1939ء میں فرانس نے شامی پارلیمان کو معطل کر دیا۔ ملک کو پانچ ڈائریکٹروں کے حوالے کر دیا اور اس کا دفاع اپنے ہاتھ میں رکھا۔

حجاز مقدس میں سلطان ابن سعود نے' جو اس وقت سلطان نجد تھے 1926ء میں شاہ حسین کو حجاز کے تخت سے شکست دے کر بے دخل کر دیا اور یوں ملک کا نام "سعودی عرب" رکھا گیا۔

مصر کو نہر سویز کی اہمیت کی وجہ سے ترکوں کی عملداری کے باوجود' برطانیہ نے 1914ء سے پہلے بھی اپنی نگرانی میں رکھا ہوا تھا۔ جنگ کے بعد یہ فریب بھی نہ رہا اور مصر پر انگریزوں کا سیاسی دباؤ مکمل ہو گیا۔ 1937ء میں کہیں جا کر مصر کو لیگ آف نیشنز کی رکنیت کا حق ملا۔ جب انگریزوں نے اسے برائے نام

آزاد تسلیم کر لیا۔

○ .... فلسطین اور اردن کے درمیان دریائے اردن بہتا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے اردن شاہ عبداللہ کے سپرد کر دیا اور فلسطین پر اپنا انتداب قائم کروالیا۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں اس وقت سات لاکھ عربوں کے مقابلے میں پچھتر ہزار یہودی فلسطین کے باشندے تھے۔ انگریزوں نے ستر برس کے عرصے میں اس تعداد کو بڑھا کر تین لاکھ کر دیا اور یہودیوں سے بالفور کے وعدے کو عملی جامہ پہنانے کا منصوبہ بنایا۔

○ .... جہاں تک فلسطینی عربوں کا تعلق ہے وہ پہلی جنگِ عظیم کے بعد سے انگریزوں کے مظالم کا شکار تھے۔ جرمنی کی بربادی اور روس کے سرخ انقلاب کے بعد برطانیہ یورپ کی عظیم طاقت بن کر ابھرا' اس نے اپنے حلیف فرانس کو شام اور لبنان کا علاقہ بخش دیا' جیسے یہ اس کے آباؤ اجداد کی جاگیر تھی۔ یہ علاقے اور عرب کے دوسرے حصے جو ترکوں کے زیرِ نگیں تھے۔ اب انگریزی اور فرانسیسی استعمار کی عملداری میں تھے لیکن برطانیہ نے اپنی "عرب نوازی" کا ڈھونگ قائم رکھا کہ یہ اس کی سیاست کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔

1922ء میں فلسطین کو "لیگ آف نیشنز" نے براہِ راست برطانوی انتداب کے ماتحت کر دیا۔ جس نے اس کے انتظام کے لئے ایک کٹر یہودی سر ہربرٹ سیمورئیل کو مقرر کیا' جس نے عربی کے ساتھ عبرانی کو بھی فلسطین کی سرکاری زبان بنا دیا۔ سر ہربرٹ کا دستِ راست نارمن بینٹوک بھی یہودی تھا۔ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر یہودی اس لئے فائز کئے گئے کہ عرب ان پڑھ تھے۔ نتیجہ ظاہر ہے سرکار یہودی' اختیارات یہود کے ہاتھ میں' کہنے کو عملداری برطانیہ کی تھی لیکن در حقیقت حکومت یہود کی تھی۔ پھر ساری دنیا کے یہود کا رخ فلسطین کی جانب تھا۔ یورپ کے ہزاروں یہودیوں نے فلسطین میں آباد ہونے کے لئے عرب غریبوں کی زمینیں کوڑیوں کے مول خریدیں۔ لبنان اور شام کے عربوں کی وہ جائیدادیں جو فلسطین میں تھیں' ان کی دسترس سے اس لئے نکل گئیں کہ اب وہ فرانس کے غلام تھے اور ان کے ملک اور فلسطین کے درمیان حد فاصل کھڑی کر دی گئی تھی۔ زمینوں کے حصول کے لئے ایک یہودی ایجنسی اپنا کام کر رہی تھی اور خلافتِ عثمانیہ کے سلطان عبدالحمید نے دولت کی جو پیشکش پائے

حقارت سے ٹھکرا کر یہودی فلسطین میں آبادکاری قبول نہ کی تھی' وہ بھی یہودی جیب ہی میں رہی اور عربوں کی زرخیز زمینیں بھی ان کے پاؤں چومنے لگیں۔ انگریزوں نے عربوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے انہیں ایشیا کے تمام عربی بولنے والے علاقوں کی سرداری کا وعدہ دیا تھا۔ پھر یہی وعدہ فلسطین کے سلسلے میں یہود سے کیا گیا۔ گویا جہاں تک فلسطین کا تعلق تھا اس کی رقم دو خریداروں سے وصول کی گئی۔ اس صورت حال سے بچنے کے لئے عربوں کو برطانوی انتداب کا جھانسہ دے کر خاموش کیا گیا اور اندرونی طور پر یہودیوں سے سازش کر کے انہیں اپنے بھائی بندوں کی آبادکاری کے ساتھ انتظامی امور بھی سونپ

دیئے گئے۔

چنانچہ 1922ء میں جہاں سارے فلسطین میں ۸۵ ہزار یہودی تھے' وہاں 1935ء تک کے تیرہ برس میں یہ لوگ آٹھ فیصد سے ایک تہائی ہو گئے۔ 1935ء میں ہٹلر کے غیظ و غضب سے بچ نکلنے والے باسٹھ ہزار یہودی فلسطین میں آ بسے' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ فلسطینی عرب خاموش تماشائی بن کر یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔ انہوں نے 1928ء اور 1929ء میں شدومد سے اپنے حقوق کا مطالبہ کیا اور برطانیہ اور صیہونیت کی اس باہمی سازش کے خلاف حق و انصاف کی آواز بلند کی جسے زبردست تشدّد کے ساتھ کچل دیا گیا۔

جرمن یہودیوں کی مسلسل یلغار سے پریشان ہو کر فلسطینی عرب 1939ء میں ایک بار پھر اٹھے لیکن ہٹلر کی خونخواری کی تاب نہ لا سکنے والوں نے اپنی بے بسی کا انتقام ان بے سروسامان عربوں سے لیا اور برطانوی ظالموں نے انکی فریاد کو بغاوت کا نام دے کر بری طرح کچلا۔ اب فلسطین میں برطانیہ کی افواج لاکھوں کی تعداد میں تھیں' جو اٹھارہ ہزار عرب شہداء اور چالیس ہزار زخمیوں کے وارثوں کو رونے بھی نہ دیتیں۔ ایک لاکھ جانباز قید کر دیئے گئے اور فلسطین عرب قوم کے سینے کا ناسور بن گیا۔

ہٹلر کی ابھرتی ہوئی طاقت سے برطانوی سامراج خائف تھا اُسے دوسری جنگِ عظیم کے آثار دکھائی دے رہے تھے' چنانچہ وہ عربوں کو ناراض بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس ناسور کا منہ مرہم سے بند کرنے کے لئے 1937ء میں "پیل کمیشن" مقرر کیا گیا جس نے "انصاف" کا تقاضا یوں پورا کیا کہ ملک کے دو ٹکڑے کر دینے کی سفارش کی جس کے مطابق ایک تہائی یہود کو فلسطین کا دو تہائی علاقہ عطا ہو جائے اور دونوں قوموں کے بنیادی حقوق محفوظ ہو جائیں گویا پندرہ برس کے عرصے میں ۸۵ ہزار سے بڑھ کر یہ لوگ جو چھ لاکھ تک پہنچ گئے تھے اب دو ہزار سال سے آباد عربوں کو اپنے پیدائشی حق سے محروم اور اپنے آبائی گھروں سے بے دخل کرنے کا مچلکہ بھی حاصل کر چکے تھے۔ یہودی اخبارات نے "پیل کمیشن" کے فیصلے کی مخالفت کی 'کہ ابھی تک یہودی آبادی فلسطین کے عربوں کے مقابلہ کرنے کے قابل نہ تھی' وہ اس وقت تک اس سرزمین کا کوئی فیصلہ قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے' جب تک کہ آبادی کا یہ تناسب ان کے حق میں مفید مطلب نہ ہو جائے۔

فلسطینی عرب اپنے عظیم رہنما مفتیِ اعظم فلسطین الحاج امین الحسینی کی قیادت میں پھر اٹھے۔ ان کے مظاہروں کی شدت دیکھ کر برطانوی فوج نے یروشلم کو گھیرے میں لے لیا اور بے بس عربوں کو ایک بار پھر اپنے جائز مطالبات کے جرم میں کچل دیا گیا۔ چھ ہزار عرب شہید ہوئے' دو ہزار مکانات اور کاروباری مرکز تباہ ہوئے' پچاس ہزار عربوں کو بغاوت کے جرم میں پابندِ سلاسل کر دیا گیا اور ان کی قیادت کی پاداش میں مفتیِ اعظم کے اوقات اور عدالتی حقوق چھین کر انہیں بے دست و پا کر دیا گیا۔

لیکن اس قربانی نے آخر کار انگریزوں کی آنکھیں کھول دیں۔ دوسری جنگِ عظیم کا ہوّا ان کے سامنے کھڑا تھا۔ چنانچہ ان دونوں کے زیرِ اثر انہوں نے عربوں کی سرداری کو فلسطین پر تسلیم کیا' لیکن اس

شرط کے ساتھ کہ آئندہ پانچ برس میں ۷۵ ہزار یہودی فلسطین میں آباد کئے جائیں گے۔ اس "قرطاسِ ابیض" کو بد طینت یہودیوں نے کس لئے شیر مادر کی طرح پی لیا' اس کا راز دوسری جنگِ عظیم کے بعد کھلا' وہ اس اعلان پر بظاہر بہت بلبلائے لیکن انہوں نے انگریزوں کے ساتھ مل کر صبر کے ساتھ سازش کرنے ہی میں اپنی بہتری سمجھی۔

ایچ جی ویلز اپنی تصنیف THE OUT LOOK ON HOMOSAPIENS مطبوعہ 1942ء میں لکھتا ہے:

> "یہ دنیا جس میں ہم بستے ہیں' کوئی معقولیت پسند دنیا نہیں اور جب ہم یہودیوں کی فال نکالتے ہیں تو ہمیں شدید حقائق کا سامنا کرنا پڑتا ہے' وہ ہمارے لئے تمام راستے مسدود کر دیتے ہیں۔ گزشتہ ایک آدھ سال میں ایک بڑے ہجوم' سینکڑوں' ممکن ہے لاکھوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے.........."

تاہم میں نے "یوا ینڈ دی ریفیوجی (مصنفہ سر نارمن اینجل اور مسز ڈوروتھی بکسٹن) میں ایک پیرے کا مطالعہ کیا ہے جس نے مجھ پر بڑا ناخوشگوار اثر چھوڑا' اور میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہئے اس موضوع پر اسے نظر انداز کرنا خطرے سے خالی نہیں ہو گا۔

> "تمام یہودی صیہونیت کے قائل نہیں' لیکن تمام یہودی صیہونیت کو مجروح ہوتا دیکھ کر برہم ہو جائیں گے یہ کہ اگر صیہونیت کو عرب سفاکوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے تو ان کی یہ برہمی عالم گیر ہو گی۔ شاید ہم اس کے ممکن ردِ عمل سے بے خبر ہیں۔"

"تقریباً ایک صدی تک برطانیہ اور امریکہ کے تعلقات کو امریکہ کے آئرش عناصر نے کشیدہ رکھا' آئرش ووٹ' آئرش سیاست دانوں اور آئرش اخبارات کے مالکوں کے اثرات نے برطانیہ اور امریکہ کے اتحاد کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ سلطنتِ برطانیہ عالمی امن اور اینگلو سیکسن تہذیب کے مفادات کے پیشِ نظر انگریز قوم نے ان انگریزی بولنے والی دو قوموں کے مل بیٹھنے کی اہمیت کو کبھی خفیہ نہیں رکھا۔ کیا اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ آئرش قوم کی نفرت اور بے اعتباری نے جو دشواریاں اس سلسلے میں حائل کی تھیں' ان کے بعد یہود کی نفرت اور بے اعتباری کو بھی مول لے لیں۔ آج امریکہ پر یہود کا اثر اس سے کسی طرح بھی کم نہیں' جو کل اس پر آئرش قوم کا تھا۔
عالمی یہود کی طاقت اخلاقی ہے۔ ان صحافیوں' مصنفوں' ڈرامہ نگاروں اور سائنس دانوں کی طاقت برطانوی سلطنت کے لئے جس کی بقا خطرے میں پڑی ہوئی ہے' یہود کو اپنا ہمنوا بنانا ضروری ہے"

"یہ زبردست دھمکی بے حد شر انگیز اور تلخ ہے۔ میں ان مصنفین کی طرح سامراجی نقطۂ نظر نہیں رکھتا' میرا خیال ہے کہ برطانوی سلطنت اپنا دور ختم کر چکی ہے' لیکن انگریزی بولنے والی طاقتوں کا اتحاد ایک

اہم تر مسئلہ ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں بتایا جاتا ہے کہ یہ "برگزیدہ قوم" ان قوموں کو اس وقت تک متحد نہیں ہونے دے گی جب تک حکومتِ برطانیہ ان کی ہدایات کے مطابق فلسطین میں عمل نہیں کرتی' یہ قوم امیوں کی یگانگت کو درہم برہم کرنے کے لئے ہر ممکن شرارت روا رکھے گی۔ اسرائیل کے خدا کی برہمی دنیا کے اتحاد کو ہیچ سمجھے گی اور اسرائیل کے فتنہ و انتقام کو اولیت کا مقام دے گی۔ لازوال و خود شناس اسرائیل کھنڈروں میں بیٹھ کر جشن منائے گا اور کہے گا۔

"ہم اہرامِ مصر سے بھی زیادہ پائیدار ہیں۔"

کیا یہ واقعہ نہیں کہ برطانیہ نے یہود کے اس دباؤ کو تسلیم کیا اور امریکہ کی خوشنودی کے لئے صیہونیت کو اسرائیل کے کھنڈرات میں لا بسایا' تاکہ اپنی سازشوں کو آسانی سے پروان چڑھائیں۔"

دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں یہود اور برطانیہ کی سازشوں سے بے خبر معصوم عربوں نے کھل کر انگریزوں کا ساتھ دیا کہ اب ان کے لئے برطانیہ کی مخالفت کا بظاہر کوئی جواز نہ تھا۔ وہ سادہ لوحی اور نیک نیتی کی بنا پر انگریز کو قول کا پکا اور وعدے کا سچا سمجھے۔ لیکن دوسری جنگِ عظیم کے خاتمہ پر ان کی تمام توقعات پر پانی پھر گیا۔ عیاری جو یہود کے خمیر میں تھی اور سازش جو انکے بائیں ہاتھ کا کام تھا' عربوں کی فہم اور ادراک سے ماوراء تھا۔ یہودیوں نے جاسوسی کا وہ جال بچھایا کہ جرمنوں کے بڑھتے ہوئے قدم رُک گئے۔ اس کے فوجی راز انگریزوں کے ہاتھ لگے اور بالآخر اس کی کامیابی شکستِ فاش میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔ انہوں نے ایٹم بم کے راز امریکہ کے ہاتھ فروخت کر کے اس طرح مرہونِ احسان کر لیا کہ وہ ان کے قدموں میں جھک گیا۔ دنیا جنگ کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کر رہی تھی اور یہودی چوری چھپے فلسطین میں داخل ہو کر اپنی تعداد بڑھا رہے تھے تا آنکہ وہ اس قابل ہو گئے کہ اپنا لوہا منوا سکیں۔ ان کی دوستی کی قیمت امریکہ نے یوں ادا کی کہ صدر ٹرومین نے برطانیہ کے سابقہ معاہدوں کو کالعدم قرار دے دیا اور عرب ان سربلند قوموں کا منہ دیکھتے رہ گئے' جنہیں مفاد پرستی اور خود غرضی نے اندھا کر دیا۔

انگریز شاطر جنگِ عظیم کو جیت کر بھی ہار چکا تھا۔ اس کی نو آبادیاتی سلطنت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ جس حکومت پر آفتاب غروب نہ ہوتا تھا اب اس پر اس کا طلوع ہونا محال تھا۔ اس نے امریکہ کے کہنے پر یہودی سازش کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے تھے لیکن عربوں کی متحدہ ناراضی کے خوف سے وہ کھل کر سامنے نہ آنا چاہتا تھا۔ یوں تو اس کی کئی وجوہ تھیں لیکن ان میں سے دو نہایت اہم ہیں۔

1۔ عرب کا زرِ سیّال...... تیل' امریکہ کے عالمی اقتدار کے چراغ کے لئے لو کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی بساط کا مہرہ برطانیہ...... اس کے حکم سے سرتابی کی مجال نہیں رکھتا' کہ اب وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح بے سروسامان ہو چکا ہے۔

2۔ عرب کی وہ بیشمار دولت جو برطانیہ کے بینکوں میں ہے' اگر آج واپس لے لی جائے تو برطانیہ "عظیم برطانیہ" کا دیوالیہ پٹ جائے' اور اسکے ہفت کشور پر سریر آراء ہونے والے عوام دریائے ٹیمز میں کود کر ڈوب جائیں۔ انکی معیشت بحال کرنے کے لئے امریکہ اور یورپ کے دیگر ممالک کی اجتماعی کوششیں بھی

عرب رقوم کا نعم البدل نہیں ہو سکتیں۔

چنانچہ برطانیہ نے عربوں کو اپنی نیک نیتی اور بے بسی کا یقین دلانے کیلئے 2 راپریل 1947ء کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کا اجلاس بلوایا تاکہ اس کے ارکان فلسطین کے مستقبل کا فیصلہ کریں۔ اس طرح اس کے دامن پر آنچ بھی نہ آئی اور اس کے ایماء پر اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے وہی کردار ادا کیا جو اگلے برس اسکی سلامتی کونسل نے مسئلۂ کشمیر کے سلسلے میں ادا کرنا تھا۔ اس کے ارکان نے بلاوجہ یہود کی طاقت اور ان کے فلسطین پر حقوق کو تسلیم کرنے کے لئے "فلسطین کمیشن" مقرر کیا جس کے وسیع اختیارات تھے اور جس کے ارکان میں بھارت' پیرو' ہالینڈ' گوئٹے' کینیڈا' آسٹریلیا' یوگوسلاویہ' یوراگوئے' سویڈن اور ایران شامل تھے۔ عرب چاہتے تھے کہ اس مسئلے کا تعلق چونکہ فلسطین سے ہے' اس لئے اسے فلسطینی عوام کی مرضی کے مطابق حل کیا جائے۔ اشتراکی نمائندوں نے اسکے برعکس تمام دنیا کے یہود کو اس سلسلے میں حق دے دیا کہ وہ اپنا معاملہ کمیشن کے سامنے پیش کریں۔ عربوں کی سخت دل شکنی ہوئی اور انہوں نے اس کمیشن سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا۔ آخر کار کمیشن نے دو ارکان یعنی ایران اور بھارت کے اختلافی نوٹ کے باوجود فیصلہ دیا کہ برطانیہ کے انتداب کو ختم کر کے فلسطین کو تقسیم کر دیا جائے۔ صاف ظاہر ہے انگریز نے جو ڈرامہ کھیلا تھا' یہ اس کا ڈراپ سین تھا۔ دنیا کی عظیم ترین اسمبلی نہ جانے کونسی دنیا کے لوگوں کو دھوکہ دے رہی تھی' کہ اس کے فیصلے کی بنیاد نہ عدل پر ہے' نہ انسانیت پر اور نہ ان اصولوں پر جن کے نام وہ عالمی سوانگ رچایا گیا' جس کا نام "اقوامِ متحدہ" ہے۔

فیصلہ یہ تھا کہ

1۔ بحیرۂ روم کے ساتھ کا علاقہ یہود کی ریاست بنے گا۔

2۔ اندرون ملک کا علاقہ عربوں کو ملے گا۔

3۔ یروشلم کا شہر یہود نصاریٰ اور مسلمانوں تینوں کے باہمی کنٹرول میں رہے گا۔

1922ء میں جہاں فلسطینی یہودیوں کی تعداد ۷۵ ہزار تھی اسے سوا پانچ لاکھ جلاوطن یہودیوں کو عطا کر دیا گیا اور متحدہ فلسطین کے تیرہ لاکھ فلسطینی باشندوں کے پیدائشی' انسانی اور اخلاقی حقوق کو پامال کرنے کا نام "انصاف" کہلایا...... عالمی انصاف...... بین الاقوامی عدل کی یہ مثال تاریخ کے ماتھے پر کلنک کا وہ ٹیکہ ہے' جسے سات سمندروں کا پانی بھی نہ دھو سکے گا اور جسے اقوامِ متحدہ کی ذلت کے طور پر تاریخِ عالم ہمیشہ یاد رکھے گی۔

انگریز کو اب یہ غم کھا رہا تھا کہ فلسطین کے عربوں کی سرحدیں چونکہ مصر' اردن' شام اور لبنان کی سرحدوں سے ملحق ہیں' اس لئے ان ممالک کے عوام اپنے فلسطینی بھائیوں کی امداد اور حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس طرح "بیچارے چھ لاکھ یہودی" ان کے حملے کی تاب نہ لا کر پس جائیں گے۔

15 راپریل 1948ء تک صورتحال واضح ہو چکی تھی۔ یہود برسرِ اقتدار تھے ان کے پیچھے عالمی یہود کی

سازش کارفرما تھی۔ ان کے سر پر امریکہ ‘ برطانیہ اور روس کا چتر تھا۔ انگریز عیار جاتے جاتے انہیں اسلحہ بھی دے رہا تھا اور یہ یقین بھی کہ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو ان کی مدد کے لئے بحیرۂ روم میں دنیا کے بحری بیڑے کھڑے رہیں گے۔ عربوں کو فریب دینے کے لئے کہ ان کے حملے سے بھاگنے والے یہودی ان پر سوار ہو کر ملک ان کے لئے چھوڑ جائیں گے۔ یہودیوں کو یقین دلانے کے لئے کہ غم نہ کھانا ‘ ہم ہیں تو کیا غم ہے۔ اس فلسطین کے نواح میں چودہ برس پہلے دس ہزار فرزندانِ توحید نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پرچم تلے کھڑے ہو کر مسلح اور عظیم رومیوں کی ایک لاکھ فوج کو تبوک کے مقام پر شکستِ فاش دی تھی۔ آج تیرہ لاکھ فلسطینی عربوں اور ان کے تین کروڑ ساٹھ لاکھ عرب بھائیوں کے مقابل چھ لاکھ یہودی کھڑے تھے۔ ربی اپنے کنیساؤں میں لرز لرز کر یہوواہ کا یہ حکم دہرا رہے تھے۔

”اے بنی اسرائیل! میں تمہیں کافروں کے درمیان منتشر کروں گا۔ اور تمہاری زمینیں بنجر ہو جائیں گی اور تمہارے شہر برباد کر دیئے جائیں گے۔

(”تورات“)

آج تک بابل ‘ اسوریہ ‘ ایران اور روم کی طاقتوں کو یہوواہ نے اس گنہگار اس مجرم ‘ اس سیہ کار قوم کی تخریب پر مامور کیا تھا۔ آج عربوں کی باری تھی لیکن گزشتہ جنگِ عظیم کے تربیت یافتہ یہودی روس ‘ جرمنی ‘ برطانیہ ‘ امریکہ اور دوسرے متمدن ملکوں کے جدید ترین ہتھیاروں اور جنگی چالوں کے لئے برطانیہ اور امریکہ کی اعانت حاصل کرنے کے بعد مطمئن تھے وہ خوش تھے کہ فلسطینی عربوں نے اسے اپنی زمین کا مسئلہ بنایا ہے۔ اپنے حق کا مطالبہ کیا ہے۔ اپنے دین کے نام پر ‘ ناموسِ مصطفیٰ کے نام پر جہادِ ملی کے نام پر ‘ مسلمانانِ عالم کو آواز نہیں دی جبکہ ان کے دشمن اپنے مذہب کے نام پر اکٹھے ہو رہے تھے ‘ وہ اس فلسطین کو اسرائیل بنانے پر تلے ہوئے تھے جہاں ساڑھے تیرہ ہزار سال قبل حضرت موسیٰؑ نے انہی فرعون سے نجات دلا کر آباد کیا تھا۔ ایک طرف عقیدہ اور جذبہ تھا دوسری طرف مٹی کی محبت ‘ حب الوطنی کا سوال...... انجام ظاہر ہے۔

جب 15 مئی 1948ء کو برطانوی افواج فلسطین سے نکلیں تو یہودی پوری طرح لیس تھے ‘ انہوں نے اپنے حقوق کے لئے لڑنے والے عربوں کو اسرائیل سے مار مار باہر نکال دیا۔ سات لاکھ فلسطینی عرب اردن میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور ہوئے۔ اقوامِ متحدہ کے جہاز بحیرۂ روم میں اپنے پھریرے لہراتے رہے۔ صیہونی عیار شہروں ‘ قصبوں ‘ بستیوں اور صحراؤں میں بے بس مسلمان عورتوں اور بچوں کے لہو سے ہولی کھیلتا رہا۔ انیس سو سال تک انہی یہود کو بے دریغ قتل کرنے والے نصاریٰ ‘ ان کی پشت پناہی کرتے رہے کہ ان کا مقابلہ صلاح الدین“ ایوبی کے جانشینوں سے تھا۔ آج وہ ان کے وسیلے سے اس آتش انتقام کو سرد کر رہے تھے جو صلیبی جنگوں کی شکست نے ان کے دلوں میں بھڑکائی تھی۔ روس اور جرمنی کے دھتکارے ہوئے ‘ مار مار کر نکالے ہوئے ‘ ہٹلر کے ذلیل و خوار راندۂ درگاہ یہود کے لئے فلسطین کو اسرائیل بنانے میں مدد دی گئی لیکن سات لاکھ فلسطینی مسلمانوں کو اردن کے صحراؤں میں

بے یار ومدد گار ' بے سروسامان ' بے بس و مجبور کرنے والوں کے دل نہ پسیجے۔ اقوامِ متحدہ کی آڑ میں انہیں بھیک بھیجنے کا اہتمام کر کے ذلیل سے ذلیل تر کرنے کا انتظام کیا گیا۔ عیسیٰؑ کے حواری عیسیٰؑ کے کندھے پر صلیب رکھ کر قہقہے لگانے والوں کی ہمنوائی نہ کرتے تو کیا کرتے ' کہ اب ان کا مقابلہ مسلمانوں سے تھا اور اس سلسلے میں اشتراکی بھی یہودی تھے یا عیسائی تھے کہ اس روز کا اشتراکی بیس برس قبل کنیساؤں اور کلیساؤں میں گردن جھکانے والا عیسائی یا یہودی ہی تو تھا۔ ان روسی حکمرانوں کی عیسیٰؑ سے صدیوں پرانی نسبت ' بیس سال کی اشتراکیت سے کیسے مٹ جاتی اور انہیں مشرقِ وسطیٰ کے عرب مسلمانوں سے یکایک ہمدردی ہوتی تو کیونکر؟ اقوامِ متحدہ میں رکن ممالک کے نمائندوں کی تقریریں انکے سیاسی کردار کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔

15 مئی 1948ء کی رات کو فلسطین کے سینے میں صیہونیت نے اپنا خنجر گاڑ دیا۔ فلسطینی عرب جدید جنگی نظم و ضبط سے بے بہرہ تو تھے ' لیکن ان کا مجروح احساسِ انصاف ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ مغربی طاقتوں کو نظر آ رہا تھا کہ اگر انہیں اپنے عزائم سے روکا نہ گیا تو یہ فرزندانِ توحید ' یہودی سازشیوں کو بحیرۂ مردار یا بحیرۂ روم میں دھکیل دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے جنگ بندی کرا دی۔ عربوں کے لئے یہ فیصلہ بڑا مہنگا پڑا۔ یہودیوں نے اس وقفے کے دوران اپنی تمام تر قوتیں اسلحہ کے حصول پر صَرف کر دیں اور جب دونوں دوبارہ آمنے سامنے آئے تو یہودیوں کی جنگی تیاری کا راز کھل گیا۔ احمد عبداللہ اپنی تصنیف "دی مڈل ایسٹ کرائسس" میں اس صورتحال پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "...... تاہم انگریزوں نے ان عرب ریاستوں پر فوراً اسلحہ کے حصول کے سلسلے میں پابندیاں عائد کر دیں ' جو اسرائیل کے خلاف نبرد آزما تھے قدرتی امر ہے کہ عربوں کو شکست ہوگئی۔"

یہودیوں نے روس ' جرمنی اور برطانیہ کی خفیہ تحریکوں کا تماشہ دیکھا تھا کہ انکا جوہر ایسی ہی تحریکوں میں کھلتا ہے۔ تقسیمِ فلسطین اور تشکیلِ اسرائیل کے بارے میں مطمئن ہو کر انہوں نے اسی قسم کی ایک تنظیم "ہگناہ" قائم کی جس نے انگریزی افواج کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ' برطانوی انتداب کے منہ پر طمانچہ مار کر ' نومبر 1947ء سے لے کر 15 مئی تک جس دن (برطانیہ نے عربوں کا مفاد مٹی میں ملا کر فلسطین اسرائیلی عیاروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا) کئی اہم عرب آبادیوں اور علاقوں پر ناجائز قبضہ جما لیا۔ لبنان کے سفیر برائے برطانیہ مسٹر نادم دمشقی نے دسمبر 1967ء میں سویڈن کی اپسالا یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے:

> "یہاں بس اتنا حوالہ پیش کرنا ہی کافی ہے کہ 29 نومبر 1947ء (تقسیم فلسطین کی قرارداد پیش کرنے کی تاریخ) اور 15 مئی 1948ء (برطانیہ کی واپسی اور اسرائیل کے قیام کا دن) کے دوران صیہونیوں نے نہتے عرب شہریوں کے خلاف مظالم کا دور دورہ شروع کر رکھا تھا۔"

اگر اس بیان کے باوجود ہمیں انگریزوں 'امریکیوں اور اسرائیلیوں کی سازش کے بارے میں کوئی شبہ ہے تو اسرائیل کے پہلے وزیر اعظم بن گوریان کی کتاب "ری برتھ اینڈ ڈیسٹنی آف اسرائیل" کی یہ تحریر اسے دور کرنے کے لئے کافی ہے:

"جب تک انگریزوں نے ملک کو خالی نہ کیا' کسی یہودی آبادی میں خواہ وہ دوسری آبادیوں سے کتنی ہی دور کیوں نہ ہو' عربوں نے مداخلت یا قبضہ نہ کیا' لیکن "ہگناہ" نے کئی عرب چوکیوں پر تسلّط پا لیا اور طبریہ' حیفہ' جافہ اور سفید جیسے شہروں کو فتح کر لیا۔ اس طرح مقررہ تاریخ پر وہ علاقے جو "ہگناہ" کی دسترس میں تھے' عربوں سے تقریباً خالی ہو چکے تھے"۔

عالمی سازشیں' عالمی یہود کی طرح کمینگی اور تنگ نظری بین الاقوامی سیاست کی مفاد پرستی سب نے مل کر سادہ لوح عربوں کو بے بس و مجبور کر رکھا ہے ورنہ ایک کروڑ عربوں کے لئے پچیس لاکھ یہودیوں کی بیخ کنی کیا مشکل ہے۔ عرب جانباز ہیں' صدیوں کی بہادری ان کی رگوں میں لہو بن کر دوڑ رہی ہے' دنیا کی فتوحات' ان کے سنہری ماضی کا سرمایہ ہیں' خدا کی تائید و حمایت پر ان کا یقین ہے' حضورؐ کا اسوۂ حسنہ ان کا ایمان ہے۔ شہادت ان کی میراث ہیں' جبکہ یہود' یہود کو دو ہزار برس میں مرنے کے علاوہ زندگی میں کوئی حسن نہ ملا اور ان کی تاریخ ہم دیکھ ہی چکے ہیں۔ عبرت اور شیطنت کا سراسر مرقع ہے۔

سویز

نہرسویز انگریزوں کی تجارت اور حکومت کی رگِ جان تھی' اور انہیں 1888ء سے یہی دھڑکا لگا رہا کہ کہیں مصری اتنے طاقتور نہ ہو جائیں کہ برطانوی جہازوں کی اس راستے آمدورفت پر پابندی عائد کر سکیں۔

اس نہر نے برِاعظم افریقہ کے گرد چکر کاٹ کر' انگریزی جہازوں کا طول طویل سفر قلیل کر دیا تھا اور انہیں اپنی نو آبادیات کا مال اور دولت سمیٹنے اور اپنی فوجوں کی نقل و حرکت اور تجارت کی آڑ میں اپنی حکومت کو پھیلانے کے بہتر مواقع فراہم کئے۔ یہی وجہ تھی کہ سویز کے مکمل ہونے سے چھ برس قبل ہی (1882ء) میں انہوں نے مصر کو اپنے منحوس سائے میں لے لیا اور اس میں ایسے فتنے برپا کئے کہ مصریوں کے نزدیک عافیت کا نشان انگریزی حکومت ہی رہ گئی۔

باوجودیکہ پہلی جنگِ عظیم کے آغاز تک مصر' ترکی پرچم کے زیرِ نگیں رہا لیکن جنگ چھڑنے کے فوراً بعد 18 دسمبر 1914ء کو انگریزوں نے یہ عارضی اور ظاہری منافقت بھی دور کر دی اور مصر براہ راست حکومتِ برطانیہ کے زیرِ نگیں کرتے ہوئے حسین کامل کو مصر کا حکمران مقرر کر دیا۔ ترکی اور جرمنی نے جنگِ عظیم اوّل کے دوران سویز پر قبضہ کرنے کی حتیٰ المقدور کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ جنگ کے بعد مصری عوام نے حقِ خودارادیت کا مطالبہ کیا اور سویز کے ساتھ سوڈان کی عملداری بھی طلب کی۔ انگریزوں نے اسے رد کر دیا اور ترکی سے سیورز کے معاہدے میں بھی مصری نگرانی کو منوالیا۔ مصری قوم اس سیاسی قلابازی کو تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوئی اور اس نے انگریزوں کو منہ توڑ جواب دینے کے لئے بغاوت

کااعلان کر دیا۔ جنرل ایلن بی کی زیر کمان ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ انگریزوں نے اس بغاوت کو کچل تو دیا لیکن انہیں مصری مزاج کا واضح اندازہ ہو گیا۔ چنانچہ 1929ء میں مصر آزاد خود مختار ریاست کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا۔ سلطان احمد فواد شاہِ مصر مقرر ہوئے لیکن چند ہی برس بعد 1936ء میں مسولینی کی افریقہ میں پیش قدمی کا بہانہ بنا کر انگریزوں نے سویز کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی اور اس کی میعاد بیس برس مقرر کی' دوسری جنگِ عظیم میں برطانیہ کی وہ افواج جو مصر میں تھیں' اس کی فتح کیلئے بے حد مفید ثابت ہوئیں۔

1945ء میں جنگ کے خاتمے کے بعد مصر نے انگریزوں سے سویز کا علاقہ خالی کرنے کا مطالبہ کیا اور اس سلسلے میں بہت ہنگامہ آرائی سے کام لیا۔ انگریز شاطر نے شاہ فاروق کو ناکارہ بنانے کے لئے عیاشی کے راستے پر اس طرح ڈال دیا کہ جب 1948ء میں مٹھی بھر یہودیوں نے اسرائیل کی ریاست قائم کی اور فلسطین کے عوام کی مدد کے لئے مصری افواج میدانِ عمل میں خیمہ زن ہوئیں تو وہ ان کی حفاظت تو در کنار اپنی مدافعت نہ کر سکیں۔ عوام بددل ہو گئے اور شاہ فاروق کو 1952ء میں مصر کا تخت چھوڑ کر ملک بدر ہونا پڑا۔ یہ سب انگریزی کی حکمتِ عملی تھی۔ 1888ء سے 1948ء تک ساٹھ برسوں میں مصریوں کے جذبے اور آزادی کی جس طور توہین کی گئی تھی' اب اس پر ایک آخری مہر لگنا باقی تھی اور وہ "منطقی" طور پر بھی درست تھا کہ اسرائیلی یہود اپنی مملکت کے کناروں سے اچھل کر سویز کے ساحلوں پر پھیل جائیں اور سویز پر بلا شرکتِ غیرے مصری تسلّط ختم کر دیں۔ اس سے نہ صرف مصر کی اقتصادیت مفلوج ہو جائے گی' بلکہ عرب قوموں کی سربراہی اور مشرقِ وسطیٰ کی سیاست میں مصری قیادت بھی ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ جب اس سب احتیاط کے باوجود 26 جولائی 1956ء کو ناصر نے سویز کو قومی ملکیت میں لینے کا اعلان کیا اور اس کی ذمہ دار کمپنی کے سرمائے سے اپنا ٹمٹماتا چراغ روشن کر رکھا تھا' دو دن کے بعد مصر کے تمام سرمائے پر قبضہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ امریکہ اور فرانس نے مصر سے تجارت پر قدغن عائد کر دی اور تینوں ممالک کی فوجیں مل کر مصر کی جانب پیش قدمی کرنے لگیں۔ گو انہیں ابھی حملے کا اذن حاصل نہ ہوا تھا کہ 29 اکتوبر کو یہود نے سویز کے کناروں پر مصری چوکیوں پر اعلانِ جنگ کے بغیر حملہ کر دیا۔ مزید دو دن کے بعد برطانیہ اور فرانس نے بھی اس کے دوش بدوش لڑنے کا اعلان کر دیا۔ مسئلہ سلامتی کونسل میں پیش ہوا فرانس اور برطانیہ نے اسے ویٹو کر دیا اور پھر ان دو ممالک کی فوجیں اسرائیل کی حمایت میں برابر دباؤ ڈالتی رہیں۔ حتیٰ کہ 5 نومبر 56ء کو روس نے فرانس اور برطانیہ دونوں کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی تو روس اس جنگ میں مصر کا ساتھ دینے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس طرح یہ مختصر اور بظاہر انتہائی غیر اہم جنگ ختم ہو گئی۔ لیکن اس جنگ نے واضح کر دیا کہ امریکہ اور برطانیہ اور فرانس' اسرائیل کے جاں نثار حلیف ہیں' اور سویز پر مصری تسلّط کے یکسر مخالف۔ سویز کی نہر' اس جنگ میں بری طرح تباہ ہو گئی لیکن اقوامِ متحدہ نے اس کی مرمت اپنے ذمہ لے کر اپریل 57ء تک اسے دوبارہ قابلِ استعمال بنا دیا۔ اس سلسلے میں طے پانے والے معاہدے کی رو سے سویز پر مصر کی حاکمیت تسلیم کر

لی گئی اور یہ امر بھی کہ اسرائیل اس نہر کو قانونی طور پر استعمال نہیں کر سکے گا۔ اس معاہدے میں اس فیصلے کا ایک بار پھر اعادہ کیا گیا 1968ء میں سویز پوری طرح مصر کی ملکیت بن جائے گی۔

سویز کے بارے میں اس وضاحت اور پس منظر کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ یہ واقعات ہی دراصل اس جارحیت کی بنیاد بنے جو 4 جون 1967ء کو عرب ملکوں کے خلاف روا رکھی گئی۔

1956ء میں برطانیہ' فرانس اور اسرائیل نے تمام دنیا کے روبرو اپنے اتحاد اور گٹھ جوڑ کا اعلان کیا تھا' لیکن چونکہ روس کی مداخلت نے اسے اپنا مقصد حاصل کرنے سے مانع رکھا تھا۔ اس لئے یہ ممالک کسی اور موقع کی تلاش میں خاموش ہو گئے' یہاں تک 1967ء میں یعنی سویز پر مصری تسلّط سے صرف ایک برس قبل اسرائیل کی شیطنت ایک دفعہ پھر بے نقاب ہوئی' تاکہ سویز کو بقول بن گوریان "اسرائیل کے ہاتھوں میں دے کر برطانیہ کیلئے محفوظ کی جائے۔" یہ سب کچھ ہوا۔

آج سویز بند پڑی ہے' اس کے ایک کنارے پر یہودی بیٹھے ہیں۔ انگریزوں نے عربوں کا تیل حاصل کرنے کے لئے متبادل انتظام کر لئے ہیں۔ سویز کے خسارے نے مصر کی کمر توڑ دی ہے۔ نہر کے ساتھ تینوں شہر پورٹ سعید' اسماعیلیہ اور پورٹ توفیق ملبے کا ڈھیر بن چکے ہیں۔ خود شہر سویز جہاں زندگی رقص کرتی تھی' سنسان پڑا ہے' یہ نہر جو تین براعظموں کا مقامِ اتصال تھا' بین الاقوامی معیشت کی رگِ جاں تھی' آج یہود کی سازشوں کی نذر ہو چکی ہے۔

اس کتاب کی ترتیب کے وقت نہر سویز بند پڑی تھی اب سویز کا راستہ کھل گیا ہے مگر مشرق وسطیٰ کی فوجی اور سیاسی صورت حال ماضی کے اثرات سے اپنا دامن ابھی تک نہیں چھڑا سکی۔

سورج ہر روز ان اجاڑ شہروں پر طلوع ہوتا ہے اور سونی گلیوں اور گولیوں اور بموں سے چھلنی مکانوں کے مکینوں کو تلاش کرتا ہوا ڈوب جاتا ہے۔ صحرا کی ہوا ٹوٹی ہوئی اداس کھڑکیوں اور بکھرے ہوئے خاموش روشن دانوں سے ٹکراتی ہے تو چیختی ہوئی گزر جاتی ہے' اس کی آہ و بکا سننے کو بھی وہاں کوئی موجود نہیں' اقوامِ متحدہ گونگی اور بہری ہو چکی ہے۔

1948ء میں نو لاکھ فلسطینیوں کو بے یار و مدد گار کرنے والے یہود کو کسی نے نہ ٹوکا۔ 1967ء میں مزید دس لاکھ عرب اس تعداد میں شامل ہو گئے۔ ان سب کا مستقبل کب تابناک ہو گا۔ ان کی آزادی کی صبح کب طلوع ہو گی۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں کب لوٹیں گی۔ ان سوالوں کی بازگشت جوابوں کے ساتھ کب لوٹے گی۔ انصاف کا دور کب شروع ہو گا؟

انصاف !!! آج انصاف اس کا ساتھ دیتا ہے جو ظالم اور جابر ہے آج انصاف مفادات کا کھلونا بن کر رہ گیا ہے' جس کی رسائی غریب اقوام سے دن بدن دور تر ہوتی جا رہی ہے!

ہے کہاں روزِ مکافات اے خدائے دیر گیر

اس کتاب کی ترتیب کے وقت نہر سویز بند پڑی تھی اب سویز کا راستہ کھل گیا ہے مگر مشرق وسطیٰ کی فوجی اور سیاسی صورتحال ماضی کے اثرات سے اپنا دامن ابھی تک نہیں چھڑا سکی۔

امریکہ کے ایک سابق صدر مسٹر لنڈن بی جانسن نے انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے لئے ایک مضمون "امن کی تلاش میں" کے عنوان سے سپردِ قلم کیا جس میں مشرقِ وسطیٰ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

"چھ دن کی جنگ کی جڑیں ایک مقامی جھگڑے میں گڑی تھیں جو ہرگز ظہور میں نہ آتا، اگر روس اسلحے کی بھاری بھرکم امداد سے مصر، شام، الجیریا اور عراق کو نہ اکساتا یہ ہنگامہ ان جھوٹی افواہوں کا ردِ عمل تھا، جو سارے مشرق وسطیٰ میں پھیلی ہوئی تھیں کہ اسرائیل شام پر حملہ کرنے والا ہے۔ ہمیں معلوم تھا کہ اس قسم کی کوئی جھڑپ بڑی طاقتوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ ہم نے ہر ممکن کوشش کی کہ جنگ نہ ہونے پائے لیکن ہماری کوششوں پر اسرائیل کے گرد عربوں کی جارحانہ فوج کشی سبقت لے گئی۔ یہ نعرہ بلند ہوا کہ اسرائیل تباہ کر دیا جائے گا۔ اس کشیدہ اور خطرناک ماحول میں جو دھماکہ ہوا، اس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں جنگ کے پہلے دن سے ہماری کوشش یہ تھی کہ نہ صرف اس منافقت کو ختم کر دیا جائے بلکہ مشرقِ وسطیٰ میں امن کی حالت بپا کی جائے۔ ہمارا زاویۂ نظر یہ تھا کہ اسرائیل اور اس کے پڑوسیوں کے درمیان مسلسل کشیدگی عالمی امن کی گردن میں جوا بن گئی ہے۔ اقوامِ عالم کا فرض ہے کہ اس علاقے میں ہر قوم کے امن سے زندہ رہنے کے حق کے لئے اصرار کرے۔ تشدد اور تعطل کی فضا سے آزاد اور یہ امن دونوں گروہوں کی خواہش اور ذمہ داری سے حاصل کیا جائے۔ اگرچہ دوسری قومیں مدد کر سکتی ہیں۔ لیکن خارجی دباؤ سے عائد کیا ہوا فیصلہ جو متعلقہ قوموں کے حقیقی خیالات کی ترجمانی نہیں کرتا، پائیدار نہیں ہو سکتا۔ فی الواقعہ اس سے صورتحال مزید بگڑ جائے گی۔

ہم نے ڈیڑھ سال کے طویل عرصے میں اقوام متحدہ میں اور دوسرے مقامات پر ایک منصفانہ اور عادلانہ امن پر زور دیا۔ ایسا امن جو عربوں اور اسرائیلیوں دونوں کے حقوق کیلئے ضمانت دے سکے۔ ہم نے فلسطینی مہاجرین کیلئے انصاف، مستقل اور تسلیم شدہ سرحدوں کا تعین، سمندروں کے حقوق کی ضمانت اسلحہ کی حد بندی اور یروشلم کے لئے ایک ایسے نئے نظام کا مطالبہ کیا جو اس مقدس شہر میں قومی اور بین الاقوامی مفادات کا محافظ ہو۔

میں اب تک جب یہ سطور لکھ رہا ہوں کسی کامیابی کی اطلاع نہیں دے سکتا۔ ابھی تک دونوں قوموں کے درمیان نفرت اور بدگمانیاں بے حد شدید ہیں۔ چنانچہ تعطل جاری ہے اور یہ دھڑکا بھی لاحق ہے کہ خوفناک تصادم کا لاوا پھر پھوٹ سکتا ہے۔ اگرچہ دونوں کے درمیان ٹھنڈے دل سے سوچنے والے لوگ موجود ہیں، لیکن رائے عامہ کے شعلوں کی ہمہ وقت حرارت بھی موجود ہے جو اس علاقے کی قدیم

شکایات اور بقا کے خطرات کو ہوا دیتی ہے۔ میرے جانشینوں کو مشرقِ وسطیٰ میں حقیقی امن کے قیام کی مسلسل کوشش کرنا ہوگی۔ ہمیں ہر خطرے کو حدود میں رکھنے کی کوشش کرنا ہوگی اور اس کے لئے سوویت یونین کی غیر مبہم اور واضح یقین دہانی کی ضرورت ہوگی کہ وہ اس علاقے میں اسلحہ فراہم کرنے پر، جھگڑوں میں اپنی مداخلت اور اس علاقہ کیلئے ایٹمی ہتھیاروں پر پابندی عائد کرے۔"

یہ امریکہ کے ایک سابق صدر کے الفاظ ہیں، ان کے پردے سے کئی حقائق جھانک رہے ہیں۔ آیئے ان کا محاسبہ کریں:

○ امریکہ کو اسرائیل کی ممکن تباہی کا غم کھائے جا رہا تھا، اور روسی امداد نے جو صورتحال پیدا کی تھی، اس کا ردِ عمل ہی اسرائیلی جارحیت کا جواز تھا۔

○ 67ء کی جنگ کے بعد بھی امریکہ، یہود اور فلسطینی عربوں کو ایک ہی ترازو میں تولتا ہے۔ اس کے نزدیک یہود کی اعلانِ جنگ کئے بغیر عرب علاقوں پر جارحیت کوئی جرم نہیں۔

○ امریکہ یہود کو عربوں کے برابر حقوق دلوانے پر تلا ہوا ہے۔ وہ عربوں کے ساتھ سازشی، غاصب اور مجرم یہودیوں کی عزت کی ضمانت چاہتا ہے۔ وہ ڈیڑھ سال میں انہیں اپنے غاصبانہ قبضوں سے دست کشی پر راضی نہ کر سکا، حالانکہ چشم زدن میں ان کے لئے اسرائیل کی ریاست بنانے کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

○ امریکہ کو اس علاقے کی رائے عامہ کے شعلوں کا غم ستا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر عربوں نے یہود کا بگاڑا کیا ہے؟ کہ بقول صدر جانسن، اسرائیل کی رائے عامہ بھی شعلے اگل رہی ہے۔ کیا امریکی حکمران عربوں کے امن کو برباد کرنے والوں اور تباہ حال عربوں کو ایک ہی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ اگر یہ واقع ہے تو ان سے کس شرافت اور انسانیت، اور کس انصاف اور صلح جوئی کی توقع کی جا سکتی ہے۔؟

○ امریکہ، روس سے عربوں کی حمایت سے دستبردار ہونے کی ضمانت چاہتا ہے لیکن خود یہودیوں کے ساتھ مل کر سازش کرنے سے تائب ہونے کو تیار نہیں۔

یہ تمام باتیں اسرائیلی حلیف کی حیثیت سے کی گئی ہیں اور امریکہ کے اس سابق صدر کے قلم سے نکلی ہیں، جو خود چار جون 67ء کی اسرائیلی جارحیت کے لئے ذمہ دار تھا۔ مسٹر جانسن کو ان قراردادوں کا پاس بھی نہیں، جو اقوامِ متحدہ نے منظور کیں۔ انہیں یہود کے غاصبانہ قبضے کا دکھ بھی نہیں، انہیں یہ احساس بھی نہیں کہ یہود نے بے بس فلسطینی عربوں پر وہ مظالم توڑے ہیں، جو کبھی یورپ کے عیسائیوں نے خود ان پر روا رکھے تھے۔ حق تو یہ ہے کہ اگر یہودیوں کو امریکہ اور یورپی طاقتوں کی شہ حاصل نہ ہوتی تو

عربوں کے درمیان وہ بتیس دانتوں میں زبان کی طرح ہی رہتے، لیکن عالمی طاقتوں کی پشت پناہی پا کر یہ مٹھی بھر شیطان عربوں کی زندگی حرام کرتے اور مسلمانوں کے سینے میں خنجر گھونپتے ہیں اور دنیا بھر کے "مقتدر" "امن پسند" انسانیت نواز ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ انہیں یاد ہی نہیں رہا کہ یورپ اور امریکہ سے لائے ہوئے یہ غیر ملکی یہود، فلسطین میں اپنی ریاست قائم کرنے کے مجاز نہ تھے "یہ ریاست" مسلمانانِ فلسطین کے دل کا ناسور ہے۔ انہیں یہ بھی یاد نہیں کہ انہوں نے عرب قوم سے تیل کی تجارت کی ہے، ان کے دین، ان کے عزت وناموس، ان کے وطن، ان کے حقوق اور ان کے مستقبل کی تجارت نہیں کی۔ انہیں یہود نوازی کے غم میں یہ بھی بھول گیا کہ ابلیس کے ان چیلوں نے مسجد اقصیٰ کے شعلوں سے سارے عالمِ اسلامی کو جس غم وغصہ میں مبتلا کر دیا ہے، اس کا بدلہ لئے بغیر کوئی مسلمان چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ مسجد اقصیٰ کے اٹھتے اور بھڑکتے شعلے ہر مسلمان کو دعوت دے چکے ہیں کہ صیہونیت کو برباد کرنا عین انصاف اور عین انسانیت ہے۔ اس آگ کو بھڑکا کر یہود نے تمام عالمِ اسلام کو جو چیلنج دیا ہے، اس کا جواب انہیں وقت دے گا، اس طرح کہ تاریخ عالم اسے تا ابد فراموش نہ کر سکے گی۔ یہود کی اس سازش کے پردے میں جو طاقتیں کار فرما ہیں ان کی قلعی بھی کھل چکی ہے اور وہ بھی انشاء اللہ اس قوم کے ساتھ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچیں گی کہ یہ وقت کا فیصلہ ہے۔

آج یہود کا طرزِ عمل اس حقیقت کے لئے ثبوت فراہم کر رہا ہے کہ انہیں گزشتہ چار ہزار سال کے عرصے میں اس لئے تباہ وبرباد کیا گیا کہ ان کا وجود انسانیت کے لئے زہرِ ہلاہل کا درجہ رکھتا ہے کہ وہ انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا داغ ہیں کہ انہیں انسان کی حیثیت سے انسانوں کی برادری میں جگہ دینا اپنی ہلاکت مول لینے کے مترادف ہے۔

مسٹر ولیم ای گرفتھ نے جو امریکہ میں بین الاقوامی تعلیمات کے مرکز میں پولیٹیکل سائنس کے پروفیسر ہیں، مشرقِ وسطیٰ کا دورہ کرنے کے بعد 1970ء کے "ریڈرز ڈائجسٹ" میں ایک مضمون لکھا، جس کا عنوان ہے "زیرو آور فار دی مڈل ایسٹ" اس مضمون میں انہوں نے امریکہ کو خبردار کیا ہے کہ وہ اپنی یہود نوازی کے باعث خسارے کا سودا کر رہا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ وہ اپنا رویہ بدل لے۔

> "امریکہ دشمنی کا جو رویہ اس وقت اکثر عربوں میں پایا جاتا ہے، بڑی حد تک ناقابل تردید ہے۔ اب جبکہ برطانیہ مشرقِ وسطیٰ سے لوٹ رہا ہے، بہت جلد مغربی طاقتوں میں سے امریکہ ہی تنہا اس علاقے میں باقی رہ جائے گا۔ اس طرح اس نے عربوں کی مغرب سے نفرت ورثے میں پائی۔ وہ نفرت جو مغربی طاقتوں کے عرب دنیا پر غلبے کا لازمی نتیجہ تھی۔ تاہم اسکے ساتھ ہی ساتھ یہ امریکہ دشمنی ان عناصر کی پیداوار بھی ہے جو ہمارے اپنے اختیار میں ہیں۔ بالخصوص وہ بے پناہ طرف داری جو ہم نے عربوں کے مقابلے میں اسرائیل کے لئے روا رکھی ہے، بجا طور پر امریکہ، اسرائیل کے تحفظ اور بقا کی امداد کا حلیف ہے کہ آخر کار اسرائیل مشرقِ وسطیٰ میں ہمارا سب

سے بڑا اتحادی ہے' لیکن اب ہمیں اسرائیل کی تمام پالیسیوں کے ساتھ وابستہ رہنے کی ہرگز ضرورت نہیں' امریکہ کے زبردست مفادات اسرائیل ہی سے نہیں' عرب ریاستوں کے ساتھ بھی لاحق ہیں۔ ہم نہ کسی ایک کی مکمل پشت پناہی کر سکتے ہیں اور نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔"

ان واشگاف الفاظ میں امریکہ کی حمایت کا مجرم ٹھہرا کر مسٹر گرفتھ نے روسی مداخلت اور اس کے عربوں پر اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

"کریملن مشرقِ وسطی میں نہ امن چاہتا ہے نہ جنگ۔ کئی مہینوں سے سوویت اور امریکی سیاستدان اس مستقل جھگڑے کے ہر ممکن حل کے سلسلے میں گفت و شنید کر رہے ہیں' اب یہ بات واضح ہوتی جا رہی ہے کہ روس مکمل جنگ کے خدشات کو تو کم کرنا چاہتا ہے لیکن پائیدار امن کے قیام کا خواہاں نہیں ہے' اس طریقہ سے وہ شدت پسند عرب ریاستوں کو زیادہ سے زیادہ روسی اسلحہ کا محتاج اور اس طرح روس کے سیاسی اور اقتصادی غلبے میں رکھنا چاہتا ہے' چنانچہ اسرائیل کے محافظ کی حیثیت سے امریکہ کے خلاف عربوں کی نفرت شدید تر ہوتی جا رہی ہے۔ یہ روش ایسی ہے جسے ہم کسی صورت بھی گوارا نہیں کر سکتے۔

1967ء کی جنگ کے بعد ایک وقت ایسا بھی تھا جب کئی اسرائیلی اس بات کے لئے تیار تھے کہ وہ علاقے جو انہوں نے جنگ کے دوران' مصر' اردن اور شام سے ہتھیا لئے ہیں' انہیں واپس کر دیئے جائیں۔ اب چوتھی جنگ سر پر منڈلا رہی ہے۔ اسرائیل ان مفتوحہ علاقوں پر اپنے تسلط کو قائم رکھنے کی فکر میں ہے اور انہیں مستقل طور پر اسرائیل میں مدغم کرنے کا نعرہ لگا رہا۔"

اس صورتحال پر تبصرہ کرنے کے بعد مسٹر گرفتھ اسرائیل کے اندرونی حالات کا جائزہ یوں پیش کرتے ہیں:

"اس سب کچھ کے باوجود اسرائیل اس مستقل فوجی حکومت کی بدولت' جو اس نے دریائے اردن کے مغربی کنارے کے دس لاکھ سے زیادہ عربوں پر عائد کی ہے (یہ علاقہ اردن کا تھا) اور غزہ اور خاکنائے سینا (جو مصر کی عملداری میں تھا) اور شام کے گولان پہاڑ (اسرائیل ابھی تک ایک جمہوریت تھا' جو رفتہ رفتہ ایک جنگی مورچہ بنتا جا رہا ہے) جن لوگوں کے بارے میں عرب گوریلوں سے ہمدردی کا شبہ ہوتا ہے' ان لوگوں کے گھروں کو اڑا دیا جاتا ہے۔ لوگوں کو بغیر مقدمہ چلائے گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ مقبوضہ علاقوں کے پیدائشی باشندوں کو اردن میں دھکیل دیا جاتا ہے اور

ان اقدامات کے لئے کسی عدالتی کارروائی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اسرائیل کی فوجیں بالطبع فوجی ذہنیت نہیں رکھتیں اور اس کے عوام اور حکومت بھی عربوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن حالات کے زیر اثر اسرائیل اسی طرف کو دھکیلا جارہا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کی قومی زندگی ذلیل ہو جائے گی۔

جہاں تک عربوں کا تعلق ہے' ان میں سب سے بڑا تغیر جو رونما ہوا ہے' وہ انتہا پسند فلسطینی قومیت کا ہے' جس کی نمائندہ فدائین کی جماعت ہے' جو فلسطین میں گوریلا تحریک چلارہی ہے۔ یہ فلسطینی ان فلسطینی پناہ گزینوں کی اولاد ہیں' جو آج سے بیس برس قبل بے گھر اور جلاوطن ہوئے۔ اس کے قائدین مقابلتاً زیادہ تعلیم یافتہ اور عربوں کے قابل ترین اور جدید ترین لوگ ہیں۔ جس طرح یہود کی جدوجہد نے قوم کی حیثیت سے 1948ء میں اسرائیل کو قائم کیا' اسی طرح فدائین کی جدوجہد ایک نئی فلسطینی قوم پیدا کر رہی ہے۔"

مسٹر گرفتھ جیسے کئی بیدار مغز امریکی حقیقت پسند اپنے رہنماؤں کو اسرائیلی ہٹ دھرمی اور ذلت سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ یہی حال دوسرے ملکوں کا بھی ہے جن کے ذہنوں سے یہودیوں کی مظلومیت کا پردہ ہٹ چکا ہے' چنانچہ وہ واقعات کو اپنی نظر سے دیکھنے لگے ہیں۔ انشاءاللہ وہ وقت دور نہیں' جب یہ ابلیسی فتنہ عالمی طاقتوں سے کٹ کر عربوں کے رحم و کرم پر ہو گا اور وہ اسے ایسا سبق سکھائیں گے کہ اس میں آئندہ رہتی دنیا تک دوبارہ سر اٹھانے کی ہمت نہ رہے گی۔

فلسطین کی موجودہ صورتحال کے بارے میں ہم نے محض یورپ اور امریکہ کے سیاست دانوں اور مئورخوں کے حوالوں پر اکتفا کی ہے کہ اگر ہم عرب رہنماؤں کے بیانات پیش کرنے لگیں تو ایک مبسوط کتاب مرتب ہو جائے اور شاید ہم پر جانبداری اور کم نظری کا الزام بھی عائد ہو۔ تاہم بے جا نہ ہو گا اگر ہم اس مقام پر شاہ حسین والیٔ فلسطین کی اس تحریر کا ترجمہ پیش کریں' جسے انہوں نے 1968ء میں رونار نڈال کی تصنیف "فلسطین اور ارضِ مقدس" کے پیش لفظ میں درج کیا:

"............ ہم اپنے عوام پر نازاں ہیں جو ساری دنیا کو اس سرزمین کے مقدس اتحاد سے وفاداری کر کے' دوستوں اور زائرین سے فیاضی برت کر اور آزادی کے مقصد کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا کر دنیا کو متاثر کئے جا رہے ہیں۔ اردن کے عوام اس بحران میں مبتلا ہیں۔ تازہ ترین اسرائیلی جارحیت نے اس ملک کے معتدبہ حصے کو آزادی سے اور اس کے لوگوں کو اپنی جائیدادوں اور وسائل حیات سے محروم کر دیا ہے۔ ہم اس بات کو اسی طرح واضح کر دینا چاہتے ہیں' جس طرح ہم نے پہلے بھی پورے وثوق سے کہا ہے کہ ہم جارح کو ایک امن دوست اور بنیادی طور پر سکون پسند قوم کے

صدقے میں اپنی جارحیت کا ثمرہ حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

اردن کی ہاشمی سلطنت اپنی اس عظیم میراث کی نگہبان ہے' جو چودہ صدیوں کی عرب نوازی سے نمایاں ہے' اور جو چودہ صدیوں کی اسلامی تحمل و بردباری سے مشرف ہے۔ اردن کے عوام تاریخی طور پر اور اخلاقی اعتبار سے بھی' اس میراث کا تحفظ کرنے کے لئے ذمہ دار ہیں کہ یہ ان کا بنیادی حق ہے۔ اس کا مقصود وہ امن ہے جس کی بنیاد عدل وانصاف پر ہے۔ کوئی قوم جس کا ماضی اس قدر عظیم الشان روایات سے مرصع ہے اس سے کم کسی بات پر راضی نہیں ہو سکتی۔ اس کا مطالبہ کرنے میں مشرقی کنارہ اور مغربی کنارہ دونوں ایک ہیں مشرقی کنارہ اور مغربی کنارہ اس سے بھی زیادہ کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں۔

جون کی جنگ کے بعد عرب دنیا کا نقشہ بدل چکا ہے عرب حکومتیں اور لوگ ایسا اتحاد حاصل کر سکتے تھے' جو بڑے درخشاں مستقبل کا ضامن ہے' داخلی طور پر اور عرب قوم کے باہمی تعلقات کے سلسلے میں اردن' عرب اتحاد کا علمبردار ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خطرات و سازش کے سامنے عرب دنیا بھی اردن کے جراُت مندانہ عزائم سے بلند حوصلہ ہو گئی ہے۔ عرب برادری نے اتحاد کے لئے اپنے فرائض کو تسلیم کر لیا ہے اور بالآخر عرب برادری فتح یاب ہو گی ...."

عرب دنیا کے ایک مقتدر رہنما کی حیثیت سے شاہ حسین کے یہ الفاظ بڑے معنی خیز ہیں۔ اگرچہ عرب رہنما اور عوام اپنا مافی الضمیر حاصل کرنے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوئے۔ " تاہم ان کا مقدر بالآخر اسی تابناکی کا مظہر ہو گا جس کی طرف حضور پاک حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرما دیا تھا اور یہ بات حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک گنہگار امتی کی حیثیت سے پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ گزشتہ دو ہزار برس میں اقوام عالم کو ذلیل کرنے کے بعد یہود نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت پر ہاتھ ڈال کر اپنی تباہی کا سودا کر لیا ہے اور یہ سودا اسے یقیناً مہنگا پڑے گا۔

یہود کی نفسیات

یہود کی چار ہزار سال کی تاریخ ومذہب کا جائزہ لینے کے بعد آیئے اب ہم اس قوم کی ذہنی ساخت کا محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ اسے دوسری اقوامِ عالم سے کسی نسبت و تعلق کا حق دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اس کے فرد اور قوم کا رشتہ دوسری اقوام کے فرد اور قوم کے رشتے سے مماثل بھی ہے یا نہیں؟

اسی سوال کے جواب سے ہم اس حقیقت کی تہہ کو پہنچ سکتے ہیں کہ مصریوں نے انہیں کیوں ذلیل کیا' بخت نصر نے انہیں برباد کر کے کیوں غلام بنایا اور جلاوطن کیا۔ ایران کے بادشاہ سائرس نے انہیں اپنی قلمرو سے بے دخل کیوں کیا۔ رومنوں نے ان کی تخریب کو ضروری کیوں سمجھا اور کیوں انہیں اطرافِ عالم میں بکھیر دیا۔ دو ہزار برس میں جس قوم نے بھی انہیں پناہ دی وہ معدوم کیوں ہوئی اور اس کا حشر عبرتناک کیوں ہوا۔ یورپ اور ایشیا کے ہر ملک میں یہ طرح طرح کے عذاب کے مستوجب کیوں گردانے گئے' یہاں تک کہ بیسویں صدی میں ہٹلر نے ان کی سرکوبی کرنے ہی میں جرمنی کی عافیت کیوں جانی' اور آج امریکہ اور یورپ کی دوسری قومیں انکی پشت پناہی کر کے انہیں فلسطین میں کیوں آباد کر کے اپنی گلوخلاصی کرانا چاہتی ہیں۔

انسان کی حیثیت سے ہم اپنے خول سے باہر نکل نہیں سکتے۔ ہر انسان کو ہم اپنے ظرف کے پیمانے سے جانچتے ہیں۔ اپنے مشاہدات سے اس حقیقت کا اندازہ لگاتے ہیں' یہود کے سلسلے میں بھی ہم اسی مجبوری سے دوچار ہیں۔ ایک قوم جو جلیل القدر انبیاء کی اولاد ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے برگزیدگی کا نشان مرحمت فرمایا اور یہ عہد لیا کہ وہ اپنی ذات اور نفس کے اغراض سے بے نیاز ہو کر اللہ تعالیٰ کے لئے جیے گی اور اللہ کے لئے ہی مرے گی' یہ عہد جو حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ نے باندھا تھا۔

ترجمہ: "میری نماز' میری قربانی' میرا مرنا' میرا جینا' سب کچھ تیرے ہی لئے ہے۔"

اس قوم نے حضرت ابراہیمؑ پر بہتان باندھے' آپ پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد کیا۔ حضرت

یعقوب پر (جن کے بارہ بیٹوں سے ان کے بارہ قبائل پیدا ہوئے) برادرانِ یوسفؑ نے جس طرح ظلم کئے۔ اپنے حقیقی باپ کو اپنی اغراض اور تنگ نظری سے جس طرح رلا رلا کر نابینا کیا' اپنے سوتیلے بھائی کو کنویں میں پھینک کر جھوٹ کی اساس قائم کی اور ایسا کردار اپنایا جسے قرآنِ حکیم میں خداتعالیٰ نے پورے سیاق وسباق کے ساتھ ضبط با تاکہ ہم اس تخم کی حقیقت سمجھ سکیں۔ جس سے یہود کا شجرہ پھوٹا اور جس نے بارآور ہو کر شجرِ زقوم کی خدمات حاصل کی۔

یہ قوم بظاہر انسانوں کی قوم ہے۔ گوشت پوست کے انسانوں کی طرح اس قوم کے افراد بھی چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے ہیں' تجارت کرتے ہیں' کتابوں کا مطالعہ اور تصنیف کرتے ہیں' دیکھنے میں بڑے عالی حوصلہ' صحت مند' فرخندہ جبیں' محنت کش اور جوان نظر آتے ہیں جن حالات کا شکار یہ لوگ رہے' اس کے بعد' کوئی اور قوم' پست ہمت تو کجا ناپید ہو کر رہ جاتی۔

چار ہزار سال...... ایک متعین منزل' ایک مخصوص وعدہ...... اور اس کے ایفا کے لئے ایک لگن' ایک والہانہ شیفتگی...... سال بہ سال' عہد بہ عہد' نسل بہ نسل' قرن بہ قرن' وقت سے بے نیاز' ذات سے بے نیاز' ایثار و قربانی سے بے نیاز' ایک مستقل جدوجہد...... ایک مستقل دھن...... ایک مقصود...... ہزاروں سال کی مسلسل ناکامیوں کے باوجود...... آہنی' غیر مرئی' جذبات و احساسات سے ماوراء استقلال

کیا یہ انسانی عمل ہے؟ کیا کوئی اور انسانی برادری، کوئی اور قوم، نہیں کوئی سلسلہ ——— حیات اس طرح خود فراموشی سے اپنے قومی مستقبل کو اپنی ذات کی تسکین سمجھتا ہے...... سمجھتا؟...... نہیں مانتا ہے...... مانتا؟ نہیں ایمان قرار دیتا ہے۔ یہ عجزِ لغت ہے کہ اس قوم کی سرفروشی اور خود فراموشی کی اس طویل داستان کو بیان کرنے کے لئے الفاظ بے بس ہیں' بے زبان ہیں' قاصر ہیں کہ حقیقت اس کشاکش کو بیان کرنے کے لئے مناسب الفاظ سے عاری ہے...... یہ کارنامہ انسانی نہیں...... شعوری نہیں'...... ایمان کی حرارت بھی نہیں۔ ہمارے سامنے اس سے مماثل ایک ہی حیوانی سلسلہ ہے' جو اپنی دھن' اپنے عزم اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے اپنی ذات کو اسی طور قربان کرتا ہے۔

یہود وہ دیمک ہیں جنھوں نے انسانی معاشرے' مذاہب' تہذیب و تمدن' اخلاقیات' عمرانیات' فلسفے اور فکر و فن کی ہر بنیاد کو منہدم کیا ہے' نہیں' چاٹ ڈالا ہے۔ جس پر انسان کو ناز ہو سکتا تھا۔ جس پر انسانی کمال کی چھاپ تھی۔ یہود وہ انسان نما دیمک ہے' جو اپنے گرد ذات کا خول چڑھا کر گرد و پیش کی ہر ارتقائی کڑی کو نگل گیا اور آج بھی وہ پوری انسانیت کو ختم کر کے 'انا و لا غیری' کا وظیفہ ادا کرنا چاہتا ہے' لیکن ہمیں اس نفسیاتی حقیقت کو نفسیات ہی کی روشنی میں پڑھنا ہو گا کہ محض تاریخ کا مطالعہ ہماری دستگیری کے لئے کافی نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نتیجے پر پہنچنے کے لئے ہمیں تاریخ کے ہفت خواں سے گزرنا پڑے گا۔

یہود کی ذات منفرد ہے' ان کی تاریخ منفرد ہے' ان کا مذہب منفرد ہے ان کا قومی سلسلہ منفرد ہے' ان کا اندازِ فکر منفرد ہے' ان کی سیاست' تجارت' علم' شعور' اخلاق' ادب' ہر چیز منفرد ہے'...... یہ

انفرادیت شہد کی مکھی کو حاصل ہے اور ریشم کے کیڑے کو بھی۔ شہد کی مکھی پھولوں کی دشمن ہے اور ریشم کا کیڑا شہتوت کے پتوں کا لیکن ان کی دشمنی اس اعتبار سے قابلِ قبول ہے کہ اپنی غذا کی تلاش میں انہوں نے پھولوں اور شہتوت کے پتوں کو مخصوص کر لیا ہے لیکن ان کے برعکس "انسانی دیمک" یہود انسانیت ہی کی دشمن ہے' وہ کسی قوم کے تہذیبی عمل' مذہبی اتحاد' قومی یکجہتی' شخصی وقار' کسی مثبت قدر کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس کے لئے کسی قوم کی سیاسی' ثقافتی' عقلی' تاریخی اور مذہبی پیشوائی قابلِ قبول نہیں کہ یہ تنہا اسی کا حق ہے۔ حالانکہ خود اس کی اپنی تاریخ' کردار اور عمل انسانیت سوز' خلافِ واقعہ اور ہلاکت آفریں ہے۔

انسانی برادری میں ہر شخص اپنی ذات اور اپنی محبتوں کی بقا چاہتا ہے۔ ہر شخص ذات اور جماعت کی ترویج کے لئے جدوجہد چاہتا ہے۔ جو شخص جماعت گروہ' قوم یا ملک کے مفادات سے دشمنی کرے اسے غدّار' خود غرض' عاقبت نا اندیش' مفسد اور باطل پرست گردانا جاتا ہے۔ دیمک کا کردار اسکے برعکس ہے کہ وہ اپنی ذات کو قربان کر کے اپنے قومی شعور' قومی مقاصد اور قومی عمل کے لئے "جہد للبقا" کرتی ہے۔ اس کی نشو ونما ایک طرف سے جوڑلیتی ہے' اسے اپنی ذات کی بقا چاہیے لیکن اس کی نہایت "قومی مقصود" کا حصول ہے۔ ذاتی سربلندی اس کے کسی فرد کا مقصد نہیں ہوتی۔

ان حقائق کی روشنی میں ہمیں اس قوم کی نفسیات کا مطالعہ کرنا ہو گا۔ کیونکہ اس کی مثال عالمِ امکان میں نہیں ملتی' دوسری قوموں کے عروج وزوال سے ان کا موازنہ نہیں ہو سکتا۔ اکثر علمائے تاریخ نے اسی مقام پر ٹھوکر کھائی ہے وہ انہیں ایک انسانی قوم کی حیثیت سے دیکھتے اور پہنچانتے رہے۔ نتیجہ ظاہر ہے' دنیا کی کوئی قوم چار ہزار سال تک انسانی برادری سے کٹ کر زندہ نہیں رہ سکی۔ دوسروں کو مطیع کرنے کی فکر میں سرگرداں نہیں رہ سکی' اپنی شکست و ریخت کے دور میں بھی اپنی عظمت کا ڈھول نہیں پیٹتی پھری۔ ذات کی قربانی' قوم کی بقا کے لئے نہیں کی جاتی رہی۔ اپنے لئے علیحدہ خدا بنا کر اس کے عجیب و غریب عہد اپنا مطمعِ نظر بنانے پر مصر نہیں رہی' دو ہزار برس کے مظالم و استحصال سے عیّاری' چالبازی' اور مکّاری کے کمال اور حصولِ دولت کے لئے ہر حربے کے استعمال کو جائز قرار دینے کی مرتکب نہیں ہوئی' یہاں تک کہ بالآخر دو ہزار برس کے بعد اس نے انہی کمالات کے بل بوتے پر اپنے فاتحین کو شکست دی' اور اپنے عقائد و تصورات میں سے اپنا مرکز تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اگر تاریخ عالم میں ایسی کوئی دوسری قوم موجود ہوتی تو ہم اسکے ساتھ تقابلی جائزہ کر کے اس قوم کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کر سکتے تھے' لیکن اس قوم کی مثال واحد ہے' اس لئے ہم مجبور ہیں کہ اسے دوسری اقوام سے الگ کر کے اسی کا محاسبہ کریں اور انسانی براوری میں اس کی حیثیت پر غور کر سکیں۔

○ اپنے تمام تر انبیاء پر انہوں نے طرح طرح کے الزامات لگائے' کسی کو جھوٹا' کسی کو اوباش اور کسی کو بدکردار قرار دیا۔ اس معاملے میں انہوں نے حضرت ابراہیمؑ' حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ تک کو نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے بے شمار انبیاءؑ کو مبعوث فرمایا' لیکن انہیں متنوع اذیتوں کا

تثلیث کے معاملے میں ثابت قدمی کے ساتھ اٹھا اور جب اتھناسی گروہ نے (جس کی تاریخ اور حقیقت نامعلوم ہے) بالآخر تثلیث کے معاملے کو ہمیشہ کے لئے قائم کر کے رکھ دیا اُس دور کے تمام اہم عقیدوں کے رطب و یابس کا ملغوبہ عیسائی مذہب کے قوام کی صورت میں بر آمد ہوا۔

کیتھولک چرچ' جو ان تعمیری صدیوں کے بعد قابلِ قدر حد تک مربوط و منظم ہو کر ابھرا' عقلی اعتبار سے ایسی حیرت انگیز خرافات اور متضاد باتوں کا مرقع تھا جو انسانی فکر کو آج تک شاید ہی کبھی لاحق ہوئی ہو۔

سمجھدار لوگ اس عجیب دماغی بدعت کے طُومار کو کیوں قبول کر لیتے ہیں کہ یہ ان کے سامنے موجود ہے اور ان کے وجود میں آنے سے پہلے بھی موجود تھا۔

"الغرض یہود نے جس عیسائیت کو اپنے مذہب کی شاخ کے طور پر پھیلانا چاہا تھا' تا کہ اقوام عالم میں اپنی حیثیت کا لوہا منوا سکیں اور اپنی دینی عظمت کا اقرار لے کر یہوا کے عہد کی تکمیل کی صورت میں بنی نوع انسان کی گردن پر پیر تسمہ پابن کر سوار ہو جائیں وہ دیلز کے بقول روم اور سکندریہ کے عقائد کے زہر میں بجھ کر کیا سے کیا ہو گئی اور ان کے ہاتھوں سے ہمیشہ کے لئے نکل گئی۔

اب یہود نے عیسائیت کو انفعالی حیثیت بخشی' اس کے عقائد میں غربت' گناہ' مظلومیت اور ترکِ دنیا کے تصورات داخل کر کے عیسائی دنیا کی دولت پر ہاتھ صاف کرنا چاہا۔ اس کا ردّ عمل یہ ہوا کہ عیسائیوں نے انہیں کچلنا شروع کیا اور دو ہزار برس تک طرح طرح کے مظالم کا شکار کیا۔

○ 70ء میں رومانے یروشلم کو تباہ کر دیا تو یہود اقصائے عالم میں منتشر ہو گئے۔ ایک گروہ عرب کی سرزمین میں داخل ہوا۔ جو ظہورِ قدس کے وقت مدینہ سے خیبر تک مختلف مقامات پر قلعے بنا کر آباد تھے۔ انکی دسترس میں شام و عرب کی تجارت تھی' جادو' ٹونے' ٹوٹکے' طب اور سودی لین دین نے انہیں عربوں کی زندگی میں دخیل کر دیا تھا۔ حضورؐ نے ہجرت فرمائی تو ان سے معاہدہ کیا' جسے انہوں نے دوسرے ہی سال توڑ دیا اور کفارِ مکہ سے مل کر حضورؐ کی ذاتِ اطہر اور صحابہ کرامؓ کو ضعف پہنچانے کی رکیک کوششیں کیں۔ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ پر دوبار حملے کئے تیسری مرتبہ زہر دیا۔ جس کا اثر حضورؐ کی آخری علالت میں ظاہر ہوا۔ انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ' حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادتوں کے لئے سازشیں کیں قرآن پاک میں تحریفات کرنا چاہیں اور جب اس میں ناکامی ہوئی تو تفاسیر میں اسرائیلیات کو داخل کیا' انہوں نے خلفائے عباسیہ کے عقائد کو متزلزل کیا اور اسلام سے منحرف کر کے لہو ولعب کا شکار بنایا۔ مثنا اور تلمود فرسودہ اور لغو قوانین کو اسلامی شریعت میں داخل کر کے روحِ اسلام کو مسخ کیا اور یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ مسلمانوں نے انہیں پناہ دی تھی' انہیں تجارت' کھیتی باڑی اور مذہبی عقائد کی سلامتی کا حق دیا'

دیکھتا، چشمے کی طرح پھوٹ کر اپنی انفرادیت کا ڈھول پیٹ دیتا۔

(د) عیسائیت کے مقابلے میں کھل کر سامنے نہ آسکنے کی وجہ سے انکے سازشی ذہن نے بڑے کمالات دکھائے۔ انقلابِ فرانس کے تین نعروں "مساوات، اخوّت، حریت" کی آڑ لے کر انہوں نے بادشاہت کو مساوات کے بم سے اڑا دیا۔ اخوت کو کمیونزم کے فروغ کا بہانہ بنایا اور حریت سے سوشلزم کے ڈانڈے جا ملائے۔ روس میں وہ 1800ء میں داخل ہوئے۔ 1892ء میں انہوں نے زار کو قتل کیا اور جب روسی عیسائیوں نے انہیں چن چن کر مارنا شروع کیا تو انہوں نے روس سے عیسائیت اور زاریت دونوں کا قلع قمع کر دیا۔ اس کار نمایاں کا سہرا تین یہودیوں 'لینن' ٹراٹسکی اور سٹالن کے سر ہوا جنہوں نے اس تصور کا تخم ریزی کرنے والے اور یہودی مارکس کے خواب کو حقیقت بخشی تھی۔

(ہ) انیسویں صدی میں سائنسی علوم کے فروغ نے یہودی فکر کو مہمیز لگایا اور مارکس کے بعد بیسویں صدی میں فرائیڈ اور آئین سٹائن نے معاشیات، سیاسیات، نفسیات اور زمان و مکان کے تصورات سے مذہب و علم کے الہامی عقائد کی بیخ کنی کر دی۔

مارکس کی نیت اور مقصود کو ہم اوپر دیکھ چکے ہیں، اس کے فکر و تصورات کے دھاروں نے بیسویں صدی کی سیاسی دنیا کو گمراہی اور مادی تصورات میں ڈبو کر رکھ دیا لیکن آج کی علمی دنیا ابھی تک فرائیڈ اور آئن سٹائن کی تباہ کاری سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس لئے ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم اپنی تحقیق کو اس کے تمام حوالوں کے پس منظر میں دیکھیں۔

نفسیات کی دنیا میں فرائیڈ کے نام کے ساتھ ساتھ ژنگ کا نام بھی آتا ہے، جس کا اپنا مکتبۂ خیال آج کی نفسیاتی تعلیمات میں فرائیڈ سے زیادہ حقیقت پسندانہ سمجھا جاتا ہے، اپنی معرکۃ الآرا تصنیف

"جدید آدمی روح کی تلاش میں" MODERN MAN IN SEARCH OF A SOUL

میں فرائیڈ کی نفسیاتی روش کا جائزہ لیا ہے چنانچہ ہم بھی اسی جائزہ سے اپنے تجزیہ کا آغاز کرتے ہیں۔

اہلِ خبر جانتے ہیں کہ انسان اپنی حقیقت کے ادراک میں مصروف ہے لیکن جس طرح قطرہ سمندر میں نہ اپنے ظرف کو جان سکتا ہے اور نہ سمندر کا احاطہ کر سکتا ہے، اسی طرح انسان اپنی ذات اور اس ذات کے حوالے سے کائنات کو جان سکنے سے قاصر ہے۔ حضورؐ کا قول اس منظر میں اور بھی اہم ہے کہ "جس نے اپنی ذات کو جانا، اس نے خدا کو پہچانا۔"

فرائیڈ نے انسان کو خواب، تعبیر اور اس کے نفسیاتی تجزیہ کے سنگھم پر کھڑا کر کے جنس کا آئینہ دکھایا اور پھر اپنے زورِ بیان کے جادو سے اپنے دور کو قائل کر لیا کہ بچہ پیدائش سے پہلے ہی ماں کے ساتھ "جنسی نسبت" رکھتا ہے اور مرتے دم تک اسی "جنس" کے تعلق سے اسے چاہتا ہے۔ اس حوالے سے وہ اپنے باپ کا دشمن ہے اور اس دشمنی کو ہزار پردوں میں چھپا کر اپنی تمام زندگی کو زہر آلود کر لیتا ہے۔ انسان کی اس تعریف سے فرائیڈ نے جدید فکر کو اس روش کی طرف موڑ دیا جس سے متاثر ہو کر ہمارے دور

کے نوجوان نے مذہب' اخلاق' محبت' روح اور حیات بعد الموت کے عقائد کو جھٹلایا اور زندگی کو جنسی بے راہروی کا اکھاڑہ بنا دیا۔ دوسری طرف دو عظیم جنگوں نے انسانی زندگی کی حقیقت ایک بلبلے سے بھی کمتر کر دی' جو کسی وقت بھی پھٹ سکتا تھا۔ چنانچہ زندگی کو منصوبہ بندی کی بنیاد پر فروغ دینے کے بجائے موجودہ دور کا انسان صرف آج کے لمحۂ حال میں الجھ کر رہ گیا اور بیسویں صدی کی فکری زندگی ایک ایسے زلزلے سے دوچار ہوئی جس میں پرانی اقدار کی صدیوں پرانی عمارات منہدم ہو گئیں۔ شہر جنگل بن گئے۔ بہیمیت انسانیت کا روپ دھار گئی۔

فرائیڈ کی تصنیفات بنیادی طور پر فلسفے اور نفسیات سے تعلق رکھتی تھیں' لیکن یہودی اشتہار بازوں نے انہیں اس قدر عام کیا کہ نفسیات کی ابجد سے بے بہرہ انسان بھی فرائیڈ کی رو میں بہہ کر ڈوب گئے اور یوں ہزار سال پہلے کا انسان جو حیوانوں کی کھال اوڑھ کر تن ڈھانپتا تھا' جدید ترین لباس میں ملبوس آج کے انسان کے اعمال دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا۔ فرائیڈ نے باپ بیٹی ماں باپ اور بہن بھائی کے مقدس رشتوں کو اس قدر شرمناک بنا دیا کہ ان کا آپس میں مل بیٹھنا بھی نجس اور ناپاک نظر آنے لگا۔ ژنگ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

> "جو کچھ فرائیڈ نے جنس' بچپن کی جنسی لذات اور ان کی حقیقت کے اصول سے کشمکش کے بارے میں لکھا ہے' وہ اسکی اپنی نفسیاتی تعمیر کا سچا اظہار قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس نے اپنی ذات میں جو کچھ دیکھا ہے' اسے بلا کم و کاست لکھ دیا۔ اس نے اپنی زندگی اور اپنی تمام تر ہمت کو ایک ایسی نفسیات کی تعمیر کے لئے وقف کر دیا' جو اس کی اپنی ہی تعمیر کا آئینہ ہے۔ ہم اپنے گرد و پیش کو اپنی ہی ذات کے حوالے سے پہچانتے ہیں اس امر کا (کہ اس نے اپنی خامیوں کی روشنی میں زندگی کو دیکھا) بیّن ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ وہ مذہبی تجربے کو سمجھنے کے قابل ہی نہ تھا' جیسا کہ اس کی تصنیف "ایک واہمے کا مستقبل" (THE FUTURE OF AN ILLUSION) سے پتہ چلتا ہے' فرائیڈ کی تعلیم سراسر غیر متوازن ہے' کیونکہ اس میں ایسے حقائق سے معانی اخذ کئے گئے ہیں' جو مریضانہ ذہنیت ہی کو سوجھ سکتے ہیں۔ ان کی صحت تو بالیقین ایسی ہی حالتوں میں نظر آتی ہے۔ فرائیڈ کی نفسیات اک تندرست ذہن کی نفسیات نہیں۔ وہ اپنی ذات کا محاسبہ ہی نہیں کرتا۔ وہ صدیوں کے فلسفیانہ تصورات و خیالات سے استفادہ بھی نہیں کرتا۔ وہ دوسروں کے الفاظ کرید کر ان کی تہہ سے ان کی ذات کا انکشاف تو کرتا ہے' لیکن خود اپنے الفاظ کو فیصلہ کن سمجھتا ہے' جیسے وہ انسان نہیں' مشین ہے' جیسے اس کی سوچ میں غلطی کرنے کا امکان ہی نہیں۔ (ص ۱۴۴)

ژنگ کو فرائیڈ کے زمانے میں بھی عالمگیر حیثیت و شہرت حاصل تھی اور آج اسے علم نفسیات کے سلسلے میں فرائیڈ پر ہر اعتبار سے فضیلت دی جا رہی ہے کہ اس کا نقطۂ نظر وسیع، صحت مندانہ اور قدیم اقدار پر مبنی ہے۔ آج سے چند سال پہلے خدا کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا کہ

"میں خدا کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں، میں تو اس کی ذات میں سانس لیتا ہوں۔"

یہ مفکر بالیقین مذہب کی حقیقت کو پا چکا ہے، اس لئے جب وہ فرائیڈ پر اعتراض کرتا ہے تو اسی پس منظر میں وہ لکھتا ہے:

> "انسان نے ہر جگہ اور ہمیشہ طبعی طور پر اظہار کی مذہبی نوعیتوں کو ترقی دی ہے انسانی نفسیات کی تخمیر از منۂ ماقبل از تاریخ سے مذہبی احساسات اور خیالات سے ہوتی ہے جو کوئی انسانی نفسیات کے اس پہلو کو نظر انداز کرتا ہے، اندھا ہے جو کوئی اس کی توجیہات پیش کرتا ہے، یا اس کو جدت سے ٹھکراتا ہے حقیقت کے شعور سے بے بہرہ ہے! "پدری الجھن" جسے سخت ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی سے منوانے کی کوشش کی گئی ہے۔ دراصل مذہب سے بے شعوری کا لبادہ ہے جہاں تک فرائیڈ کے "انا ہوالاعلیٰ" (SUPPEREGO) کا تعلق ہے، یہ اس کے صدیوں پرانے "یہواہ" کے تصور کو فلسفۂ نفسیات میں چوری سے داخل کرنے کی ناجائز کوشش ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی حرکت کرے تو بہتر یہی ہے کہ اس کا کھلم کھلا اعلان کرے۔" (ص 140)

ژنگ نے سیندھ لگا کر فرائیڈ کے ذہن میں یہاں تک رسائی تو حاصل کی کہ اس کے لاشعور سے "یہواہ" کو کھود نکالا، لیکن اس نے اس کی جنسی بے راہروی کو اس کی ذات تک ہی محدود رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فرائیڈ اور اس کے پیروؤں نے "جنس" کا ڈھنڈورہ پیٹ کر اس مرض کو علم کی حدود سے نکال کر عمومیت کی اس سطح پر پہنچا دیا جہاں عوام نے اسے حقیقت جان کر حقائق حیات ہی سے منہ موڑ لیا۔ علم کا ارتقاء رک گیا، انسان کی سوچ انفعالی اور حیوانی ہو گئی۔ مذہبی اقدار کی صداقتیں بے معنی نظر آنے لگیں اور گھروں سے محبتیں، پاکیزہ رشتے اور مقدس تعلقات روٹھ گئے۔ ماں باپ، بہن، بیٹی، انہیں اس طرح عریاں کیا گیا کہ جنگل کا دور بھی پیچھے رہ گیا۔ یہ بیسویں صدی کا وہ المیہ ہے، جسے فرائیڈ ہی سے منسوب کیا جا سکتا ہے اور فرائیڈ یہودیت کی فتنہ انگیز سازش کا ایک عیار مہرہ!! ژنگ نے اس امر کا سرسری سا حوالہ دیا ہے کہ وہ بالآخر سائنس دان ہے اور فیصلہ صادر کرتے وقت سائنسی نظریات ہی کو پرکھتا ہے۔ ہمارے سامنے یہود کی مکمل تاریخ ہے، جس میں ہم فرائیڈ کے ذہن کا جائزہ لے کر بلاخوفِ تردید اسے "یہودی ایٹم بم" کا نام دے سکتے ہیں۔

ژنگ کہتا ہے:

"فرائیڈ نے اپنی تصنیف "خوابوں کی تعبیر" Interpretation of Dreams

کی پیشانی پر درج کیا ہے "اگر میں عظمتوں والے خدا کو جھکا نہیں سکتا تو کم از کم پاتال کے جنّات کو مشتعل کر سکتا ہوں" لیکن آخر کس لئے؟ ص 224

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ژنگ کہتا ہے کہ اس سے فرائیڈ کا مقصد ہماری شعوری دنیا کی محبوب اقدار کو زک پہنچا کر مٹا دینا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ محض مبہم سا تاثر نہیں۔ ایسے' بے شمار لوگ ہیں جن کے لئے فرائیڈ کی نفسیات الہامی کتابوں سے بھی زیادہ مقبول ہے' اور جنہیں روسی عذاب (کمیونزم) عمرانی حسن سے زیادہ بامعنی نظر آتا ہے۔ تاہم یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں ایک آواز ہے۔ جو ان کی تائید کرتی ہے' کہ آخر کار ہم سب کو ایک نفسیاتی زندگی اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔"

"اس روحانی تغیر کا غیر متوقع نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کے چہرے پر ایک گھناؤنا نقاب ڈال دیا گیا ہے۔ اس قدر گھناؤنا کہ کوئی اس سے محبت نہیں کر سکتا۔ ہم خود سے بھی محبت نہیں کر سکتے اور بالآخر خارجی دنیا میں کوئی ایسی بات نہیں رہ جاتی' جو ہمیں داخلی زندگی کی حقیقتوں سے باہر نکال سکے۔ میں مانتا ہوں کہ یہ تمام خیالات "غیر محققانہ" ہیں۔ ان میں یہی ایک صداقت ہے کہ یہ آج کے انسان کو ایسے مقام پر چھوتے ہیں' جس کا اسے کوئی شعور نہیں' کیا یہ محض اتفاق ہے کہ جدید خیال کو آئین سٹائین کے "نظریہ اضافت" سے مفاہمت کرنا پڑی اور ذرے کی تجسیم کے بارے میں اس کے خیالات کو قبول کرنا پڑا' جنہوں نے ہمیں تقدیر اور شہود سے گمراہ کر دیا اس کی طبیعات نے بھی ہماری مادی دنیا کو متغیر کر دیا اس لئے میرے خیال میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ جدید انسان مادی دنیا کی حقیقت کا سہارا لیتا ہے اور اس سے توقع کرتا ہے کہ اسے وہ یقین نصیب ہو جائے گا' جسے ہماری مادی دنیا دینے سے قاصر رہی وہ لوگ ہمارے بارے میں کیا کہیں گے' جنہیں ہم اپنی زمینوں سے محروم کرتے ہیں' اور شراب اور امراضِ خبیثہ سے مٹانے کے درپے ہیں۔"

ژنگ نے ایک ہی سانس میں فرائیڈ' مارکس اور آئین سٹائین کی گمراہ کن تعلیمات اور ان کے خوفناک اثرات پر تبصرہ کیا ہے۔ وہ اسے یہودی ذہنیت کا معرکہ قرار نہیں دیتا' کہ وہ افراد کے حوالے سے پوری قوم کی سازشی عصبیت کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتا لیکن ہم اس حوالے سے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مذہب' عالمی اقدار اور خاندانی محبتوں کی تباہی اور اس کے بدلے میں شراب' افیون اور جنسی بے راہروی کی تبلیغ جو ہماری صدی کا عذاب ہے' اسی یہودی ٹولے کے طفیل آئے اور ہم اسے محض تین یہودیوں کی

انفرادی فکر کا نام نہیں دے سکتے۔

آئین سٹائین کے بارے میں ویلز کا خیال ہے کہ وہ علم محض کی تلاش میں نکلا' اور اس نے پارے کا جوہر پالیا لیکن اس جوہر نے نہ صرف انسانوں کی دھجیاں اڑا دیں' بلکہ انسانی اقدار کو بھی کوڑے کرکٹ کا ڈھیر بنا دیا۔ خود آئین سٹائین کا رویہ کیا ہے۔ اس کا پتہ چلانے کے لئے ہمارے پاس دو حوالے ہیں۔

1953ء میں جب وہ مرض الموت میں مبتلا تھا تو ایک اخبار نویس نے اس کا انٹرویو لیا اور پوچھا کہ خدا کے بارے میں اس کا کیا خیال ہے تو اس نے جواب دیا:

"میں خدا میں تھا' جب میں نے وقت دریافت کیا' اور اب وقت میں ہوں' جب میں خدا کی طرف جا رہا ہوں۔"

بظاہر یہ جواب ایک سیدھے سادے مومن کا ہے' لیکن یہودیت پر اس کا ایمان کتنا مستحکم تھا' اور خود یہود اس پر کس حد تک نازاں تھے' اس کے سلسلے میں 1940ء کا وہ خط ملاحظہ کیجئے جو دنیا بھر کے اخبارات میں شائع ہوا:

1950ء میں آئین سٹائن کو اسرائیل کی صدارت کی پیشکش ہوئی تو اس نے لکھا "میں اس عظیم پیشکش کا اہل نہیں ہوں۔ میں حسابیات کا ایک ادنیٰ سا طالب علم ہوں' ہاں اگر اسرائیل کو میری خدمات کی ضرورت ہو تو میں چپراسی یا اس قسم کی کسی عام خدمت کے لئے حاضر ہوں۔"

مستقبل

مارکس اور فرائیڈ نے اپنی یہودیت کا ڈھول نہیں پیٹا' آئین سٹائن خود کو یہودی کہتے ہوئے نہ شرمایا لیکن تینوں صدیوں پرانی یہودی امر بیل کی وہ نازک سی کونپلیں تھیں' جنھوں نے بنی نوع انسان کا گلا گھونٹ دیا۔ اس کے باوجود ژنگ مایوس نہیں' وہ کہتا ہے

"میں اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ لاشعور محض بیمار ذہن ہی کو کشش میں مبتلا نہیں کرتا' وہ صحت مند اور تعمیری اذہان کی طرف بھی کھنچتا ہے۔ اور یہ بات اس کی گھبرا دینے والی نوعیت کے باوجود صحیح ہے۔ نفسیاتی گہرائیاں عین فطرت ہیں اور فطرت تعمیری زندگی کا نام ہے۔ یہ بجا ہے کہ فطرت ہر اس شے کو توڑ دیتی ہے جسے وہ خود تعمیر کرتی ہے لیکن وہ اس کو دوبارہ تعمیر بھی کرتی ہے۔ جن اقدار کو جدید اضافیت نے ہماری موجودہ دنیا میں فنا کر دیا ہے۔ ہماری نفسیات ان کی متبادل اقدار کو پھر پیدا کر لے گی۔ شروع شروع میں اس راستے کے علاوہ جو نشیب کی تاریکیوں اور قابل نفرت گھاٹیوں کی طرف جاتا ہے' ہمیں کچھ نظر نہیں آتا لیکن جو انسان اس منظر کو برداشت نہیں کر سکتا' اس سے کسی نور یا حسن کی امید کبھی نہیں کی جا سکتی۔

ژنگ کے اس بصیرت افروز تبصرے کے بعد ہم مارکس' فرائیڈ اور آئین سٹائن کی تخریب کاری اور یہودی ذلت کے نتائج سے مایوس کیوں ہوں۔ فطرت اپنا کام کر رہی ہے اور اس کا کام حسن کاری اور حیات

مستقبل

مارکس اور فرائیڈ نے اپنی یہودیت کا ڈھول نہیں پیٹا' آئین سٹائن خود کو یہودی کہتے ہوئے نہ شرمایا لیکن تینوں صدیوں پرانی یہودی امر بیل کی وہ نازک سی کونپلیں تھیں' جنھوں نے بنی نوع انسان کا گلا گھونٹ دیا۔ اس کے باوجود ژنگ مایوس نہیں' وہ کہتا ہے

"میں اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ لاشعور محض بیمار ذہن ہی کو کشش میں مبتلا نہیں کرتا' وہ صحت مند اور تعمیری اذہان کی طرف بھی کھنچتا ہے۔ اور یہ بات اس کی گھبرا دینے والی نوعیت کے باوجود صحیح ہے۔ نفسیاتی گہرائیاں عین فطرت ہیں اور فطرت تعمیری زندگی کا نام ہے۔ یہ بجا ہے کہ فطرت ہر اس شے کو توڑ دیتی ہے جسے وہ خود تعمیر کرتی ہے لیکن وہ اس کو دوبارہ تعمیر بھی کرتی ہے۔ جن اقدار کو جدید اضافیت نے ہماری موجودہ دنیا میں فنا کر دیا ہے۔ ہماری نفسیات ان کی متبادل اقدار کو پھر پیدا کر لے گی۔ شروع شروع میں اس راستے کے علاوہ جو نشیب کی تاریکیوں اور قابلِ نفرت گھاٹیوں کی طرف جاتا ہے' ہمیں کچھ نظر نہیں آتا لیکن جو انسان اس منظر کو برداشت نہیں کر سکتا' اس سے کسی نور یا حسن کی امید کبھی نہیں کی جا سکتی۔

ژنگ کے اس بصیرت افروز تبصرے کے بعد ہم مارکس' فرائیڈ اور آئین سٹائن کی تخریب کاری اور یہودی ذلت کے نتائج سے مایوس کیوں ہوں۔ فطرت اپنا کام کر رہی ہے اور اس کا کام حسن کاری اور حیات

پروری ہے۔ اس سلسلے میں ایک سوال ہر دل میں پیدا ہوتا ہے کہ یہ تنگ نظر، عیار اور سازشی قوم مارکس، فرائیڈ اور آئین سٹائن جیسے مفکر اور فلسفی کیسے پیدا کر گئی۔ جن کی نگاہ پوری انسانیت کا احاطہ کرتی ہے اور ہر مکتبِ خیال کے انسان کو متاثر کرتی ہے۔ اس نہایت اہم سوال کا جواب جیرالڈ ابراہامز نے اپنی تصنیف "یہودی ذہن" (THE JEWISH MIND) میں جس طرح دیا ہے، اس پر ہم کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ وہ لکھتا ہے:

"یہود میں یہ ملکہ ہے کہ وہ تجربات کی دنیا کو محور سونپتے ہیں، یہودیت کے حوالے سے قطعاً لاتعلق ہو کر، یہود کے گھر میں پیدا ہونے والا، یہود کی تعلیمی ترویج سے بہرہ ور ہونے والا، ایک یہودی فلسفی سپنوزا لادین فکر میں حیرت انگیز وحدت پیدا کر گیا، جس کی تعمیر خالص عقلی ہے۔ ہمارے قریب تر زمانے میں مغربی تحقیق کے کچھ اجزاء کو ایک یہودی مارکس نے اکٹھا کر کے ایک مکمل فارمولا بنا دیا (ہر چند کہ وہ ناقص ہے) برگساں نے ذہن انسانی کا تازہ اور فرائیڈ نے وسیع تر تصور پیش کیا۔ آئین سٹائن نے طبعی تجربے کے منتشر اجزاء کو ساز بنا کر ایک نغمہ کی طرح متحد کر دیا۔"

ایک اور مقام پر یہی مصنف لکھتا ہے:

"بائبل کے زمانوں میں یہود جماعت کا شعور رکھتے تھے، منتشر ہو کر ان میں جماعتی شیرازہ بندی کا شعور قائم رہا اور ادوارِ وسطیٰ میں ان کی جماعتیں غیر سیاسی نوعیت رکھتی ہوئی بھی خالص کمیونسٹ تھیں۔"

الغرض یہودی ذہن ذاتی تجربے کو آفاقی بنانے کے سلسلے میں بڑا زرخیز ہے، اور آج جب دنیا بھر کی نشر و اشاعت اس کی مٹھی میں ہے، وہ دنیا کی بے خبر قوموں کی فکر میں تھگلی لگا کر ایسی چنگاری چھوڑتا ہے کہ لوگ اپنے وطنوں میں جلاوطن اور اپنے مذہبی اور تہذیبی ورثوں سے بے گانہ ہو جاتے ہیں، ہماری روحوں میں خلا اور ذہنوں میں محرومی کے بھوت ناچنے لگتے ہیں جنہیں بھگانے کے لئے وہ رقص گاہوں، لذائذِ کام و دہن، حرص اور بے راہروی کے دروازے کھول دیتا ہے لیکن جہاں ایک دفعہ داخل ہو جانے والا انسان کبھی باہر نہیں نکل سکتا اور آخر کار خود بھی ضائع ہو جاتا ہے۔

یہود نے یورپ کو دو ہزار برس سے اپنی نمو و ارتقاء کے لئے کھاد کے طور پر استعمال کیا۔ انہیں بھیڑوں کی طرح باڑے میں الگ بند رکھا۔ انھیں کھیتی باڑی سے روک کر، اور شہریت کے حقوق سے محروم کر کے مٹی کی محبت، وطنیّت کی نسبت اور بنی نوع انسان کی محبت سے کاٹ دیا۔ نتیجہ ظاہر ہے کھیتوں میں فصلیں بڑھنے کے بجائے گھروں میں نسلیں بڑھنے لگیں اور اس طرح شہریت کے فروغ کے بجائے تباہی کو اپنا لیا گیا۔

انسانی برادری سے محبت کی جگہ نفرت نے لے لی۔ اس پر جان کا مسلسل خوف بڑھتے بڑھتے جزوِ حیات بن گیا اور شعور ولا شعور دونوں میں سما کر قومی ورثہ بن گیا۔ مقامی بستیوں کے بجائے تاریخی رتوں کی اہمیت بڑھ گئی۔ لندن' پیرس' برلن' ماسکو' نیویارک' کوئی جگہ ہو' یروشلم کا آفاقی اور سماوی تصور انکے دلوں میں ابھرتا اور ایک ابدی محرومی کا کچوکہ دیتا۔ ماؤں کی لوریوں میں یروشلم کی "جنتِ ارضی" بچوں کے کانوں سے ہو کر ان کے لہو میں تیر جاتی اور وہ اپنے گردوپیش کے پہاڑوں' میدانوں' شہروں' صبحوں' شاموں سے قطع نظر یروشلم کے غم میں ڈوب جاتے۔ چوٹ لگنے یا کسی جذباتی مایوسی پر ان کے آنسو نکلتے تو انہیں دریائے بابل کے کنارے رونے والے اب وجد یاد آ جاتے' جن کے دلوں کی کسک گیت بن کر پھوٹی تھی۔

"یروشلم! میں تجھے بھول جاؤں تو میرا دایاں ہاتھ اپنی عیاری بھول جائے۔"

ان کی ہر مایوسی اس بالادست "یہواہ" کا انصاف تھی کہ اس نے انہیں اقوامِ عالم پر فوقیت دی اور وہ اس کے میزان پر پورے نہ اترے' دو ہزار سال سے ان کی انفرادی اور اجتماعی کوشش یہی تھی کہ وہ ہر دکھ کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں' یہاں تک کہ یہولہ ان سے راضی ہو جائے۔ چنانچہ ان کا عمل ناکامی کی صورت میں یہولہ کا مواخذہ بن گیا اور کامیابی کی شکل میں اس کی خوشنودی کا انعام' ان کا ایمان ہے کہ اگر بدی اور نیکی کا محاسبہ کرنے والا کوئی نہ ہو تو کائنات اپنا مرکز چھوڑ جائے' اشیا اپنا مزاج بدل لیں' ارتقاء کا سلسلہ رک جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ بدی اور نیکی کا معیار ان کا اپنا ہے۔ ان کے نزدیک نیکی صرف وہ ہے جو اپنی قوم کے فائدے کے لئے کی جائے' خواہ اس سے ساری دنیا تباہ ہو جائے کہ یہ نیکی "یہواہ" کی قوم سے ہے' لہٰذا اس کی ذات سے ہے۔ تلمود نے ان پر سازو آہنگ کی قید لگا دی تھی۔ اس دیوار نے ان کے سینے کی جلن کو گیتوں میں ڈھال دیا اور گیتوں کی آواز کے اتار چڑھاؤ میں بہنا سکھا دیا۔ گزشتہ دو ہزار سال میں وہ اپنے کربناک' اذیت بخش اور غم واندوہ سے چھلکتے ہوئے گیتوں کے سہارے زندہ رہے۔ یہ گیت ماضی کے حریرِ صد رنگ سے بنے گئے' ان میں جلتے ہوئے بزرگوں' چیختے ہوئے نوجوانوں اور سسکیاں لیتے ہوئے یتیم بچوں کی صدائے بازگشت ہے۔ ان میں آگ ہے' دھواں ہے' آنسو ہیں' آہوں کے ہار ہیں' مظلوم دلوں کی پکار ہے' غربی سرزمینوں میں یہ خالص مشرقی نوحے' حضرت سلیمانؑ سے منسوب "غزل الغزلات" کی عبرانی زبان پا کر یورپی شاعری کو حیران کر گئے۔ ان میں منطقی استدلال بھی ہے کہ یہ یہود کی فطرت کا خاصہ ہے اور واقعات وجزئیات نگاری کا کمال بھی ہے یہ گیت یوسفؑ کے بھی ہیں اور برادرانِ یوسفؑ کے بھی۔ جب حضرت یوسفؑ قافلے والوں کے ہاتھوں بک گئے اور ان سے نظریں بچا کر اپنی ماں کی قبر پر گئے اور آپ نے اس کے سرہانے کھڑے ہو کر اپنے دکھی دل کو اظہار کی آنچ دے کر شعلہ بنا دیا۔ پھر اس شعلے سے پھول کھلائے اور ماں کی قبر پر چڑھا دیئے کہ مامتا ان سے سدا بہار ہو جائے اور اس کا کرب ابد تک فضاؤں میں ایک غیر محسوس تاثر پھیلاتا رہے۔ کیا عجب کہ اس گیت سے ماں کی قبر شق ہو گئی' کیا عجب کہ اس سے عرش کے کنگرے ہل گئے ہوں فضاؤں نے اس کی داد دی ہو' آسمان سے

ستاروں کی بارش ہوئی ہو۔ "یہواہ" نے اس سوگواری کی قیمت ادا کی ہو۔ مصر کا تخت' زلیخا کی محبت' بھائیوں کی ندامت اور سب سے بڑھ کر شفیق باپ کی اندھی آنکھوں کا نور...... یہ سب کچھ اسی گیت کا نقطۂ معراج تھا۔ کون جانتا ہے؟ ہاں تورات' انجیل اور قرآن اس عظمت کے شاہد ہیں اور ان سے بڑی شہادت کس کے امکان میں ہے۔

یہ گیت' یہ حکایتیں' ماؤں کا دودھ اور قوم کا دل بن گئیں۔ صدیوں کی آوارگی میں یہی گیت راتوں کو آسمان سے اوس کی طرح برستے اور ان کے زخموں کو مندمل کر دیتے۔ ان گیتوں کے پھولوں کی خوشبو لے کر وہ آگ اور خون کے سیلاب پایاب کر گئے۔ جب کہیں انہیں اپنے باڑوں میں گوشۂ عافیت ملتا وہ کنسا کی شکل میں اکٹھے ہوتے اور گیت آواز بن کر ابھرتے۔ شب کی شفق آلود شام' کنسیا کے تنگ کمرے میں دھندلائی ہوئی سرخی پھیلاتی' مندلائی ہوئی سرخی پھیلاتی ان کی آنکھیں ڈبڈبا آتیں کہ اس سرخی میں ان کے اب وجد کا خون شامل تھا اور پھر ان کے جلتے ہوئے سینوں سے عود کی خوشبو کی طرح نغمے اٹھنے لگتے ان کے دلوں کے تار چھڑ جاتے اور اس مایوس' مغموم' سراپا حسرت قوم کے بوڑھے بچے جوان' مرد عورتیں' لڑکیاں غرضیکہ پورا گروہ ایک ان جانے احساس کی دلکشی میں ڈوب جاتا۔ سرشاری کا سحرا سے اپنی آغوش میں لے لیتا اور ربی اپنی پراسرار سوزناک آواز میں دہراتے۔

"یاد رکھنا۔ ہمارے آقا نے ہمیں بھلا نہیں دیا۔ وہ ہمارے لئے بھی معجزات کا ظہور کرے گا۔ عنقریب ہمارا مسیحا آئے گا اور ہمارے دور کا آغاز ہو جائے گا"۔ یہ آواز بجھتے ہوئے چراغوں کو بھی روشن کر دیتی اور اجنبی زمینوں میں پامال ہونے والی قوم ایک اور طوفان کے لئے تیار ہو جاتی۔

کیا دنیا کی کوئی قوم اس مسلسل اندوہ سے گزری ہے اور کیا ہم اس اندوہ کی کھاد پر پلنے والے شجرِ قوم سے کسی شیریں ثمر کی توقع کر سکتے ہیں۔ اس قوم نے تلمود سے جرح' بحث و تمحیص' لفظ کی کھال اتارنا اور معانی کا جوڑ توڑ کر کے اپنا مفہوم پہنانا سیکھایا۔ اس نے عیاری اور سفاکی سے اپنا مطلب نکالنے کے لئے ناساز گار ماحول کو الو بنایا۔ جھوٹ کو فن بنا دیا' دھوکہ بازی کو تجارت کا نام دیا۔ اپنے خوف و ہراس پر مسکراہٹ کا ملمع چڑھایا' انتہائی بے بسی اور پریشانی میں اپنے حواس قائم رکھنے کی صلاحیت پیدا کی۔ لٹ پٹ کر دوبارہ دولت جمع کرنے کی تمام چالوں پر عبور حاصل کیا۔ اس نے مشرق سے سودا بازی کا گر لیا' مغرب سے قانونی استدلال' اور پھر ہر ناکامی کا منہ توڑ کر کامیابی تک پہنچنے کا راستہ تلاش کیا' قتل ہوتے رہنے کے ساتھ ساتھ اس نے قتل کرنے کا طریقہ بھی اختیار کر لیا۔ اس نے اپنی قومی وحدت کے لئے دوسری قوموں میں سیندھ لگا کر انتشار پھیلانے کا سلیقہ بھی حاصل کیا۔ خلافِ قانون اشیاء کو خفیہ طور پر بیچنے کی منڈیاں قائم کیں۔ عورت کو جنسِ بازار بنایا اور ہر ذلت کو حسین بنا کر پیش کیا' اس طرح کہ وہ چور ہو کر بھی چوری کے جرم میں نہ پکڑا جا سکا۔ اسی میں اس کی انفرادیت کا سوال بھی تھا اور قومی وقار کا تشخص بھی۔ اور اسی مجرمانہ کیفیت کو فرائیڈ نے "انائے اعلیٰ" SUPPER EGO کا نام دیا ہے۔

قومی طور پر فرائیڈ نے دنیا کی بادشاہت کو اپنا موقف ٹھہرایا ہے چنانچہ وہ کسی طرح بھی خود کو اس منصب اعلیٰ سے کمتر ثابت کرنا نہیں چاہتا۔ تو کیا "یہواہ" نے اس سے بے انصافی کی۔! تو کیا اس کا کردار اخلاقیات کے مسلّمہ اصولوں کے عین مطابق ہے؟ یہ سوالات وہ خود سے نہیں پوچھتا کہ اسے ایسے سوال پوچھنے کی اجازت نہیں "یہواہ" نے حضرت موسیٰ کو دس احکامات دے کر عہد لیا تھا کہ ان کی قوم انہیں سوچے سمجھے بغیر قبول کرے گی اور یہواہ کے کسی عمل پر اعتراض نہیں کرے گی۔

یہودی ربیوں نے اپنے مذہب کو تورات کی پانچ کتابوں پر قائم کر کے تلمود و مشنا کی ایسی قانونی الجھنوں میں گرفتار کر دیا' کہ آج یہودی اپنی ہر ناکامی اپنی ہی کسی لغزش سے منسوب کرنے پر مجبور ہے۔ ہم تورات کے باب میں دیکھ آئے ہیں کہ ان قوانین میں ایسی موشگافیاں اور قلابازیاں لگائی گئی ہیں کہ ہم "اُمّی" ان کی حقیقت و نوعیت کو بھی سمجھنے سے قاصر ہیں چہ جائیکہ ان پر ایمان لا کر انہیں اندھا دھند تسلیم کر لیں۔ تاریخی شواہد اور تورات کے مختلف حصے صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہود ابتدا میں توحید سے بت پرستی کی طرف نکل گئے اور پھر بت پرستی سے نکل کر توحید کی طرف آ گئے۔ ان قلبِ ماہیت کو ربیوں نے جس استدلال اور عرق ریزی سے "ارتقا" کا نام دیا ہے' وہ انہیں کا حصہ ہے چنانچہ ہم نہایت وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ قوم جہاں اقوامِ عالم کے ساتھ عیاری کرنے سے نہیں چوکتی' وہاں اس نے یہواہ کو بھی نہیں بخشا اور اس کے شرک کو توحید اور اس کی توحید کو محدود کر کے دکھایا۔ تلمود کی کئی تحریریں اس قسم کی عیاری کے نمونے پیش کرتی ہیں۔

مسٹر اے گوانز وہائٹ اپنی تصنیف "کھلے ذہن کا مذہب" (THE RELIGION OF THE OPEN MIND) میں لکھتے ہیں۔

> "فرقے کے محدود خدا کی مشہور مثال عہد نامۂ عتیق کے ابتدائی حصوں کا "یہواہ" ہے۔ "یہواہ" اسرائیل کا خدا تھا' اور اس نے ان سے تقاضا کیا تھا کہ وہ کسی دوسرے خدا کی پرستش نہ کریں۔ صدیوں کے ساتھ ساتھ ایک حاسد اور منتقم خدا کا جو جنگ میں اپنے قبیلے کا رہبر تھا اور جو بھنے ہوئے گوشت اور خون کی بھینٹ سے راضی ہو جاتا تھا' تصور بدل گیا اور اس کی جگہ خدائے عظیم نے لے لی۔ جو زمینوں اور آسمانوں کا خدا ہے۔ خدا کے تصور کا یہ مقام تھا یہاں عیسائیت داخل ہوئی اور اس نے اس توحید کو تثلیث میں بانٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ دونوں کارنامے یہود کے ہیں' ورنہ خدائے ابراہیمؑ و موسیٰؑ تو وہی ہے' جو قرآن حکیم میں یہود کو توریت و انجیل میں تحریفات کا مجرم ٹھہراتا ہے اور اپنی وحدت کا اقرار لیتا ہے۔ درحقیقت یہود آج بھی اپنے انفرادی خدا "یہواہ" کو مانتے ہیں' جو محض انہی کا ہے۔ اس تصور کو عام کرنے کے بعد انہوں نے عیسائیوں کو بھی ایسا ہی ایک خدا لے دیا' جو باپ بیٹا اور روح القدس میں بٹ کر اپنی لامحدودیت کے باوجود محدود ہے۔

مشہور روسی مفکر نکولس بردیائیو (NICHOLAS BERDYAEV) جو ماسکو یونیورسٹی کا چیئرمین تھا اور کمیونسٹوں کے تعصب سے بھاگ کر پیرس میں آباد ہو گیا تھا' جہاں وہ فلسفۂ ادیان کی اکیڈمی کا ڈائریکٹر مقرر ہوا۔ اپنی تصنیف (THE END OF OUR TIMES) "ہمارے وقتوں کی انتہا" میں نیشنلزم کے بارے میں لکھتے ہوئے رقمطراز ہے؛

"اس نے (نیشنلزم نے) عیسائیت کو ریزہ ریزہ کر دیا ہے' قوموں کے افراد اور فرد فرد انسان اب اس حقیقت کو فراموش کر چکے ہیں کہ وہ کسی کل کے جزو ہیں .... مذہب نے خود بھی اپنے گرد ایک قومی باڑ لگالی ہے۔ عیسائیت میں اب کسی وحدت یا آفاقی وحدت کا ردِ عمل نہیں تھا۔ " "

1917ء میں شکست خوردہ روس کے منہدم سیاسی' اقتصادی' اور معاشرتی نظام کو لینن اور دوسرے یہودیوں نے جس طرح مربوط کیا وہ اسی قسم کی تعلیمات کی وجہ سے تھا' ورنہ خود روسی قوم اپنے پیروں پر کھڑے ہونے سے قاصر تھی۔

نفسیاتی طور پر سیاسی یا کسی قسم کے اقتدار کی ہوس انسان کو فتنہ پرور بنا دیتی ہے۔ مشہور مفکر برٹرینڈرسل اپنی تصنیف "خوشی پر فتح" .... (THE CONQUEST OF HAPPINESS) میں لکھتا ہے؛

"قوت کی محبت سازش ہے' اس کے کئی بہروپ ہیں اور اکثر اوقات اس خوشی کی جو ہم دوسرے لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے بعد محسوس کر سکتے ہیں' وجہ بھی یہی ہوتی ہے۔ بیشتر یہ ہوتا ہے کہ اس نیکی اور بھلائی کے کارنامے میں ایک ایسا عنصر داخل ہو جاتا ہے' جو دوسروں کی خوشی ہی چھین لیتا ہے۔ "

اس ہوس کا دوسرا روپ یہ بھی ہے کہ انسان خود کو دوسروں سے افضل سمجھے اور اپنا مقصود حاصل کرنے کے بعد بھی دوسروں کو اپنے حقوق کا غاصب خیال کرے۔ اس ضمن میں رسل لکھتا ہے؛

"مظلومیت کا جنون اپنے کمالات کے بارے میں بیحد مبالغہ آمیز تصور پر مبنی ہوتا ہے۔ اس سے انسان کا ذہنی توازن بگڑ جاتا ہے اور وہ واقعات کے بعض پہلوؤں کو بے جا اہمیت دینا شروع کر دیتا ہے۔ "

رسل نے جس جنون کی نشاندہی کی ہے وہ بالیقین یہواہ کی محبت قوم کا خاصہ ہے اور اسی لئے اس نے اپنی مظلومیت کو اس ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی سے قبول کیا ہے کہ حالات کو "سازگار" بنانے کے بعد آج یہ قوم اپنے مقصود کو حاصل کرنے کے لئے اپنے ہر ظلم کو انصاف کی بنیادی اینٹ تصور کرتی ہے۔

ہم نے یہود کی چار ہزار سالہ تاریخ میں ان تمام کوششوں کا ذکر کیا ہے جن سے انبیاء و اولیائے یہود نے اور خود "یہواہ" نے انہیں دوسری قوموں سے الگ رکھا تھا۔ 70ء کے آخری انتشار کے وقت ان کے

ربیوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اب ان کی مرکزیت ناممکن ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسے مکتب کھولے اور قوانین وضع کیے جو بقول خود انہی کے 'ان کے گرد باڑ لگا دیں اور انہیں دوسروں سے متاثر ہونے سے بچائیں۔ یہ کوشش سترہویں صدی تک یقیناً کامیاب رہی۔ یہود اپنے بچوں کو تین برس کی عمر میں اپنے عقائد کے بنیادی پہلو سمجھانا شروع کر دیتے یہاں تک کہ تیرہ برس کی عمر تک ان کا ہر بچہ ذہنی طور پر قلعہ بند ہو جاتا۔ اسے وہ تمام دعائیں یاد ہوتیں' جو آگ میں جلنے' قتل کیے جانے یا دوسرے مظالم کے وقت اسے پڑھنا ہوتیں۔ وہ اپنی مخصوص وضع کو اختیار کرنے اور اسے عمر بھر نبھانے کے قابل ہو جاتا لیکن انقلاب فرانس نے انسانی "اخوت"' "مساوات" اور "آزادی" کا اعلان کر کے انہیں بھی انسان سمجھ کر حقوق دے دیئے' تو ان کے لئے "یہ باڑ" لگائے رکھنا ممکن نہ رہا' پھر یہ کہ سترہ سو برس تک دوسروں کے عقائد' خیالات اور حیات میں جو چنگاری "بی جمالو" کی طرح دور سے ڈالی جا رہی تھی' اب اس میں خود جلنا پڑا۔ چنانچہ اب انہوں نے بادشاہت' پاپائیت اور جاگیرداری کے نظام سرنگوں کر دیئے' نیشنلزم کی دیواریں اٹھائیں' قوموں اور قوموں کے درمیان فساد کے ایسے بیج بوئے کہ مقامی جھگڑے عالمگیر ہو گئے اور یہ لوگ باہمی ارادت و سازشی خلوص' کے باوجود مختلف ملکوں میں مختلف ہوتے چلے گئے۔ اس سے انہیں طرح طرح کے فائدے بھی پہنچے' اور نقصان بھی۔ فائدے ذاتی نوعیت کے تھے کہ ہر مقام پر انہیں شہری حقوق مل گئے۔ کارخانہ داری' تجارت اور کاروبار کے مواقع فراہم ہوئے۔ بنکاری کا جال پھیلانے کا اختیار حاصل ہوا' لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ باہمی اعتبار سے زبان اور اندازِ فکر بدل گیا اور مذہب سے شدید لگن جاتی رہی' خارجی خطرات کے ختم ہوتے ہوتے انہیں دوسری قوموں کا رنگ اختیار کرنا پڑا۔ گزشتہ صدی میں رنگوں کے اس اختلاف نے بڑا زور پکڑا' چنانچہ "اسرائیل" کو قائم کر کے جب یہود یروشلم میں ملے تو فلسطین اور سفاردی کے یہود نے رنگ' زبان' عقائد اور لباس کے اختلاف پر اشکنازی یہود کو ہم مذہب ماننے سے انکار کر دیا۔

اب تک فلسطین کے سفاردی دوسروں کے مقابلے میں خود کو کٹر یہودی تو سمجھتے تھے' لیکن اشکنازیوں سے نفرت نہ کرتے تھے کہ ان کی حیات کا وسیلہ انہی کی یاترا اور بھیک تھی۔ ایک سفاردی فلسطین سے نکلتا اور ملکوں ملکوں پھر کر اپنے یہودی بھائیوں سے چندہ اکٹھا کرتا اور وہ دل کھول کر انہیں اپنے اندوختوں کا کثیر حصہ دیتے' فلسطینی یہود پر بھی تو کئی قسم کی ذمہ داریاں تھیں۔ انہیں فلسطین میں درس گاہیں قائم کر کے یہودی کتب کا مطالعہ جاری رکھنا تھا۔ حضرت موسیٰ و داؤد کی روایات کو برقرار رکھنا تھا اور ارض مقدس میں شجرِ یہود کی جڑوں کو مضبوطی سے تھامنا تھا کہ ہر کہیں ہر یہودی کی تمنا اور دعا اپنی واپسی کے لئے تھی۔ 1948ء میں جب اشکنازی خود اٹھ کر اسرائیل پہنچنے لگے تو ان کی عبرانی مضحکہ خیز حد تک کمزور ہو چکی تھی۔ ان کی عادات و خصائل غیر یہودی قوموں کا نمونہ بن گئی تھیں۔ عیسائیت کے پیروکاروں کی طرح ان کی مذہب سے دلچسپی برائے نام تھی کہ ان کے لئے یہود ایک قبیلے کی حیثیت رکھتے

ہیں، جن کو دنیا کی حاکمیت چاہئے۔ نہ انہیں خدا سے غرض ہے، نہ کسی اوقانونی بکھیڑے سے وہ قدیم فلسطینی یہود کی "پس ماندگی" اور "جہالت" کو مذہب سمجھنے کے لئے تیار نہیں کہ وہ اپنی مشرقی سست روی سے تائب ہو کر اشکنازیوں کی طرح آتش زیر پا، مسلسل جدوجہد، جنگجوئی، عیاشی، جنسی بے راہروی، قانون شکنی اور دوسری ذلتوں کو اختیار کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔ اشکنازی ان کے بچوں کو اپنے کارخانوں، دفتروں، ملازمتوں اور دوسرے کاروبار میں شریک کرنے کے لئے تیار نہیں۔ سفاروی یہود حیران ہیں، کہ جن بھائیوں کے انتظار میں وہ صدیوں سے چشم براہ تھے، وہ انہیں شہری اور انسانی حقوق دینے پر بھی تیار نہیں۔ ان کی یہ باہمی کشمکش بہت دلچسپ اور معنی خیز دور میں داخل ہو چکی ہے۔ بظاہر تو یہ نظر آتا ہے کہ سفاروی اپنے مقامی رنگ اور خصوصیات کو ترک نہیں کریں گے اور اپنے بچوں کو اشکنازیوں سے گھل مل کر "فرنگی" بننے کی اجازت نہیں دیں گے۔ یہ دیوار اونچی ہوتی چلی جائے گی اور کچھ عرصہ بعد جب اشکنازیوں کو فلسطین کی "جنت" بند بوتل کا دوزخ نظر آنے لگے گی جس میں کہیں سے تازہ ہوا نہیں آتی، جس میں مسلسل جنگ کی بھٹی دہکتی ہے جس میں نہ تو دودھ اور شہد کی نہریں ہیں اور نہ ہی پھیلنے بڑھنے کے امکانات ہیں تو پھر وہ اپنی شاطرانہ چالبازی کا میدان گرم کرنے دنیا کی دوسری قوموں میں نکلیں گے۔ ان کی آنکھوں سے صدیوں کی فرسودہ روایات کا پردہ اٹھ جائے گا اور اسی طرح وہ "یہواہ" کے وعدے سے دستبردار ہو جائیں گے، جس طرح "یہودیت" کے دیگر عقائد ان کے ذہنوں سے محو ہو چکے ہیں۔

موجودہ سیاسی بحران کو برقرار رکھنے کے لئے اشکنازی اسرائیلی اپنے یورپی اور امریکی بھائیوں کے چندے اور مالی امداد پر انحصار کر رہے ہیں۔ غیر اسرائیلی اشکنازی یورپ اور امریکہ میں بیٹھے اب تک یروشلم کی مالا جپ رہے ہیں اور ہر سال "اسرائیل" کی یاترا کو نکلتے ہیں، جہاں کی "خمیسن" ان کے چہرے جھلسا دیتی ہیں، جہاں بحیرۂ مردار کے کنارے، صحرائی ہوٹلوں میں انہیں اپنے نسائی ہم سفر کاٹنے کو دوڑتے ہیں۔ شراب زہر ہو جاتی ہے۔ وہ یروشلم کے گندے میلے کچیلے سفارویوں سے کنی کتراتے اور دامن بچاتے پھرتے ہیں، جو ان سے ارضِ مقدس کے نام پر روپیہ بٹورنے آ جاتے ہیں۔ وہ روپیہ جو فلسطینی جانبازوں کے خلاف جنگ کرنے میں صَرف ہوتا ہے۔

چنانچہ جب یہ لوگ یروشلم پہنچ کر وہ باغات دیکھنا چاہتے ہیں جو ان کے سرمائے سے لگائے گئے تو اسرائیلی حکومت طرح طرح کے بہانوں سے انہیں لوٹانے کی کوشش کرتی ہے یا پھر درختوں کے کسی جھنڈ پر ان کے ناموں کی تختیاں آویزاں کر کے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ جھنڈ جو اپنی جگہ قائم رہتے ہیں، صرف ان کی تختیاں بدلتی رہتی ہیں۔

آج فلسطین میں محسن کش یہود عربوں سے اس مروت اور خلوص کا انتقام لے رہے ہیں، جو انہوں نے گزشتہ چودہ صدیوں تک روا رکھی۔ اس سلسلے میں یہ جونکیں، یہ دیمک اپنے پیش رووں سے مختلف نہیں کہ حضورؐ کی یہود نوازی کا صلہ بھی انہوں

نے اسی طرح دیا تھا۔ خلافتِ عباسیہ کے احسانات بھی انہوں نے اسی طرح چکائے تھے۔ سپین میں بھی ان کا کردار یہی رہا تھا۔ ترکی نے گزشتہ پانچ سو برس میں انہیں دو بار موت کے منہ سے نکالا۔ ہالینڈ سے دھتکارے ہوئے جرمنی سے نکالے ہوئے برطانیہ ہانکے ہوئے، فرانس سے کچلے ہوئے یہودی پناہ لینے جب ترکی پہنچے تو انہوں نے اپنی آغوش ان پر وا کر دی اور گزشتہ صدی میں جب پولینڈ اور روس نے انہیں پاگل کتوں سے بھی بدتر جانا اور ان کی اس طرح نسل کشی کی، کہ یہ سَر چھپانے کی جگہ نہ ڈھونڈ سکتے تھے تو پھر انہوں نے قسطنطنیہ کا رخ کیا۔ جہاں دولتِ عثمانیہ کے پرچم نے انہیں سایہ دیا اور انہوں نے ترکی کو مردِ بیمار بنا کر اسلام کے مرکز کی حیثیت سے ختم کر کے اپنے احسان کا بدلہ چکا دیا۔ ترکی میں آج بھی ان کی گنجائش قائم رکھنے کے لئے "لادین جمہوریت" موجود ہے اور ترکی کی مہربانیوں کے عوضانہ کے لئے آج بھی یہ قبرص میں ترکوں کی قبریں کھود رہے ہیں۔ پناہ دینے والی چھت اور مہربانی کرنے والے ہاتھ یہود نے آج تک فراموش نہیں کئے، آج بھلا وہ تخصیص کیسے برت سکتے ہیں۔

خود فلسطین میں جو یہود آباد ہوئے، انہیں فلسطینی عربوں نے اپنی رواداری اور ہمدردی کی بنا پر اپنے برابر کا سمجھا۔ چودہ سو برس سے فلسطین کے یہود کو اگر کوئی گلہ رہا ہے تو وہ عیسائیوں سے رہا ہے، جو انہیں حضرت عیسیٰؑ کا قاتل کہہ کر کہیں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیتے تھے۔ آج سفاردیم یہود اس حقیقت کی وجہ سے اتنے شرمندہ ہیں کہ ان کی ہمدردیاں اشکنازیوں کے بجائے عربوں سے ہیں۔ عرب جو ان کی زبان بولتے ہیں، ان کے عقائد میں دخل انداز نہیں ہوتے، اور جنہوں نے مشکل اوقات میں ان کا ساتھ دے کر انہیں زندہ رکھا لیکن تاریخ کا یہ موڑ جس سے ہم گزر رہے ہیں ہمیں عجیب و غریب صورتحال سے دوچار کرتا ہے۔ وہ عیسائی طاقتیں جنہوں نے دو ہزار سال تک یہود کو فنا کے گھاٹ اتارا۔ آج انکی پشت پناہی کر کے ان مسلمانوں اور عربوں سے لڑنے کے لئے اکساتی ہیں جنہوں نے اپنے دل میں اپنی دھڑکنوں کے درمیان انہیں پناہ دی۔

کیا تاریخ یورپ اور امریکہ کے ان ابلیسوں کو معاف کرے گی؟ کیا انسانیت اس "انسانی دیمک" کو زندہ رہنے دے گی۔ کیا احسان کا بدلہ منافقت اور قتل و غارت سے دیا جاتا رہے گا۔ یہ ہیں وہ سوالات جن کا جواب ہمیں وقت سے لینا ہے۔ وقت، جس کی رفتار سست ہو سکتی ہے لیکن جس کے بازو اپنا فیصلہ پورے استبداد اور انصاف سے صادر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ہماری دیگر کتب

جالب بیتی عوامی وانقلابی شاعر حبیب جالب کی کہانی خود اُن کی زبانی۔ قیمت: 350روپے

پیرس میں دوسرا جنم: عالمی شہرت یافتہ پاکستانی نژاد فرانسیسی فیشن ڈیزائنر محمود بھٹی کی دلچسپ آپ بیتی۔ قیمت: 250روپے

قائد اعظم اور خواتین تحریک پاکستان اور قائد کی ذاتی زندگی میں آنے والی خواتین کا تذکرہ اور اُن کا احوال۔
تحریر و تحقیق: ڈاکٹر ظفر علی راجا قیمت: 300 روپے

اور لائن کٹ گئی! پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کے کامیاب مذاکرات کو سبوتاژ کرنے اور بھٹو حکومت پر شب خون مارنے والے جنرل ضیاء الحق کے ''آپریشن فیئر پلے'' کے چشم دید گواہ کوثر نیازی کی بچی اور حقیقی داستان۔ قیمت: 280روپے

یادیں بھٹو کی! بینظیر بھٹو کے تحریر کردہ پیش لفظ کے ساتھ بھٹو کی پہلی بیوی امیر بیگم کے تاثرات، نصرت بھٹو کے ساتھ رومان پرور شادی، نصیر اللہ بابر، عمر قریشی، فاروق بندیال، شیخ رفیق، شیخ رشید، محمود شام اور دیگر بہت سی معروف شخصیات بھٹو کے ساتھ بتائی ہوئی یادیں تازہ کرتی ہیں۔ متحدہ عرب امارت میں پاکستان کے سفیر خورشید جونیجو کے قلم سے قیمت: 250روپے

بھٹو کے آخری 323 دن راولپنڈی جیل کے سابق سکیورٹی سپرنٹنڈنٹ کرنل رفیع الدین کے مشاہدات اور انکشافات۔ قیمت: 220روپے

بھٹو کا عدالتی قتل؟ لاہور ہائی کورٹ میں بھٹو کیس کا فیصلہ اور سپریم کورٹ آف پاکستان میں اپیل کے فیصلے کا متن و تجزیہ۔
تحریر و تحقیق: مجاہد لاہوری۔ قیمت: 220روپے

قدرت اللہ شہاب کے ساتھ ایوان صدر میں سولہ سال گورنر جنرل غلام محمد، صدر سکندر مرزا، صدر ایوب کے پرسنل اسسٹنٹ م ب خالد کے اقتدار کے ایوانوں میں گزرے مشاہدات و تاثرات قدرت اللہ شہاب نامہ کی چشم دید گواہی تاریخ پاکستان کا اہم ترین باب۔ قیمت: 290روپے

ذوالفقار علی بھٹو: دیدہ ور کی داستان حیات، مکمل خاندانی پس منظر اور مکمل حالات زندگی.... رازدار کوثر نیازی کے قلم سے۔ قیمت: 250روپے

رسولِ عربیؐ اور عصرِ جدید: سید محمد اسماعیل کی ایک منفرد اور جامع تحقیق۔ حصہ اوّل آپؐ کی ولادت سے وصال تک نہایت سادہ، مختصر مگر جامع انداز میں مکمل حالاتِ زندگی اور سیرت پاکؐ کے انوکھے انداز۔ جبکہ دوسرے حصے میں دنیا کے تین بڑے یہودی دانشوروں 1 ڈارون 2 فرائیڈ "بابائے نفسیات" 3 کارل مارکس، کے نظریات کا مطالعہ اور سیرت نبویؐ کی روشنی میں ان کے مفصل جوابات۔ قیمت: 250 روپے

عہدِ نبویؐ میں شعر و ادب: ولادت پاکؐ سے قبل کی شاعری، عربی ادب کا مختصر احوال۔ حضورؐ کی پھوپھیوں اور ابو طالب کی شاعری۔ غیر مسلموں کے آپؐ کی شان میں قصیدے۔ غزوات میں صحابہ کرامؓ کا شعری محاذ۔ سیرت پاکؐ کا ایک مخفی گوشہ۔ اس کتاب نے اپنے منفرد موضوع پر حکومت پاکستان سے 2008ء کا سیرت ایوارڈ حاصل کیا۔

تحریر و تحقیق: شیریں زادہ خدوخیل۔ قیمت: 180 روپے

میرے حضورؐ کے دیس میں: حج اور عمرہ کا روحانی لطف دوبالا کرنے کے لیے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت سے قبل اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرلیں۔ مشہور و معروف صحافی جاوید جمال ڈسکوی کے قلم اور کیمرے کا حسین امتزاج۔ قیمت: 200 روپے

میرے قتل کے بعد؟ ذوالفقار علی بھٹو کی جیل میں لکھی گئی آپ بیتی If i am Assassinated (اگر مجھے قتل کیا گیا) کا اُردو ترجمہ۔ مجاہد لاہوری کے قلم سے۔ قیمت:250 روپے

سرِ سنگھار: موسیقی سیکھنے والوں کیلئے نہایت موثر اور مفید رہنما کتاب ہمراہ مفت CD کلاسیکل ریکارڈز کیساتھ۔

خالد ملک حیدر قیمت:200 روپے

خلیفہ مجاز نیریاں شریف، دنیائے تصوف میں معروف ہستی پیر عبد اللطیف خاں نقشبندی کی تصوف اور راہِ سلوک پر 3 منفرد اور معروف کتابیں

بیعت کی تشکیل اور تربیت:	صفحات: 200	قیمت:100روپے
حضور قلب:	صفحات: 352	قیمت:150روپے
رابطہ شیخ:	صفحات: 312	قیمت:150روپے

احمد پبلی کیشنز لاہور